جولائی 2025
جشن آزادی
گھر کے ہر فرد کے لئے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
اگست 2025
قیمت 200 روپے
بانی
معراج رسول
اسما اشرف منہاس کے منی ناول کا مسحور کن اختتام
شگفتہ شفیق سے دلکش باتیں
Ch. Amanat Ali & Sons, Rahim Yar Khan
www.pklibrary.net

ساون نمبر

Digest Novels Lovers Group ❤❤

اداریہ

مجھے کچھ کہنا ہے — [illegible] 07

سلسلے وار ناول

اک دیا ہے ہاتھوں پہ — نگہت سیما 10
حوصلہ شرط وفا ٹھہرا — بشریٰ مسرور 78

منی ناول

ساحل — اسما اشرف منہاس 46

ناولٹ

دل بے اختیار ہوا — عالیہ حرا 110

مکمل ناول

محبت ہجر زدہ — عنبرین ابدال 144

افسانے

بہار و پھول برساؤ — شمیم فضل خالق 33
خمیازہ — فرحت جبیں 73
لمحے چرا کر وقت نے — اُم ایمان 100
جواب — انیلا شہزاد 131
کاش — نگہت اعظمی 135

خصوصی مضامین

شمع ہدایت — اختر شجاعت 176
سمروے — شائستہ زریں 184
تعزیتی مضمون — سیما رضا 190
شاعری میری پہچان — شائستہ زریں 192

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن ، مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

مستقل عنوانات

دین کی باتیں	ادارہ 08	خوش ذائقہ	شگفتہ یاسمین 216
بہنوں کی محفل	مدیرہ 201	بزم پاکیزہ	پاکیزہ بہنیں 218
پاکیزہ ڈائری	آمنہ حماد 209	روحانی مشورے	ادارہ 219
میں اکثر گنگناتی ہوں	صغریٰ زیدی 214	حسن نکھاریئے	مہ جبیں 220
ہومیو کلینک	222		

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35804200 ,35802552, E-mail address: idpgroup@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے

Digest Novels .com 2025

[illegible]

صورت دینے کے لیے [illegible] جدوجہد کی [illegible] کے لیے [illegible]

[illegible] اور الحمد للہ ایک [illegible]

جب برصغیر تقسیم ہوا تو ہجرت [illegible] کی بھی قربانی دینی پڑی [illegible]

وہ تحریک آزادی کے تمام مجاہدوں نے [illegible]

اللہ پاک سے دعا ہے ہمارے ملک پاک وطن کو آزاد و شاد و آباد رکھے اور دشمنوں کی میلی نظروں سے بچائے رکھے، آمین۔

زندہ باد کشور حسین —— زندہ باد پاک سرزمین

مدیرہ:

نزہت اصغر

القرآن الکریم

اور (اے رسول) لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں تم کہہ
دو (کہ) لو میں تمہیں اس کا ذکر پڑھ کر سناتا ہوں۔ (۸۳) یقیناً ہم نے اسے
زمین میں تمکین دے رکھی تھی اور ہم نے اسے ہر چیز کے ذرائع عطا
کیے۔ (۸۴) پس وہ ایک سبب (ذریعہ) کے پیچھے ہولیا۔ (۸۵) یہاں تک کہ
جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا (تو) اسے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمہ
میں غروب ہوتے پایا اور اس (چشمہ) کے نزدیک ایک (کافر) قوم کو پایا۔ ہم
نے کہا اے ذوالقرنین! (تمہیں اختیار ہے) خواہ تم (انہیں) سزا دو اور خواہ تم ان
میں بھلائی اختیار کرو۔ (۸۶) اس نے کہا لیکن جس نے ظلم کیا تو ہم اسے جلدی
سزا دیں گے پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے (بہت)
بُرے عذاب سے سزا دے گا۔ (۸۷) اور رہا وہ شخص جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے پس اس کے لیے نہایت ہی اچھا
بدلہ ہوگا اور عنقریب ہم اسے اپنا حکم بھی آسان ہی کہہ دیں گے۔ (۸۸) پھر وہ ایک (اور) سبب (ذریعہ) کے پیچھے ہولیا۔
(۸۹) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے نکلنے کی جگہ پہنچا (تو) اسے ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے پایا جن کے لیے ہم نے
اس (سورج) کے سوا کوئی پردہ ہی قرار نہ دیا تھا۔ (۹۰) ایسا ہی تھا اور یقیناً ہم اس سے پورے خبردار تھے جو کچھ کہ اس کے
پاس تھا۔ (۹۱) وہ پھر ایک (اور) سبب (ذریعہ) کے پیچھے ہولیا۔ (۹۲) یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑی دیواروں کے درمیان
پہنچا (تو) ان دونوں سے ورے ایک قوم کو پایا وہ لوگ قریب، قریب ایسے تھے کہ کوئی بات بھی نہیں سمجھتے تھے۔ (۹۳) وہ
بولے اے ذوالقرنین یقیناً یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں۔ پس کیا ہم تمہارے لیے کچھ خرچ مقرر
کردیں کہ تم ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ایک دیوار بنادو۔ (۹۴) اس نے کہا کہ میرے پروردگار نے اس میں جو کچھ
تمکین مجھے دے رکھی ہے وہ بہتر ہے پس تم مجھے جسمانی قوت سے مدد دو کہ میں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان ایک
مضبوط دیوار بنادوں۔ (۹۵) تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ یہاں تک (کہ) جب اس نے پہاڑ کے دونوں کناروں
کے درمیان (کے خلا) کو (بھر کر) برابر کردیا تو کہا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب اس نے (دھونکتے دھونکتے) اسے آگ بنادیا
کہنے لگا کہ (اب) تم میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ میں اسے اس پر ڈال دوں۔ (۹۶) پس (دیوار بن جانے کے بعد)
ان (یاجوج ماجوج) سے نہ ہوسکا کہ وہ اس (دیوار) پر چڑھ جائیں اور نہ یہ ہوسکا کہ اس میں سوراخ کرسکیں (۹۷)
(ذوالقرنین نے) کہا یہ میرے پروردگار کی رحمت ہے۔ پس جب میرے پروردگار کے وعدے (کا وقت)
آجائے گا تو وہ اسے ریزہ، ریزہ کردے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے (۹۸) اور ہم انہیں اس دن ایک
دوسرے پر موجیں مارتا چھوڑ دیں گے اور صور میں پھونک ماری جائے گی۔ پھر ہم سب کو اکٹھا کرلیں گے۔
(۹۹) اور ہم اس دن دوزخ کو (ان) کافروں کے سامنے کھلم کھلا پیش کردیں گے۔ (۱۰۰)

(پارہ ۱۶، سورۂ کہف ۱۸۔ آیات ۸۳ تا ۱۰۰)

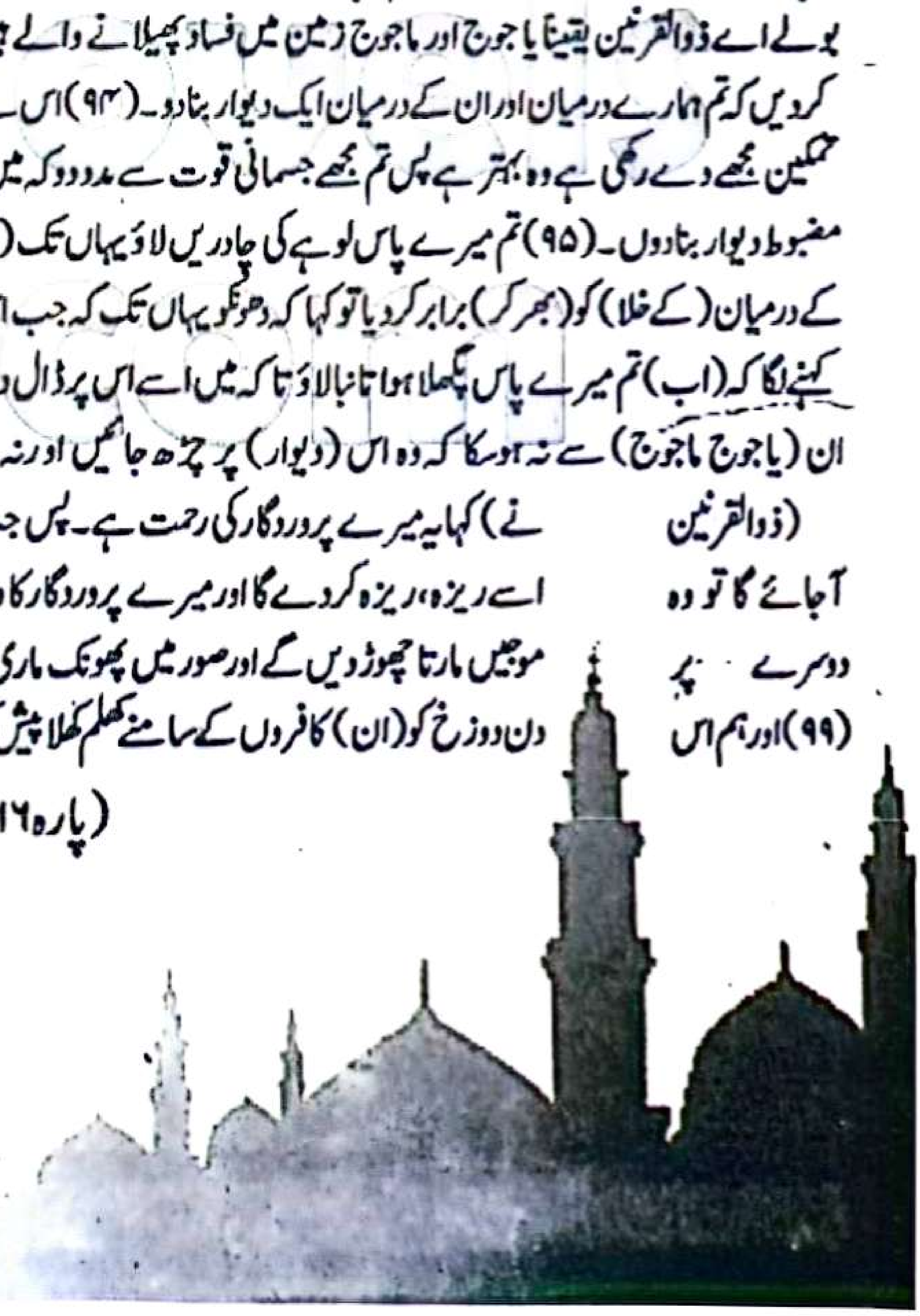

مفاہیم احادیث

فضیلت نماز اور

احادیث نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ ”بتاؤ اگر کسی شخص کے دروازے پر ایک نہر جاری ہو جس میں سے وہ پانچ مرتبہ روزانہ غسل کرتا ہو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہی حال پانچ نمازوں کا ہے ان کی وجہ سے گناہ زائل ہو جاتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اچھی طرح وضو کرے اور پھر فرض نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس دن وہ گناہ جو چلنے سے ہوئے اور وہ گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے کیا ہو اور وہ گناہ جو اس کے کانوں سے صادر ہوئے ہوں اور وہ گناہ جن کو اس نے آنکھوں سے کیا ہو اور وہ گناہ جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں، سب کو معاف فرما دیتا ہے۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”میں نے تمہاری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اس کا میں نے اپنے لیے عہد کر لیا ہے کہ جو شخص ان پانچ نمازوں کو ان کے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے اس کو اپنی ذمے داری پر جنت میں داخل کروں گا اور جو ان نمازوں کا اہتمام نہ کرے تو مجھ پر اس کی کوئی ذمے داری نہیں ہوگی۔“

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لیے ثواب کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض کے لیے نواں حصہ بعض کے لیے آٹھواں حصہ، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی، آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔ (یعنی جس درجے کا خشوع اور خضوع نماز میں ہو اتنی ہی مقدار اجر و ثواب کی ملتی ہے)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز چھوڑنا آدمی کو کفر سے ملا دیتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ بندے کو اور کفر کو ملانے والی چیز صرف نماز چھوڑنا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔

(صحاح ستہ)

digest library.com

سلسلے وار ناول

قسط نمبر ۹

اک دیا ہے ہاتھوں پر

نگہت سیما

خواب دیکھنا کسے اچھا نہیں لگتا ہر آنکھ خواب دیکھتی ہے ہر انسان کی زندگی میں ایسا موسم ضرور آتا ہے جب ہوائیں پاؤں میں جھانجریں ڈال کر ٹھمک، ٹھمک چلتی ہیں تو خواب خودبخود آنکھوں کی دہلیز پر اتر آتے ہیں لیکن ہر آنکھ میں اترنے والا خواب تعبیر نہیں پاتا۔ کچھ خواب بے تعبیر بھی رہ جاتے ہیں۔ کچی عمروں کے وہ خواب جو بے سمت کر دیتے ہیں اور منزل کے اختتام پر میٹھے پانی کا چشمہ نہیں ریت کا سراب ہوتا ہے اور خالی ہاتھوں میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں... خشک ہونٹوں پر پیاس کے طلسم... اور ویران آنکھوں میں مسافتوں کی تھکن... یہ صرف خوابوں کی کہانی نہیں ہے، یہ انسان کے منفی رویوں کی کہانی بھی ہے جو دلوں کے شفاف آئینوں کو دھندلا کر دیتے ہیں اور یہ محبتوں کی کہانی بھی ہے۔ سچی، خالص اور بے ریا محبتیں جو قربانی اور ایثار کا سبق دیتی ہیں اور دلوں کے سیاہ آبگینے اجال دیتی ہیں۔

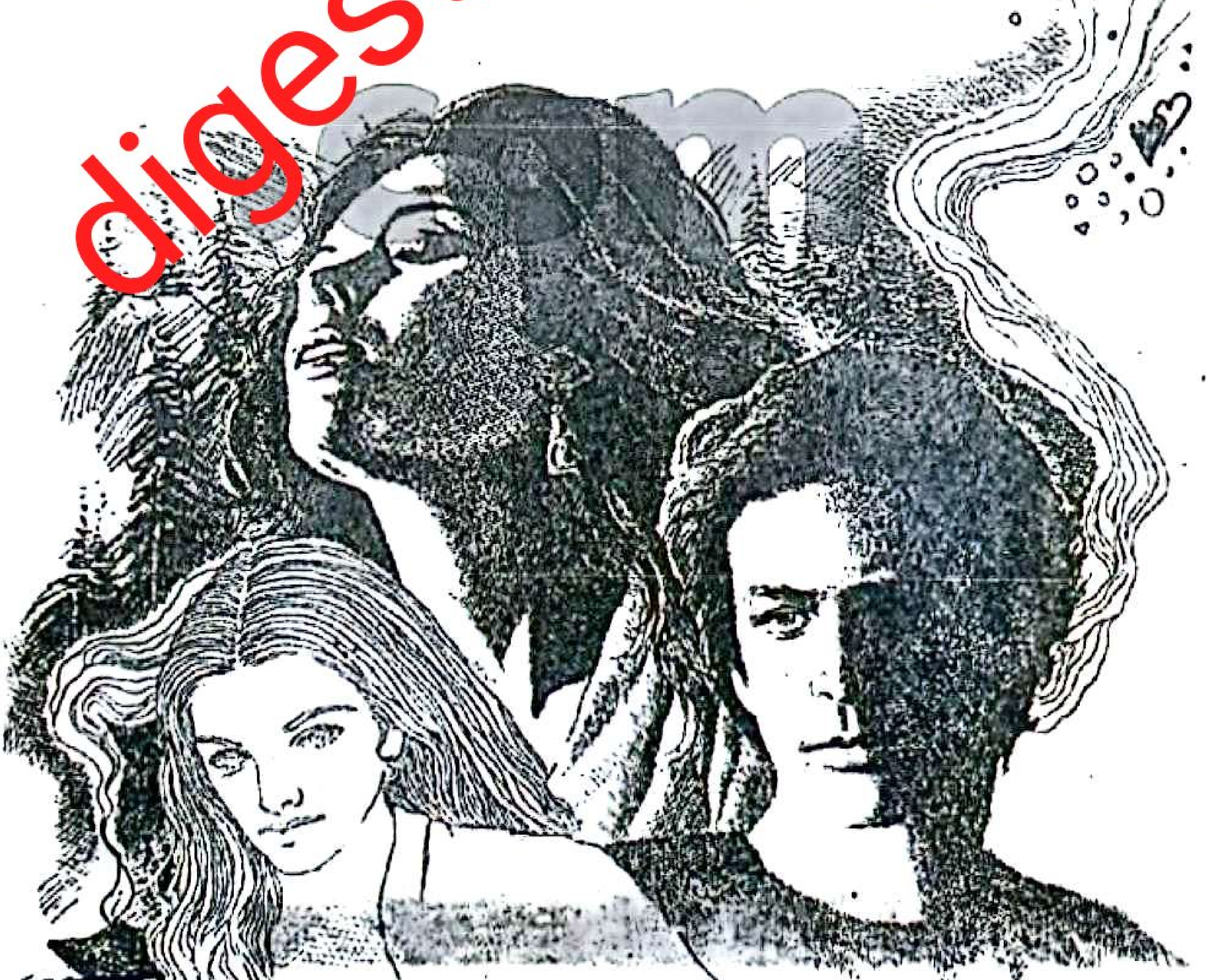

''اینا......اینا......''

وہ اسے بازوؤں میں لیے چیخ رہی تھیں۔ اس کے پاؤں پر کچھ کرچیاں لگی تھیں۔ جن سے خون رس رہا تھا۔ پاؤں کے تلوے میں بھی شاید کوئی کانچ چبھا تھا کہ دائیں پاؤں سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے وہ ننگے پاؤں تھا۔ وہ اسے اٹھائے دھیرے، دھیرے پیچھے ہٹ رہی تھیں اور وہ ان کے بازوؤں سے نکلنے کے لیے مچل رہا تھا۔

''چھوڑیں......چھوڑدیں مجھے مام......''

اور پھر اس کی نظر یک دم ہی پاؤں سے ٹپکتے خون کے قطروں پر پڑی تو اس نے مچلنا بھی چھوڑ دیا تھا اور چلانا بھی......وہ اسے بازوؤں میں لیے، لیے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''میم......میم کیا ہوا۔''

اینا دوڑتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اس کی پہلی نظر عطیہ حیدر پر پڑی جو سلمان کو گود میں لیے متوحش سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

digest library.com

''اینا......یہ سلمان......''

''اوہ مائی گاڈ......اوہ مائی گاڈ......'' وہ تیزی سے ان کے قریب آئی اور گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھتے ہوئے سلمان کے پاؤں پکڑ کر دیکھے۔ اور پھر آہستہ سے اپنی انگلی اس کے پاؤں پر ماری تو سلمان کے لبوں سے سسکاری نکلی۔

''میرا خیال ہے کوئی کرچی اندر ہے۔''

اس نے پھر اس کے پاؤں پر انگلیاں ماریں تو سلمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے کیا۔

''مت کرو ایسا۔''

''شاید ایک سے زیادہ کرچیاں ہیں میم......'' اب اس نے پاؤں الٹ کر دیکھا......ایڑی اور تلوے سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے ایڑی میں چبھے کانچ کے ایک نوکیلے ٹکڑے کو کھینچ کر نکالا تو خون بھل بھل بہنے لگا۔

''اوہ مائی گاڈ......اوہ مائی گاڈ۔'' کہتے ہوئے وہ فوراً اٹھی۔

''میں فرسٹ ایڈ باکس لے کر آتی ہوں لیکن ہمیں ڈاکٹر کے پاس جانا ہوگا میم......''

وہ اسی طرح دوڑتی ہوئی سیڑھیوں سے اتر گئی تو انہوں نے گود میں لیٹے سلمان کو دیکھا۔ اس کی سرد سپاٹ آنکھوں میں اس وقت سہم تھا۔ وہ ڈرا ہوا سا کبھی اپنے پاؤں سے نکلتے خون کو نیچے ٹپکتے ہوئے دیکھتا اور کبھی ان کی طرف......پاؤں کے اوپر سے صرف خون رس رہا تھا لیکن ایڑی سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ وہ اپنا دوپٹا اس کی ایڑی کے نیچے رکھ کر خون کو بہنے سے روکنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''میری جان، میرا بیٹا۔''

وہ بار، بار اس کی پیشانی چومتیں ان کے آنسو اس کی پیشانی کو گیلا کر رہے تھے۔ غیر ارادی طور پر سلمان نے ان کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اب وہ اس کے ہاتھوں کو چوم رہی تھی۔

''بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ بہت درد ہو رہا ہے، ہے ناں......بس ابھی اینا آتی ہے۔ وہ ابھی تو ڈریسنگ کر دیتی ہے پھر ڈاکٹر کی طرف چلتے ہیں۔''

وہ اس سے یہ نہیں پوچھ رہی تھیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ وہ اس سے پوچھ رہی تھیں کہ اسے درد زیادہ تو نہیں ہو رہا، وہ اس کی تکلیف پر رو رہی تھیں۔ حیران آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے اس نے ان کے ہاتھ پر اپنی گرفت سخت کی۔ تب ہی اینا فرسٹ ایڈ باکس لے کر آ گئی۔ اس نے خون صاف کر کے پٹی باندھ دی تھی لیکن خون نے پٹی کو بھی رنگین کر دیا تھا۔

"خان چاچا کو کہو فوراً گاڑی نکالیں۔"

گلریز جب چھٹی پر جاتا تو بوقتِ ضرورت بہادر خان ہی گاڑی ڈرائیو کرتا تھا۔ جوزف کو تو چند ماہ پہلے ہی رکھا گیا تھا۔

"یس......یس میم۔"

اینا باکس اٹھائے پہلے کی طرح ہی تیز، تیز سیڑھیاں اترنے لگی۔

"مام......ام او کے......"

اس نے اپنا ہاتھ ان کی گرفت سے نکال کر ان کے رخسار پر بہتے آنسوؤں کو اپنے ننھے ہاتھ سے پونچھا تو عطیہ حیدر کو لگا ان کا دل اس کے اس اپنائیت بھرے اظہار پر پھٹ جائے گا۔ بے اختیار انہوں نے اس کے ہاتھ کو ہاتھوں میں لے کر لبوں سے لگایا اور بے تحاشا چومنے لگیں۔ آنسو اور روانی سے بہنے لگے تھے۔ تب ہی بہادر خان دو، دو سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر لاؤنج میں آیا اور سلمان کو ان کی گود سے لے لیا۔

"یہ......یہ کیسے ہوا......اوہ یا اللہ......" اس نے فرش پر گرے خون کے قطروں کو دیکھا۔ لیکن عطیہ حیدر نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ ہولے، ہولے اس کے پیچھے سیڑھیوں سے اتر رہی تھیں۔ نیچے لاؤنج میں اینا ان کا کوٹ اور اسکارف لیے کھڑی تھیں۔

"تھینک یو اینا۔" انہوں نے کوٹ اور اسکارف اس سے لے لیا۔

"صاحب کو فون کر دیا ہے میم وہ اسپتال ہی آ رہے ہیں۔" انہوں نے اینا سے خورشید کو فون کرنے کو نہیں کہا تھا لیکن وہ اپنی ذمے داری سمجھتی تھی۔ اینا کو ان کے پاس کام کرتے نو سال سے زیادہ ہی ہو گئے تھے۔ ریٹا کو بھی تقریباً اتنا ہی وقت ہو گیا تھا۔

"بہادر خان کو بتا دیا ہے میں نے کس اسپتال میں جانا ہے۔" اینا ان کے ساتھ، ساتھ چلتی ہوئی باہر پورچ تک آئی تھی۔ بہادر خان نے سلمان کو پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا تھا عطیہ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ خورشید حیدر اسپتال آ رہے تھے یہ سن کر ان کے دل کو تقویت ملی تھی۔ سلمان ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا۔

"سلمان بیٹا بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا لیکن اپنا ہاتھ چھڑایا نہیں......تھا تو وہ ایک نو سال کا بچہ ہی......اپنے پاؤں سے خون نکلتا دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ ورنہ عام حالات میں وہ انہیں یوں ہاتھ کب پکڑنے دیتا تھا جب کبھی اپنی ممتا سے مجبور ہو کر انہوں نے اسے پیار کرنا چاہا تھا وہ بدک کر پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ لیکن آج اس نے اپنا ہاتھ ان کی گرفت سے نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بے اختیار انہوں نے اس کا ہاتھ اوپر کر کے ہونٹوں سے لگایا تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر آہستگی سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں سے نکال لیا۔ انہیں یوں لگا جیسے کوئی قیمتی متاع اچانک ان کے ہاتھوں سے نکل گئی ہو۔

"ہم کتنی دیر میں اسپتال پہنچیں گے بہادر خان۔"

سلمان سب ملازمین کو نام لے کر بلاتا تھا۔ اسے عادت نہیں تھی آنٹی، انکل وغیرہ کے القاب کی حالانکہ عطیہ حیدر اسے سمجھاتی رہتی تھیں کہ وہ اینا اور ریٹا کو آنٹی اینا اور آنٹی ریٹا کہا کرے لیکن وہ عطیہ کی بات پر کان نہیں دھرتا تھا، وہ صرف مانوش کی بات مانتا تھا جسے جھوٹے اور بناوٹی رشتے بنانا پسند نہیں تھا وہ کہتی تھی۔ "نہ اینا تمہاری آنٹی ہے نہ ریٹا......تو انہیں ان کے نام سے بلاؤ خواہ مخواہ رشتے جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ لیں ہم پہنچ گئے۔"

بہادر خان نے گاڑی اس چھوٹے سے پرائیویٹ اسپتال کی پارکنگ کی طرف بڑھائی۔

خورشید حیدر ان سے پہلے ہی وہاں موجود تھے کہ یہ اسپتال ان کی کمپنی کے آفس سے نزدیک تھا۔ خورشید کو دیکھ کر عطیہ کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے جنہیں انہوں نے روکنے کی کوشش کی ... بھی ایک دو آنسو رخساروں پر پھسل آئے تھے۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دی۔ اور سلمان کو دیکھنے لگے جس کے پاؤں پر بندھی پٹی خون سے سرخ ہو رہی تھی۔ بہادر خان نے اسے گود میں اٹھا لیا تھا۔

''میں چل سکتا ہوں بہادر خان......'' سلمان اس کی گود میں مچلا تھا لیکن اس کے احتجاج کے باوجود بہادر خان اسے گود میں اٹھائے، اٹھائے ایمر جنسی میں لے گیا تھا۔ وہاں موجود ڈاکٹر نے فوراً ہی اس کا پاؤں چیک کیا...... وہ خورشید حیدر کو جانتا تھا۔

ڈاکٹر دانش پاکستانی تھے اور کئی بار کسی ڈنر یا پارٹی میں ان کی ملاقات خورشید حیدر سے ہو چکی تھی۔

''پریشانی کی کوئی بات نہیں مسٹر حیدر...... آپ پلیز باہر تشریف رکھیں۔ کچھ کرچیاں اندر ہیں لیکن بہت گہرائی میں نہیں ہیں۔ ابھی نکال کر ڈریسنگ کر دیتے ہیں۔ ایڑی میں شاید ایک دو اسٹچز لگیں۔''

''تھینک یو ڈاکٹر دانش......'' وہ باہر نکل آئے تھے اور باہر آ کر انہوں نے بہادر خان کو گھر بھیج دیا۔

''خان چاچا آپ گھر واپس چلے جائیں۔ کیا خبر اینا کو جانا ہو......'' اینا ٹرین سے گھر جاتی تھی اور بہادر خان ہی اکثر اسے ریلوے اسٹیشن تک ڈراپ کرتا تھا۔

''زیادہ گہرا زخم تو نہیں ہے۔'' عطیہ نے ان کے قریب آتے ہی بے چینی سے پوچھا۔

''نہیں......'' ان کے پاس ہی بیٹھتے ہوئے خورشید حیدر نے نفی میں سر ہلایا۔

''ڈاکٹر دانش تھے ڈیوٹی پر۔''

عطیہ بھی ڈاکٹر دانش کو جانتی تھیں۔ ڈاکٹر دانش اور ان کی مسز ڈاکٹر فرح سے کئی بار ملاقات ہو چکی تھی۔ سو وہ مطمئن سی ہو گئیں۔

''ویسے یہ کیسے اس نے پاؤں زخمی کیا؟''

خورشید حیدر نے پوچھا تو وہ تفصیل بتانے لگیں۔

''کیا زونا کے متعلق تم نے کوئی بات کی تھی اس سے۔'' ساری بات سننے کے بعد انہوں نے پوچھا۔

''نہیں...... وہ تو سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اینا نے بتایا تھا وہ ٹوائز کے ساتھ کھیل رہا ہے...... پھر اچانک......''

''او کے...... ریلیکس......'' انہوں نے اس کا بازو تھپتھپایا۔

''خورشید......'' انہوں نے بے اختیار ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

''اس نے آج میرے آنسو پونچھے۔ میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھا۔ اس نے کہا۔ ''ماما''

ان کی آواز بھرا گئی تو خورشید نے پھر ان کا بازو تھپتھپایا۔

''وہ ہمارا بیٹا ہے عطیہ...... بچوں کو ماں، باپ سے محبت ہوتی ہے۔ ہمارے بیٹے کو بھی ہم سے محبت ہے۔ لیکن بچے بیمار بھی تو ہوتے ہیں۔ ہمارا بیٹا بھی کچھ بیمار ہے۔ کچھ پرابلم ہے اس کے ساتھ ان شاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ان شاء اللہ......''

عطیہ حیدر کا ڈوبا، ڈوبا دل جیسے تیرنے لگا تھا خورشید حیدر نے ہمیشہ ہی انہیں حوصلہ دیا تھا۔ یقین اور امید دی تھی۔ جب انہیں پتا چلا تھا کہ ان کا بیٹا ذہنی معذور ہے تو وہ کتنا روتی تھیں کتنی ڈسٹرب رہتی تھیں۔ خاص طور پر جب وہ پاکستان جاتیں تو سسرالی رشتے دار عورتیں عجیب، عجیب باتیں کرتیں اور رحیمہ سلطان کو خورشید کی دوسری شادی کا مشورہ دیتیں۔ ایسے میں وہ ہر، ہر لمحہ ان کے ساتھ تھے' ان کا حوصلہ بڑھاتے' انہیں تسلی دیتے۔ اور جب ان کا بیٹا

صرف چار دن زندہ رہ کر چلا گیا تھا تب بھی وہ ان کے ساتھ کھڑے تھے، ان کے آنسو پونچھتے۔ تسلی دیتے اللہ کی رضا پر راضی ہونے کا کہتے۔ رحیمہ سلطان نے واقعی اپنے بیٹے کی بہترین تربیت کی تھی۔

''آپ میرے ساتھ ہوتے ہیں تو مجھے لگتا ہے سب ٹھیک ہو جائے گا، ہم اپنے بیٹے کے ساتھ ایک نارمل زندگی گزاریں گے لیکن جب آپ نہیں ہوتے تو دل میں ہزاروں وسوسے آتے رہتے ہیں۔ میں بولائی، بولائی پھرتی ہوں۔ اماں جان تھیں تو حوصلہ دیتی تھیں، سمجھاتی تھیں۔ اب وہ بھی نہیں اور آپ بھی صبح کے نکلے شام کو گھر آتے ہیں۔''

''میں تو ہر لحہ تمہارے ساتھ ہوتا ہوں بس محسوس کرنے کی بات ہے۔''

انہوں نے ایسی نظروں سے عطیہ کو دیکھا کہ وہ محجوب سی ہو گئیں۔

''کہو تو یہ کمپنی وغیرہ بند کر کے ہر لحہ تمہارے ساتھ رہوں......'' لبوں پر شریری مسکراہٹ نمودار ہوئی تو وہ نادم سی ہوئیں۔

''نہیں، میرا یہ مطلب تو نہیں تھا میں جانتی ہوں مرد کو باہر ہزاروں کام ہوتے ہیں......وہ تو بس ایسے ہی۔''

تب ہی ایک نرس سلمان کو وہیل چیئر پر لیے ایمرجنسی سے نکلی تو وہ دونوں یک دم کھڑے ہو گئے اور تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ ڈاکٹر دانش بھی نرس کے پیچھے ہی باہر آئے تھے۔

''کوئی زیادہ گہرے زخم نہیں تھے۔ ایڑی میں ایک چھوٹا سا لیکن قدرے گہرا زخم تھا۔ ڈریسنگ کر دی ہے۔ پاؤں کے اوپر کچھ کرچیاں اندر تھیں انہیں بھی نکال دیا ہے......درد دور کرنے کی میڈیسن دی ہیں اور ایک انجکشن بھی لگا دیا ہے۔ ان شاء اللہ ایک دو روز میں ٹھیک ہو جائے گا۔ بہتر ہے کہ ایک دو روز پاؤں پر زور نہ ڈالے۔ پھر بھی کوئی پرابلم ہو تو مجھے کال کر لیجیے گا۔''

''تھینک یو ڈاکٹر دانش......'' انہوں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے ڈاکٹر دانش نے گرم جوشی سے تھاما۔

''اسلامی سینٹر کے عبدالباری صاحب کے ہاں پچھلے دنوں کافی بڑی دعوت تھی آپ نظر نہیں آئے شاید آج کل مصروفیت زیادہ ہے۔''

''کچھ ایسا ہی ہے ڈاکٹر دانش......''

''لیکن میرے ہاں کی دعوت مس مت کیجیے گا۔''

یہ دس پندرہ لوگوں کا گروپ تھا۔ مہینے میں ایک بار کسی نہ کسی کے ہاں سب اکٹھے ہوتے تھے تو مہینے بھر کی تھکن جیسے دور ہو جاتی۔

''ان شاء اللہ......'' وہ مسکرائے۔

''اور اپنے شہزادے کو بھی لایئے گا۔ یو آر لکی......مسٹر حیدر آپ کا بیٹا جینئس ہے......بالکل آپ کی طرح......'' ڈاکٹر دانش نے وہیل چیئر پر بیزار سے بیٹھے سلمان کے گال کو دو انگلیوں سے چھوا تو سلمان کی آنکھوں میں لحہ بھر کے لیے حیرت نظر آئی۔

''میرا بیٹا بھی آپ کے بیٹے کا ہم عمر ہے۔ وہ خوش ہو گا سلمان سے مل کر......اور بھابی آپ کو بھی ضرور آنا ہے۔''

''جی ضرور......''

عطیہ حیدر نے جو سلمان کو دیکھ رہی تھیں چونک کر ڈاکٹر دانش کو دیکھا۔

''سسٹر پلیز بچے کو گاڑی تک لے جایئے۔''

ڈاکٹر دانش نرس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''اوکے......ڈاکٹر دانش، تھینک یو ان شاء اللہ جلد ملاقات ہو گی۔''

Digest Novels .com

خورشید حیدر نے انہیں خدا حافظ کہا تو وہ بھی خدا حافظ کہہ کر واپس مڑ گئے۔ پارکنگ میں جوزف نے ان کے قریب آنے پر گاڑی کا دروازہ کھولا اور سلمان کو اس کے منع کرنے کے باوجود اٹھا کر سیٹ پر بٹھایا۔

''تھینک یو مسٹر جوزف......'' سلمان نے مسکرا کر دیکھا۔

''(brave boy) بریو بوائے۔'' جوزف نے دو انگلیوں سے اس کا رخسار چھوا۔

''امید ہے جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔ خداوند تم پر رحم کرے۔'' سلمان نے سر سہلایا۔ عطیہ حیدر دوسری طرف سے آ کر اس کے قریب بیٹھ گئیں اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ آج اس نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے نہیں چھڑایا تھا۔

''تم ٹھیک ہو ناں......درد تو نہیں ہو رہا۔''

''نو......''

اس نے نفی میں سر ہلایا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ گھر تک اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے بیٹھی رہیں۔ وہ سنجیدہ سا بیٹھا رہا۔ کبھی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگتا اور کبھی عطیہ حیدر کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ کو...... گھر تک گاڑی کے اندر بالکل خاموشی رہی تھی کسی نے کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ البتہ عطیہ حیدر کی آنکھیں کبھی، کبھی نم ہو جاتیں جنہیں وہ دائیں ہاتھ کی پشت سے پونچھ لیتیں۔ اور جب جوزف، بہادر خان کے گیٹ کھولنے پر گاڑی اندر لے گیا تو انہوں نے خورشید حیدر کو مخاطب کیا۔

''آپ کی آج میٹنگ تھی انویسٹرز کے ساتھ۔''

''ہاں تھی تو لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ایرک اچانک آ گیا اور جب اسے سلمان کے زخمی ہونے کا پتا چلا تو اس نے مجھے کہا کہ وہ دیکھ لے گا سب اور میں گھر چلا جاؤں سلمان کو اور تمہاری مسز کو اس وقت تمہاری ضرورت ہوگی۔'' خورشید حیدر نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

''ایرک اور اس کی مسز اچھے انسان ہیں، مخلص اور ہمدرد۔'' عطیہ حیدر کی دونوں سے ملاقات ہو چکی تھی۔

''ہوں......بہت اچھے لوگ ہیں۔ ایرک کا رویہ سب کے ساتھ ہی بہت اچھا ہوتا ہے...... چاہے وہ کوئی ایشیائی ورکرز ہوں یا یہاں کے مقامی کالے وہ سب کا خیال رکھتا ہے۔ اور عزت کرتا ہے۔ واپس جانے سے پہلے وہ سلمان کو دیکھنے آئے گا۔''

وہ جوزف کو دیکھنے لگے جو گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

''تھینک یو جوزف......''

وہ باہر نکلے...... جوزف ہلکا سا سر خم کر کے پچھلا دروازہ کھولنے لگا۔ سلمان کے باہر نکلتے ہی بہادر خان تیزی سے اسے گود میں اٹھانے کے لیے بڑھا۔

''نو......'' اس کا ارادہ جان کر سلمان نے ہاتھ ذرا سا بلند کر کے اسے روکا۔

''میں چل سکتا ہوں خود......''

''لیکن میری جان پاؤں پر دباؤ ڈالنے سے پھر خون رسنے لگے گا۔'' عطیہ حیدر بے قراری سے اس کی طرف بڑھی تھیں لیکن وہ زخمی پاؤں کے پنجے کے بل چلتا ہوا تیزی سے رہائشی حصے کی طرف جانے لگا۔ عطیہ بھی اس کے پیچھے ہی جا رہی تھیں۔ خورشید حیدر نے جوزف کو کچھ ہدایات دیں جو تحسین بھری نظروں سے سلمان کو دیکھ رہا تھا۔

''آپ کا بیٹا بہت بہادر اور باہمت ہے سر......'' خورشید حیدر کی بات سننے کے بعد اس نے بے اختیار دل میں آئی بات کہی۔

''تھینک یو جوزف، میرے بیٹے کو ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ میں اس کے لیے بہت پریشان

digest library.com

رہتا ہوں۔''

جوزف نے سرخم کرتے ہوئے سینے پر کراس کا نشان بنایا تو خورشید حیدر اس کا کندھا تھپتھپا کر تیزی سے رہائشی حصے کی طرف بڑھ گئے۔

''سلمان نیچے ہی آپ کے بیڈروم میں ہے۔'' اینا لاؤنج میں ڈسٹنگ کر رہی تھی۔

''او کے......'' سیڑھیوں کی طرف جاتے، جاتے وہ اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گئے۔ سلمان آنکھیں بند کیے بیڈ پر لیٹا تھا اور اس کے پاس ہی عطیہ بیٹھی ہوئی تھیں اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔

''کیسے ہو بیٹا......؟'' بیڈ کی دوسری طرف بیٹھتے ہوئے انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تو اس نے آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا۔

''فائن......''

''گڈ......'' وہ مسکرائے۔

''تم اندازہ نہیں کر سکتے سلمان بیٹا کہ تمہاری ذرا سی تکلیف سے ہماری جان پر بن آتی ہے۔ احتیاط کیا کرو میری جان......''

عطیہ حیدر کی طرح انہوں نے بھی نہیں پوچھا تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا اور نہ ہی قیمتی آئینہ توڑنے پر اسے کوئی سرزنش کی تھی۔ نہ غصہ ہوئے تھے، وہ بھی عطیہ حیدر کی طرح اس کا پاؤں زخمی ہو جانے پر بہت پریشان تھے۔ حالانکہ وہ کچھ زیادہ زخمی بھی نہیں تھا اس کی آنکھوں میں لحہ بھر کے لیے حیرت نظر آئی اور پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ انہوں نے بے اختیار جھک کر اس کی آنکھیں چوم لیں۔

''ہمارے بیٹے کی آنکھیں کتنی خوب صورت ہیں عطی...... بالکل اماں جان کی آنکھوں جیسی ویسی ہی گھور سیاہ ویسی ہی سحر انگیز اور ویسی ہی لانبی گھنی پلکیں۔'' انہوں نے اس کی بند آنکھوں اور رخساروں پر جھکی پلکوں کو دیکھا۔

''ہاں، مسز ظفر کہتی ہیں۔ ہمارے بیٹے کی آنکھوں کا کوئی مول نہیں ہے۔'' عطیہ محبت سے سلمان کو دیکھ رہی تھیں جس پر نیند طاری ہو رہی تھی اور وہ اپنے ماں، باپ کی باتیں سن کر حیران ہوتا جانے کب گہری نیند میں چلا گیا......ڈاکٹر نے جو انجیکشن لگایا تھا اور میڈیسن دی تھیں ان میں یقیناً نیند آور دوا بھی شامل تھی۔ اس کے سونے کے بعد وہ دونوں دبے پاؤں باہر آ گئے۔

''میں نے اوپر لاؤنج کی صفائی کر دی تھی میم۔'' اینا لاؤنج میں ہی بیٹھی تھی ان کے آنے پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ آج عطیہ نے اینا کو رات تک کے لیے روک لیا تھا۔

''آپ کے لیے کافی بناؤں......؟''

''یس پلیز......!''

عطیہ نے خورشید حیدر کی طرف دیکھا تو انہوں نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اس وقت میں کافی پینے ہی لگی تھی جب اوپر سے شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ میں دوڑتی ہوئی اوپر گئی تھی......پیتل کا وہ نقشین گلدان جو کارنر میں رکھا تھا اور ہم لاہور سے لائے تھے۔ وہ اسے دونوں ہاتھوں میں لیے آئینے پر مار رہا تھا۔ اور کرچیاں اچھل، اچھل کر اس کے پاؤں پر اور اس کے آس پاس گر رہی تھیں۔ میں بہت ڈر گئی تھی بہت زیادہ......'' آنکھیں یک دم آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

''وہ بہت غصے میں تھا بہت خفا اور ناراض لگ رہا تھا۔'' آنسو رخساروں پر پھسل آئے تھے خورشید حیدر نے بازو اُن کے گرد حمائل کر کے انہیں اپنے قریب کیا۔ اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے ان کے رخساروں پر پھسل آنے

والے آنسوؤں کو صاف کیا۔

''ہمارا بیٹا بہت ذہین ہے۔ تم جانتی ہو ناں اس کا آئی کیو کتنا ہے۔ اس نے زونا کو مارا تھا۔ اسے زونا کی ماں کے ردِعمل کے متعلق بھی علم ہوگا۔ وہ سمجھ گیا ہوگا کہ مس گارڈن نے ہمیں کیوں بلایا ہے۔ اس نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ مس گارڈن نے اس کے متعلق کوئی وارننگ دی ہے یا ہو سکتا ہے اسے یہ بھی اندازہ ہو کہ اس کی اس حرکت کی وجہ سے اسے اسکول سے نکال دیا گیا ہے۔ اور وہ اس طرح توڑ پھوڑ کر کے اپنے غصے کا اظہار کر رہا ہو..... وہ کوئی عام اور بیوقوف لڑکا نہیں ہے۔ ہمارا بیٹا دوسروں سے کچھ مختلف ہے اور ہمیں اس کے مطابق ہی ٹریٹ کرنا ہے۔''

''لیکن ہم کیا کریں..... کیسے ٹریٹ کریں؟'' انہوں نے بے بسی سے خورشید حیدر کی طرف دیکھا۔

''مسز ظفر کے بھانجے کو اس نے بلاوجہ مارا تھا، میں خود دیکھ رہی تھی۔ وہ کیوٹ سا بچہ تو مسز ظفر کی بیٹی کے ساتھ کھیل رہا تھا جب سلمان نے اسے پیچھے سے دھکا دیا تھا۔ اسکول میں بھی یقیناً زونا اور دوسرے بچوں کو اس نے بغیر کسی وجہ کے ہی مارا ہوگا۔''

''ریلیکس عطیہ..... آج شام میں ڈاکٹر ماریا سے مل کر سب ڈسکس کروں گا..... اور ان سے سلمان کے لیے ٹائم بھی لے لیں گے۔ ان شاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' انہوں نے ہمیشہ کی طرح تسلی دی۔

''ان شاء اللہ.....!'' آہستگی سے کہتے ہوئے عطیہ حیدر نے ان کی طرف دیکھا جیسے کچھ کہنا چاہتی ہوں اور کہتے ہوئے جھجک رہی ہوں۔

''کچھ کہنا چاہ رہی ہو عطی..... کہو کیا ہے تمہارے دل میں.....''

خورشید حیدر تو جیسے ان کی آنکھوں کی جنبش سے ان کے دل کی بات جان لیا کرتے تھے۔

''وہ کبھی، کبھی میں سوچتی ہوں کہ ہم نے آفی کو ادارے میں بھیج کر اللہ کو ناراض کر دیا ہے۔ اللہ نے اسے ہمیں دیا تھا حیدر..... وہ جیسا بھی تھا اللہ کا تحفہ تھا اور ہمارا فرض تھا کہ ہم اس کی دیکھ بھال کرتے اسے پالتے لیکن ہم نے اسے ڈس اون کر دیا۔'' وہ سر جھکا کر نچلا ہونٹ کچلنے لگیں جیسے اندر کہیں کوئی گہرا درد ان کے دل کو چھیل رہا ہو۔

''ہم نے اسے ڈس اون نہیں کیا تھا عطیہ، تم جانتی ہو اچھی طرح..... تمہاری طبیعت اتنی خراب تھی کہ تم اس کی ٹھیک طرح سے کیئر نہیں کر سکتی تھیں۔ اماں جان کے لیے بھی اسے سنبھالنا مشکل تھا تو عارضی طور پر کچھ عرصے کے لیے..... ہم نے اسے اسپیشل بچوں کے ادارے میں چھوڑا تھا۔ میں ہر دوسرے، تیسرے روز وہاں وزٹ کرتا تھا۔ وہ وہاں ٹھیک تھا خوش تھا اس کی وہاں بہت اچھی دیکھ بھال ہو رہی تھی۔''

''لیکن میں تو اس کے پاس نہیں تھی۔ وہ چھوٹا سا تھا، ذہنی معذور تھا پھر بھی مجھے پہچانتا تھا۔ اس کی نظریں مجھے کھوجتی تھیں۔ وہ میرے علاوہ کسی کے ہاتھ سے کچھ نہیں کھاتا تھا۔ میں اسے گود میں لے کر فیڈر دیتی تھی تو وہ میری انگلی پکڑ لیتا۔ میری طرف دیکھ کر مسکراتا۔ میں نے سوچا تھا کہ اسے واپس لے کر آئیں گے تو میں اسے بہت سارا پیار کروں گی لیکن.....'' آنسو ایک بار پھر ان کی آنکھوں سے ڈھلک پڑے تھے۔

''اپنے آپ کو سنبھالو عطی..... رونا کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتا میری جان وہ اتنی ہی عمر لے کر آیا تھا۔ ہم گئے تو تھے اسے لینے لیکن.....''

خورشید حیدر چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے تھے۔ انہیں وہ دن اچھی طرح یاد تھا۔ عطیہ اس روز بہت خوش تھیں انہوں نے اس کے لیے اس کا کمرا سیٹ کیا تھا۔ ایک آیا کا انتظام کیا گیا تھا جو ہر وقت اس کے پاس رہتی..... اس روز انہوں نے اسے لینے جانا تھا لیکن وہاں سے فون آ گیا کہ اسے نمونیہ کا شدید اٹیک ہوا ہے اور اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اور جب وہ وہاں پہنچے تو وہ آخری سانسیں لے رہا تھا۔

''اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا تھا اور پھر آنکھیں بند کرلیں جیسے میرا ہی انتظار کررہا تھا۔'' ڈبڈبائی آنکھوں سے عطیہ حیدر نے ان کی طرف دیکھا۔

''اللہ اپنی مصلحتیں خود سمجھتا ہے عطیہ اگر وہ زندہ رہتا تو زندگی نہ جانے اس کے لیے کتنی اذیت ناک اور تکلیف دہ ہوتی...... اس کے لیے ہی نہیں ہمارے لیے بھی۔''

''ہاں شاید......'' خورشید حیدر کی بات سے انہیں انکار نہیں تھا۔

''لیکن وہ تو نارمل تھا، صحت مند تھا اور صرف چار دن بعد چلا گیا اور وہ ہماری شہزادی ہماری گڑیا اسے کیا ہوا تھا خورشید...... میں تو اسے کھلونوں سے کھیلتا چھوڑ کر باہر آئی تھی۔ وہ کلاؤن کو بار، بار چابی دیتی تھی اور اس کے ڈرم بجانے پر خوش ہوکر تالیاں بجارہی تھی لیکن جب میں واپس آئی صرف چند منٹوں بعد تو وہ اوندھی پڑی تھی، میں نے اسے سیدھا کیا تو اس کا رنگ نیلا ہورہا تھا اور......''

اب وہ دھاڑیں مار، مار کر رونے لگی تھیں۔ خورشید حیدر نے انہیں اپنے ساتھ بھینچ لیا۔ وہ ڈپریس ہورہی تھیں۔

''اللہ یقیناً ہم سے ناراض ہے۔ اس کی سانس کیسے بند ہوگئی...... وہ کیسے مرگئی...... وہ تو......''

ان کی نظریں یک دم اپنے بیڈروم کے دروازے میں کھڑے سلمان پر پڑیں اس کی آنکھوں میں خوف اور وحشت سی تھی۔

''سلمان......'' وہ یک دم سیدھی ہوئیں۔ لیکن وہ واپس بیڈروم میں چلا گیا تھا۔

digest library.com

انشال اپنے کپڑے تہ کرکے بیگ میں رکھ رہی تھی۔ امینہ سامنے زالے بیڈ پر بیٹھی اسے دیکھ رہی تھیں۔ انشال نے بیگ کی زپ بند کرکے بیگ بیڈ سے اٹھا کر نیچے رکھا۔

''یہ لیں ہماری تیاری تو ہوگئی۔''

''اچھی طرح دیکھ لو کہیں کوئی کتاب وغیرہ رہ نہ جائے پچھلی بار کی طرح...... پھر تمہارے بابا کو جانا پڑا تھا دینے۔'' امینہ نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔

''ابا کوریئر کردیتے خواہ مخواہ خود لے کر آئے۔''

''کیا اعتبار کوریئر والے کتنے ہفتوں بعد پہنچاتے اور تمہیں پڑھنا تھا۔''

''میں نے ویسے سب چیزیں رکھ لی ہیں۔ پھر بھی ایک نظر دیکھ لوں گی۔'' اس نے تکیہ اٹھا کر دیکھا اور اپنا فون اٹھا کر چارجنگ پر لگایا اور ماں کی طرف دیکھا۔

''ویسے یہ آپ نے اتنا منہ کیوں لٹکایا ہوا ہے پہلی بار تو نہیں جارہی۔''

''پتا نہیں کیوں دل اداس ہورہا ہے۔ کتنا تھوڑا وقت گزارہ ہے ناں ہم دونوں ماں، بیٹی نے ایک ساتھ...... پڑھائی ختم ہوگی تو پھر شادی ہوجائے گی تمہاری۔'' امینہ کی آنکھوں میں نمی تھی۔

''تو کس نے کہا ہے کہ میری شادی کریں کوئی ارادہ نہیں ہے میرا شادی وادی کرنے کا...... ماسٹر کے بعد مجھے ایم فل کرنا ہے۔ کسی کالج میں لیکچرر لگنا ہے اور آپ کے لیے ایک چھوٹا سا پیارا سا گھر خریدنا ہے۔''

''بڑے، بڑے خواب مت دیکھو...... میں نے تمہارے ماسٹرز کے بعد ہی تمہاری شادی کردینی ہے۔ کوئی ایم فل وغیرہ نہیں کرنا اب......''

''خواب ضرور دیکھنے چاہئیں پیاری اماں جان...... یہ خواب ہی تو ہوتے ہیں جنہیں پورا کرنے کے لیے آدمی تگ و دو کرتا ہے۔ اقبالؒ نے پاکستان کا خواب نہیں دیکھا ہوتا تو آج ہم ہندوؤں کی غلامی کررہے ہوتے۔'' وہ

واپس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔
''بابا بتا رہے تھے کل رومی کا فون آیا تھا۔ آپ کی بات ہوئی تھی۔ کیا کہہ رہا تھا۔''
''خیر خیریت ہی بتائی اور فون بند ہو گیا...... اتنے دنوں بعد فون آیا تھا۔'' امینہ بیٹے سے بات نہ ہو سکنے پر اداس تھیں۔
''یہاں سگنلز کا پرابلم تو رہتا ہی ہے کچھ میرے فون کا بھی مسئلہ ہے۔ تمہارے بابا سے کہوں گی کسی کو دکھالیں۔ آئے روز تو مری جانا ہوتا ہے ان کا......''
''تو نیا فون لے لیں ناں اتنی اچھی تنخواہ ہے آپ کی 2021ء میں آپ نے 2004ء والا فون رکھا ہوا ہے۔ سب نے ہی ٹچ والے فون رکھے ہوئے ہیں...... واٹس ایپ پر رومی سے بات کیا کریں...... روز دیکھیں اس کو میرے پاس بھی تو یہ اتنا پرانا فون ہے۔ بٹنوں والا۔'' انشال کو اپنے فون کا خیال آیا تھا۔
''پری، سینہ دونوں کے پاس ہی اتنے مہنگے فون ہیں۔ میں تو ان کے فون سے ہی بات کر لیا کروں گی...... آپ ضرور لے لیں جب دیکھنے کو جی چاہا رومی کو اور مجھے دیکھ لیا۔'' انشال کو خیال آیا کہ امینہ نہ سمجھے وہ اپنے لیے فون لینا چاہتی ہے اسے عادت نہیں تھی فرمائشیں کرنے کی۔
''کیا ضرورت ہے فضول خرچی کرنے کی جب بات اس فون پر بھی ہو جاتی ہے۔'' امینہ کو اس کی اتنی لمبی چوڑی بات پسند نہیں آئی تھی۔
''بات ہوتی ہے ناں صرف...... اس پر تو شکل بھی نظر آئے گی۔''
انشال واقعی چاہتی تھی کہ امینہ ایک اچھا سا فون لے لیں۔
''میرو کے پاس بھی ہے اتنا اچھا...... آپ مجھے پیسے دیجیے گا۔ میں میرو سے کہوں گی وہ لا دے گا زیادہ مہنگا نہیں...... چائنا کا لے لیں گے...... چالیس، پچاس ہزار تک مل جائے گا۔''
امینہ نے گھور کر اسے دیکھا۔
''اچھا گھوریں تو نہیں سیکنڈ ہینڈ بھی مل جاتے ہیں۔ رومی کو بھی بابا لے دیں گے تو بس جب آپ کا جی چاہا اپنے شہزادے کو دیکھ لیجیے گا۔ میری خیر ہے میں تو ویسے بھی آپ کو سڑک پر پڑی ہوئی ملی تھی ناں......'' انشال کی آنکھوں میں شرارت تھی۔
''کتنا بولنے لگی ہو تم انشی...... اور وہ بھی فضول...... پتا نہیں کیا پوچھنے آئی تھی تم سے بھلا ہی دیا...... ہاں تمہارے بابا تین بجے تک آئیں گے ناں کیا کہا تھا انہوں نے؟'' امینہ اس کے جانے کی وجہ سے ہاف ڈے کی چھٹی لے کر آ گئی تھیں۔
''ہاں، پری نے کہا تھا وہ ساڑھے تین چار بجے تک مری آ جائے گی اس کے ڈیڈی نے بھی اسلام آباد جانا تھا تو وہ ہی ہمیں ہاسٹل پہنچا دیں گے اور بابا دو بجے تک آ جائیں گے، آج ٹیوشن پڑھانے نہیں جائیں گے۔'' اس نے اٹھ کر دیوار گیر الماری کھولی کہ ایک بار چیک کر لے کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔
''کیا کھاؤ گی تمہاری پسند کا کچھ پکا لیتی ہوں...... بارہ بجنے والے ہیں۔''
امینہ نے دیوار پر لگے کلاک پر نظر ڈالی۔
''رات کا چکن پڑا ہوا ہے ناں تو بس وہی کھا لوں گی۔ یوں بھی سفر کرنا ہو تو میں زیادہ نہیں کھاتی۔'' اس نے الماری میں سے ڈکشنری نکالی۔
''یہ رومی کی ڈکشنری لے کر جا رہی ہوں اگلی دفعہ آؤں گی تو لے آؤں گی۔''

Digest Novels .com

''کب آؤ گی پھر؟'' امینہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئی تھیں۔

''اگر کوئی دھرنا شرنا نہ ہوا تو اب دسمبر میں ہی آؤں گی۔''

''اللہ نہ کرے کہ کوئی دھرنا وغیرہ ہو...... مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس کا کیا فائدہ ہوتا ہے۔''

''کسی کو بھی سمجھ نہیں آتی بس ذرا شغل میلا......'' اس نے بیگ کی زپ کھول کر ڈکشنری اس میں رکھی اور کھڑکی کھول کر باہر جھانکا...... پہاڑوں پر اوپر بادل اکٹھے ہو رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی کھڑکی سے اندر گھس آئیں گے۔ وہ دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

''سنو انشی یہ پری کے گھر میں کون، کون تھا؟'' وہ بات جو وہ کل سے اس سے پوچھنا چاہ رہی تھیں۔ آج پوچھ ہی لی تھی۔

''بتایا تو تھا آپ کو اس کی مما، ڈیڈ، دادو وغیرہ......'' انشال نے مڑ کر امینہ کو دیکھا۔

''وہ تم نے بتایا تھا ناں اس کا بھائی بھی ہے ایک۔'' امینہ پوچھتے ہوئے جھجک رہی تھیں کہ کیا وہ بھی تھا وہاں جب سے وہ پری کے گھر سے ہو کر آئی تھی، بہت خوش تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں میں ستارے سے دمک رہے تھے اور رخسار بار، بار کسی خیال سے گلرنگ ہو جاتے تھے۔ کہیں وہ کسی ایسے خواب کی اسیر تو نہیں ہو گئی ہے جس کی تعبیر بہت ہی بھیانک ہو۔ کل سے دل میں وسوسے سے آ رہے تھے۔

''آپ کی یادداشت کمزور ہوتی جا رہی ہے، بادام کھایا کریں۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''پری کا بھائی لاہور ہوتا ہے ڈاکٹر بن رہا ہے۔ پری سے دو سال چھوٹا ہے۔ دو ہی سال ہوئے ہیں اسے میڈیکل کالج میں ایڈمشن لیے...... ویسے آپ کے دل میں کیا چل رہا ہے۔ صاف، صاف پوچھ لیں۔'' وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

''کچھ نہیں......'' امینہ نے نظریں چرائیں۔

''بس یوں ہی پوچھ رہی تھی...... کیسے تھے سب لوگ اس کے گھر میں۔ اس کی دادو، مما، ڈیڈ وغیرہ......''

''سب بہت اچھے تھے...... اس کی دادو تو اتنی شفیق اتنی مہربان اور محبتی سی لگیں کہ مجھے اپنی دادو یاد آ گئیں۔ اور مما وہ تو ذرا ماڈرن بر گر ٹائپ ہیں ویسے ہی جیسے آرمی آفیسرز کی بیگمات ہوتی ہیں۔ تھوڑی سی نخرے والی لیکن ہمارے ساتھ تو بہت فرینڈلی رہیں۔'' وہ یوں ہی پُرجوش ہو جایا کرتی تھی۔

''کیا بتاؤں کتنا انجوائے کیا ہم نے...... ہم سب نے مل کر کوکنگ کی۔ پری کی مما بھی کچن میں آتی جاتی رہیں۔ سینہ کی دوا اور دوستیں بھی آئی ہوئی تھیں۔ پری کی تو کوکنگ صفر ہے بالکل...... ہم چاروں نے کچھ نہ کچھ اچھا ہی بنا لیا تھا۔ پری کی مما نے مجھے دس میں سے دس نمبر دیے۔ میں نے مٹر پلاؤ بنایا تھا۔ ویسے ان کو کیا پتا کہ مجھے تو بس چند ایک کھانے ہی پکانے آتے ہیں۔ اب جب بھی چھٹیاں ہوئیں مجھے آپ سے کھانا پکانا سیکھنا ہے۔ وہ کیا کہتے ہیں ناں کہ اگلے گھر میں کسی نے شکل صورت کو چاٹنا نہیں ہوتا۔''

''شروع ہو جاؤ بس اب تم......'' امینہ کے لبوں کے کونے پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''یہ سب تم کل بھی بتا چکی ہو۔''

''تو میں نے سمجھا کہ شاید آپ بھول گئی ہوں گی۔ جب ہی تو پری کی دادو اور مما کے متعلق پوچھ رہی ہیں دوبارہ حالانکہ کل میں نے بتایا تھا آپ کو......'' اس کی آنکھوں میں شرارت سی چمکی تو وہ جھینپ کر کھڑی ہو گئیں۔ اب اسے کیا بتاتیں کہ کون سا خوف ان کے دل سے چمٹا رہتا ہے۔

''ارے ہاں، وہ پنیاں تو تمہیں دی ہی نہیں...... لے آؤں بیگ میں رکھ لو......''

''اچھا میں نے سمجھا پنیاں آپ نے صرف رومی کے لیے بنائی ہیں۔'' شریر مسکراہٹ لبوں پر آ ٹھہری تھی۔

''تم تو سو تیلی ہو ناں......'' کہتے ہوئے اینہ کمرے سے باہر چلی گئیں تو وہ بے اختیار ہنس پڑی۔
''تم ہنسنے میں اتنی کنجوسی کیوں کرتی ہو انشال احمد......'' کانوں میں ریان مجتبیٰ کی آواز گونجی تھی۔
''شاید اس لیے کہ تمہیں یہ پتا ہے تمہاری ہنسی کسی کے دل کی دنیا میں ہلچل مچا دیتی ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے میرے چاروں اور کسی نے پھول بکھیر دیے ہوں۔''
''یہ ریان بھی ناں......'' آنکھوں میں جگنو سے چمکے تھے۔
''پڑھتا میڈیکل ہے اور باتیں شاعروں اور ادیبوں جیسی کرتا ہے۔''
اس کے تو تصور میں بھی نہیں تھا کہ وہ اسے وہاں رتی گلی میں بھی مل جائے گا۔ وہ سب گھومنے کے لیے باہر نکلی تھیں موسم بہت غضب کا تھا یہاں مری کی نسبت زیادہ سردی تھی۔ پری انہیں ایک خاتون کے گھر لے جا رہی تھی جو چادروں پر ہاتھ سے کڑھائی کرتی تھیں۔ ان کے ہاتھوں کی کڑھائی کیے ہوئے سوٹ اور چادریں مال پر بہت مہنگے ملتے تھے جبکہ اُن کے گھر سے آدھی قیمت پر مل جاتے تھے۔ سینہ کی دوستوں نے کالی بلوچی کڑھائی والی چادریں پہنی تھیں۔
''بس بھئی مجھ سے اور چلا نہیں جاتا، تم پری کے ساتھ جا کر چادریں لے آؤ'' سینہ ایک ٹیلے پر بیٹھ گئی تھی۔
''میں یہاں ہی انتظار کروں گی۔''
''تم اکیلی بیٹھو گی یہاں؟ بہتر ہے گھر واپس چلی جاؤ۔ ہمیں کچھ دیر ہو جائے گی۔''
پریزے کو تشویش ہوئی تھی۔
''نہیں اکیلی کیوں...... یہ انشی بیٹھے گی ناں میرے ساتھ۔ اس نے کون سا کوئی چادر یا سوٹ خریدنا ہے۔''
اس نے ہاتھ پکڑ کر انشال کو بٹھا لیا تھا۔
''ہم یہاں بیٹھ کر اس خوب صورت منظر کا حسن انجوائے کرتے ہیں تم لوگ جلدی آنا۔''
اور وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔ اس کے پاؤں ویسے ہی درد کر رہے تھے کہ اس کے یہ نئے جوتے اسے تنگ کر رہے تھے...... سامنے دور پہاڑوں پر بادلوں کے پرے کے پرے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے پھر رہے تھے۔ کبھی یک دم پہاڑوں کے پیچھے غائب ہو جاتے کبھی پہاڑوں کے اوپر تیرتے نظر آتے۔ سیکڑوں بار دیکھے ہوئے یہ مناظر ہر بار ہی اسے مبہوت کر دیتے تھے۔ نیلے آسمان پر سفید اور سرمئی بادل ایسے لگ رہے تھے جیسے سمندر میں کشتیاں تیر رہی ہوں۔
''السلام علیکم......!''
اپنے دائیں طرف سے ایک مردانہ آواز سن کر وہ چونکی تھی۔ کوئی اُدھر سے اوپر چڑھتا ہوا آ رہا تھا۔
''ارے ریان بھائی آپ......؟'' سفینہ کی حیرت بھری آواز سن کر اس نے دائیں طرف دیکھا تھا۔
''ہیں تم یہاں کہاں بیٹے......؟'' وہ اب ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔
''یہی بات میں تم سے بھی پوچھ سکتی ہوں کہ تم یہاں کہاں......؟'' اس نے بھی حیرت کا اظہار کیا تھا۔
''ہم کچھ فرینڈز یہاں پریزے کے گھر اس کی دعوت پر آئی ہیں۔'' سینہ نے جواب دیا تھا۔
''اور ہم رتی گلی جھیل دیکھنے کے شوق میں چند دوست آئے ہیں اور یہاں آ کر پتا چلا کہ رتی گلی جھیل تو یہاں سے سولہ، سترہ کلومیٹر دور وادیٔ نیلم میں ہے۔ اور یہ رتی گلی مری کی ایک چھوٹی سی بستی ہے لیکن ہے بہت خوب صورت جگہ...... اور آپ کیسی ہیں مس انشال......''
اس کی پُرشوق نظریں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔
''اللہ کا شکر ہے...... ویسے جب بندہ کہیں سیاحت کے لیے نکلتا ہے تو پوری معلومات لے کر نکلتا ہے۔'' اس نے اپنی مسکراہٹ کو سر جھکا کر چھپایا تھا۔

''ویسے آپ کے وہ دوست کہاں ہیں کہ.....آپ اکیلے ہی جھیل رتی گلی ایکسپلور کرنے نکلے ہیں۔''

''وہ دوست تو مری سے ہی بھوربن چلے گئے تھے اور ایک دوست گیسٹ ہاؤس میں خراٹے لے رہا ہے۔ میں باہر نکلا تو حسنِ اتفاق سے آپ نظر آ گئیں۔ اللہ بھی کبھی، کبھی ہم جیسے بندوں پر مہربان ہو جاتا ہے۔''

اب یہ محض اتفاق تھا یا سوچا سمجھا پروگرام.....انشال نے مشکوک نظروں سے سینہ کی طرف دیکھا جو ریان کو ہی دیکھ رہی تھی۔

digest library.com

''بیٹھ جاؤ ناں ریان کھڑے کیوں ہو.....دراصل پری وغیرہ آگے کسی کے گھر گئے ہیں تو ہم یہاں بیٹھ کر ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ چلو اچھا ہوا تم آ گئے۔ اِدھر پیچھے جنگل سے کوئی چیتا وغیرہ آ گیا تو تم مقابلہ کر لینا۔''

''کیا.....کیا مطلب ہے تمہارا یہاں چیتے وغیرہ ہوتے ہیں۔'' وہ بیٹھتے، بیٹھتے رک گیا۔ عین اسی وقت پیچھے کسی درخت پر کوئی بندر کودا تو وہ اچھل پڑا اور انشال بے ساختہ ہنس پڑی۔

''اِدھر کوئی چیتے وغیرہ نہیں ہوتے ڈاکٹر صاحب وہ کھائیوں میں ہوتے ہیں۔''

اور وہ جیسے اس کی ہنسی میں کھو سا گیا تھا۔

''ہنستی ہو تو بہاروں کا سا ساماں کر دیتی ہو لیکن بہت کنجوس ہو۔''

وہ بیٹھا تو سینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم دونوں باتیں کرو میں وہ ذرا پھول توڑ لاؤں میرا فیورٹ کلر کاسنی.....''

اس نے جدھر اشارہ کیا تھا۔ وہ ڈھیر سارے جنگلی پھولوں کی جھاڑیاں تھیں یوں جیسے زمین پر کاسنی سفید اور گلابی پھولوں والا کوئی قالین بچھا ہوا۔ وہ سینہ کو ناراضی سے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''سوری انشال.....شاید آپ کو میرا یہاں آنا برا لگا۔''

''مجھے کیوں برا لگے گا.....میری ملکیت تو نہیں ہے یہ جگہ البتہ یہ برا لگ رہا ہے کہ آپ ہمارے پیچھے یہاں آ گئے ہیں۔ یقیناً سینہ نے بتایا ہوگا اِدھر آنے کا.....'' وہ اب اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ہاں.....'' اس نے اعتراف کیا۔

''بھیجنے نے بتایا تھا کہ وہ سب پریزے کے ہاں ایک دن spend کریں گے تو میں نے کہا تھا اس سے کہ مجھے انشال سے بات کرنی ہے تو وہ مجھے کچھ فیور دے۔''

''ایسی کیا بات تھی جو وہاں نہیں ہو سکتی تھی۔'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''مجھے تم سے بہت کچھ کہنا تھا اور وہاں اکیلے میں بات کرنے کا موقع کبھی نہیں ملتا تھا مجھے.....میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں انشال.....''

''یہ بات تو آپ پہلے بھی بتا چکے ہیں مجھے.....وہ آپ کے میسجز اور وہ.....''

''لیکن شاید تمہیں میری محبت پر یقین نہیں آیا۔ شاید تم مجھے فلرٹ سمجھ رہی ہو.....یا محض دل لگی جبکہ ایسا نہیں ہے۔''

وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ محبت نے اس کے دل میں کمند ڈال دی تھی اور اسے یقین تھا کہ ریان مجتبیٰ ایسا آدمی نہیں ہے جو محض وقت گزاری اور دل لگی کے لیے محبت کا ڈراما کرے۔

''میں بہت سیدھا سادہ سا آدمی ہوں انشال، مجھے اظہار کرنا نہیں آتا۔ میرے پاس وہ لفظ نہیں ہیں جو میرے جذبات کا اظہار کر سکیں۔ لیکن میں نے جب پہلی بار تمہیں دیکھا تو تب ہی تم دل میں مکین بن کر بیٹھ گئی تھیں۔ گو اس قبضے کا احساس مجھے کئی دنوں بعد ہوا کہ یہ جولڑکی زبردستی میرے دل میں گھس آئی ہے مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔''

''میری اماں کہتی ہیں محبت وحبت سب کتابی باتیں ہیں محض فلموں اور ڈراموں کی کہانیاں.....'' اس نے بس

ذرا کی ذرا اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر اس کی پُرشوق نظروں کی حدت سے گھبرا کر فوراً نظریں جھکالی تھیں۔
''اصل محبت صرف اپنے محرم رشتوں سے ہوتی ہے۔ باپ، بھائی، شوہر اور باقی کی محبتیں۔''
''تو میں بھی تو تم سے محرم رشتہ قائم کرنا چاہتا ہوں انشال...... تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہوں۔ اپنی زندگی کا سارا سفر تمہارے سنگ طے کرنا چاہتا ہوں۔ کہو تو ابھی اپنے امی، ابو کو تمہارے والدین کے پاس بھیج دوں......'' اس نے بے اختیار اس کی بات کاٹی تھی۔
''نہیں، ابھی نہیں...... مجھے ابھی اپنی تعلیم مکمل کرنی ہے۔ اور میرے بابا میری تعلیم مکمل ہونے سے پہلے میرا رشتہ کہیں بھی کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔''
وہ نہیں چاہتی تھی کہ ریان کے امی، ابو اس کا رشتہ لے کر آئیں اور اماں اس کی پڑھائی چھڑا کر اسے گھر میں بٹھالیں۔
''تو وعدہ کرو انشال کہ اپنی زندگی میں میرے علاوہ کسی اور کو جگہ نہیں دو گی۔'' وہ جیسے ملتجی ہوا تھا۔
''میرا وعدہ میرے بابا اور اماں کی مرضی سے مشروط ہے۔''
اس نے بہتر سمجھا تھا کہ اسے بتادے کہ اماں اور بابا کی مرضی اس کے لیے اس کی محبت سے بھی بڑھ کر ہے۔
''اور مجھے یقین ہے تمہارے بابا اور اماں مجھے رد نہیں کریں گے۔''
وہ ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتا تھا ایک بہترین فیوچر اس کا منتظر تھا۔ اچھی شکل صورت تھی یہ ہی کچھ تو والدین اپنی بیٹیوں کے لیے دیکھتے ہیں۔
''ہاں شاید......'' بلکہ یقیناً اماں تو یوں بھی اس کی جلد شادی کے حق میں تھیں۔ امید کے ننھے سے پودے پر سیکڑوں رنگ برنگے پھول کھل اٹھے تھے وہ ریان جتنی پُریقین نہیں تھی لیکن ناامید بھی نہیں تھی۔
''انشال تھینک یو...... تھینک یو...... تم نے میری محبت کو قبول کرلیا...... میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ تمہاری محبت میرا سرمایۂ زندگی ہے۔ بہت انمول ہے۔ میں اس محبت پر نازاں ہوں...... تم میرے دل کے آسمان پر چمکنے والا سب سے روشن ستارہ ہو......''
''ہیں...... کیا...... کیا کہا تمہارے دل کے آسمان پر اور بھی کچھ ستارے جگمگا رہے ہیں۔'' اس کی آواز قدرے بلند تھی اور وہ جو بڑے جذب سے بول رہا تھا یک دم چونک کر اسے دیکھنے لگا اور پھر اس کی بات کا مطلب سمجھ کر شپٹایا۔
''نو، نو تم میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہو...... یہ تو کہیں سے پڑھا تھا تو منہ سے پھسل پڑا...... میں نے بتایا تھا ناں کہ میں ذرا کتابی کیڑا قسم کا بندہ ہوں...... نصابی کتابوں کے علاوہ بھی کچھ پڑھا ہی نہیں...... تو مجھے پتا ہی نہیں کہ جب اچانک کسی سے محبت ہو جائے تو کیا کہتے ہیں...... یہ تو اس روز بہنے ایک ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی تو چند سطروں پر میری نظر پڑ گئی۔''
''یعنی مزید کی گنجائش ہے...... پہلی......'' اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ''پھر...... دوسری، تیسری......''
''نہ...... نہ......'' اس نے نفی میں ہاتھ ہلایا۔
''تم نے تو پورے دل پر ہی قبضہ کر رکھا ہے۔ یقین جانو کسی دوسری، تیسری کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔''
''پکا......''
''پکا......''
اور پھر وہ دونوں ہی ہنس پڑے تھے اور کتنی ہی دیر تک ان کی ہنسی کی گونج پہاڑوں میں سنائی دیتی رہی تھی۔

اس ہنسی میں محبتوں کی دھنک تھی۔ خوابوں کے ہفت رنگ محل تھے۔ جن سے روشنیاں پھوٹتی تھیں جن سے دل کی بستی میں چراغاں تھا اور ان چراغوں کی روشنی سے آنکھوں میں جیسے ہزاروں جگنو اتر آئے تھے اور یہ جگنو جیسے اب بھی اس کی آنکھوں میں لو دے رہے تھے اور گندمی رخساروں پر محبت مل جانے کے احساس نے سرخی بکھیر رکھی تھی۔ جسے ماں محسوس کر چکی تھی۔

"یہ لوپنیاں......" امینہ نے ایک ڈبا آ کر اسے پکڑایا تو اس نے چونک کر ڈبا پکڑ لیا۔

"یہ پتا نہیں بیگ میں آئے گا یا نہیں...... خیر یہ ڈکشنری نکال دیتی ہوں اگلی دفعہ لے جاؤں گی کچھ ایسی خاص ضرورت تو نہیں ہے ابھی۔"

اس نے ڈکشنری نکال کر باہر رکھی اور ڈبا اندر رکھ کر بیگ کی زپ بند کر دی۔

"آپ نے اپنے اور بابا کے لیے رکھی ہیں یا ساری مجھے اور رومی کو دے دیں۔"

"تمہارے بابا کے لیے تو میں نے پہلے ہی نکال کر رکھ دی تھیں۔" وہ بیٹھ گئی تھیں۔

"بہت محبت کرتی ہیں آپ بابا سے۔"

انشال نے انہیں ہمیشہ بابا کے گرد پروانوں کی طرح چکراتے دیکھا تھا، وہ جیسے منتظر رہتی تھیں کہ وہ کچھ کہیں اور وہ ان کے حکم کی تعمیل کریں۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے انشی...... نکاح کے بولوں میں بڑی طاقت ہوتی ہے...... میاں، بیوی کو ایک دوسرے سے محبت ہو جاتی ہے۔"

انشال کی تو عادت تھی اپنے بابا کے متعلق سوال کرنے کی اب وہ اسے کیا بتاتیں کہ وہ احمد شاہ سے کتنی محبت

گمنام منزلیں

گمنام منزلوں کے مسافر کی قدم قدم پر آزمائشوں سے بھری درد بھری داستان...... طاہر جاوید مغل کے قلم سے

ظالم مظلوم

ماضی کا آئینہ، بااختیار اور بے اختیار انسانوں کے سبق آموز اور عبرت آمیز واقعات زویا صفوان کے قلم کی روانی

رمزشناس

خوف میں لپٹی پوشیدہ رازوں کی کڑیاں ملانے والے ایک رمزشناس کی دلچسپ داستان...... نازیہ کامران کاشف کی اچھوتی تحریر

جنگ باز

معاشرتی ناسوروں اور درندوں کی خوں ریز سازشوں اور زخم زخم ہونے والے ایک جنگ باز کی دلدوز داستان ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کے قلم کی جادوگری

اس کے علاوہ

آصفہ ضیا احمد، غلام قادر، عائشہ نصیر، جاوید بسام، عتیق بخاری، صائمہ دانش، محمد عثمان ذوالفقار و دیگر کی خوب صورت تحریریں

کرتی ہیں۔

''لیکن کیسے اماں دو اجنبی جو کبھی زندگی میں ایک دوسرے سے ملے نہیں ہوتے یک دم ایک دوسرے کی محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں، محض نکاح ہو جانے سے؟ وہاں گاؤں میں دیکھا تھا میں نے کئی گھروں میں تو اکثر لڑائی ہوتی رہتی تھی۔''

digest library.com

انشال کو سچ میں کبھی، کبھی بہت حیرت ہوتی تھی کہ جس بندے کو کبھی زندگی بھر نہ دیکھا ہو...... دوسرے روز اس کے ساتھ بہت خوش و لیسے کی دعوت میں بیٹھی ہوتی ہے لڑکی۔

''بعض اوقات مزاج نہیں ملتے یا کوئی اور اختلاف ہو جاتے ہیں تو لڑائیاں ہو جاتی ہیں۔ تم کیا میاں، بیوی کی زندگیوں پر کوئی ریسرچ کر رہی ہو۔'' وہ مدھم سا مسکرائیں تو وہ جھینپ گئی۔

''نہیں بس ایسے ہی خیال آیا تھا کہ آپ بابا کی اتنی خدمت کرتی ہیں۔ ہر بات کا خیال رکھتی ہیں۔ وقت پر کپڑے استری کیے ہوئے، جوتے پالش کیے ہوئے، کھانا تیار چاہے آپ کی طبیعت کتنی بھی خراب ہو آپ نے بابا کا کوئی کام کبھی مس نہیں کیا۔ حالانکہ شادی سے پہلے آپ بابا کو جانتی بھی نہیں تھیں، نہ وہ آپ کے کوئی عزیز، رشتے دار تھے۔ نہ جاننے والے، دادو کہتی ہیں آسمان پر آپ کا جوڑ لکھا تھا سو ہو گیا۔ حالانکہ آپ جس طرح ہاتھ باندھے بابا کے حکم کی منتظر رہتی ہیں ایسا لگتا ہے جیسے شادی سے پہلے بڑی دھواں دھار محبت کی ہو گی آپ نے بابا سے یعنی لو میرج...... ویسے کیا آپ کے دور میں بھی یہ لو میرج ہوتی تھی۔''

''انشی......'' وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم اپنی ماں سے...... کیا یونیورسٹی میں جا کر یہ ہی سیکھ رہی ہو......؟''

''کیسی باتیں اماں...... یہ ہی تو پوچھا ہے کہ آپ بابا سے بہت محبت کرتی ہیں جس کا آپ نے اتنا گھما پھرا کر بلکہ کچھ، کچھ سیاسی جواب دیا کہ میاں بیوی کو نکاح کے بعد ہو جاتی ہے محبت......''

''تو سیدھا جواب یہ ہے کہ ہاں بہت محبت کرتی ہوں تمہارے بابا سے۔ شاید محبت سے بھی بڑھ کر کچھ ہے تو وہ کہ اگر وہ مجھ سے میری جان مانگیں تو میں دوسرا سوال نہیں کروں گی...... وہ کہیں گے اس پہاڑ سے چھلانگ لگا دو تو لگا دوں گی اگر کہیں گے کہ اپنا سر کاٹ کر مجھے دے دو تو کاٹ کر دونوں ہاتھوں پر رکھ کر پیش کر دوں گی۔'' امینہ پتا نہیں کیوں جذباتی ہو گئی تھیں۔

''اماں......'' اب آنکھیں پھاڑنے کی باری اس کی تھی...... اور باہر کھڑے احمد شاہ نے جو ابھی چند لمحے پہلے ہی آئے تھے۔ اپنا کانپتا ہوا ہاتھ دروازے سے ہٹایا تھا اور دبے قدموں چلتے ہوئے تخت پر جا کر بیٹھ گئے تھے۔ ہاتھ میں پکڑا شاپنگ بیگ انہوں نے پاس ہی رکھ دیا تھا۔

''یہ امینہ...... یہ کیا کہہ رہی ہے۔'' وہ امینہ کا خیال رکھتے تھے جیسے شوہر بیویوں کا رکھتے ہیں۔ اس کی ہر ضرورت پوری کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ہر مشکل میں اس کے لیے ڈھال تھے لیکن کیا وہ اس سے محبت بھی کرتے تھے...... انہوں نے دل پر ہاتھ رکھا اندر دور تک سناٹے تھے۔ گھبرا کر انہوں نے آواز دی۔

''امینہ، انشی کہاں ہو بھئی......؟''

''تمہارے بابا آگئے......' امینہ فوراً کھڑی ہو گئی تھیں۔

''کوئی رومینٹک ناول تو نہیں پڑھ لیا آپ نے یا کوئی فلم یا ڈراما دیکھا ہے۔ کمال ہے بھئی کمال ہے۔ کیا ڈائیلاگ بولے ہیں آپ نے......'' وہ حیرت کے جھٹکے سے باہر آئی تھی۔

''ویسے آپ کی اطلاع کے لیے محبت سے آگے عشق ہوتا ہے اور عشق کے بھی سنا ہے کئی درجے ہوتے ہیں

اور آپ غالباً آخری درجے پر ہیں۔''

''انشی......'' دروازے پر ہاتھ رکھے، رکھے انہوں نے مڑ کر اسے گھورا۔ اس کی یہ ہی شوخیاں انہیں کھٹک رہی تھیں۔ کیسی باتیں کرنے لگی تھی وہ......محبت، عشق اور وہ بھی بلاوجہ ہی جذباتی ہوگئی تھیں۔ شاید اندر کئی سالوں سے یہ خواہش پنپ رہی تھی کہ کوئی تو ہو جس کو اپنا دل چیر کر دکھائیں جسے بتائیں کہ احمد شاہ ان کے لیے کیا ہیں۔

''سوری اماں......'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ان کے پیچھے ہی باہر آئی۔

''آپ یہاں ہی بیٹھ گئے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی؟'' امینہ پریشان ہوگئی تھیں۔

''ہاں......'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔''بس وہ چڑھائی چڑھتے ہوئے سانس چڑھ گئی تھی۔''

''اس روز بھی آپ کی سانس پھول گئی تھی۔ ڈاکٹر کو دکھائیں۔ بے پروائی مت کریں۔'' امینہ کو تشویش ہوئی۔

''ارے نہیں......ڈاکٹر کی ضرورت نہیں عمر کا تقاضا ہے۔ بوڑھے ہوگئے ہیں۔'' وہ مسکرائے۔

''بابا آپ بالکل بھی بوڑھے نہیں ہوئے۔ اب بھی اتنے ینگ، اسمارٹ اور خوب صورت ہیں کہ میری یونی میں جب آپ آئے تھے ناں تو میری کلاس فیلوز نے آپ کو میرا بڑا بھائی سمجھا تھا۔ اگر میں نہ بتاتی تو شاید......''

''انشی......'' امینہ نے اسے ٹوک دیا۔ جانتی تھیں کہ آگے وہ کیا کہنے والی ہے۔

''بھئی امینہ ہماری بیٹی کو اتنے غصے سے مت دیکھو...... چھوٹا سا تو دل ہے اس کا......''

''ہاں تو اور کیا بابا......'' وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''میں تو بس یہی کہنے لگی تھی کہ دو چار رشتے تو آپ کے آہی جاتے......لیکن اماں نے سمجھا کہ میں ہی آپ کا رشتہ کروانے لگی ہوں......''

امینہ نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے اور پھر بند کر لیے انشال شرارت بھری آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''اب یہ ہی کسر رہ گئی ہے کہ اپنے بابا کے لیے رشتہ ڈھونڈو......'' وہ بڑبڑائیں......احمد شاہ مسکرائے۔

''آپ کے ہوتے تو احمد شاہ کو حور بھی قبول نہیں امینہ بیگم......'' اور امینہ اپنی جگہ ساکت کھڑی رہ گئی تھیں لیکن دل کی دھڑکنیں اتنی بے ترتیب تھیں جیسے وہ کوئی نوعمر لڑکی ہوں اور ان کے محبوب نے پہلی بار محبت کا اظہار کیا ہو۔ اس ایک جملے نے برسوں کی تشنگی ختم کردی تھی اندر موجود سارے خلا بھرتے جا رہے تھے۔

''دروازے کو اندر سے کنڈی لگالیا کرو امینہ......'' احمد شاہ بات کرکے وہ خود ہی محجوب سے ہوگئے تھے سو موضوع بدلا۔

''سوری......بابا......'' انشال نے بوجھگاتی آنکھوں اور جتاتی نظروں سے امینہ کی طرف دیکھ رہی تھی فوراً معذرت کی۔

''وہ مجھے بند کرنا یاد نہیں رہا......اماں ہوٹل سے آئیں تو میں نے ہی دروازہ کھولا تھا۔ ویسے یہاں ایسی ڈر والی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''ہاں لیکن کوئی جنگلی جانور اندر آسکتا ہے۔ اس لیے احتیاط کرنی چاہیے۔'' احمد شاہ نے خود کو کمپوز کرلیا تھا۔

''یہ کیا لائے ہیں آپ......؟'' انشال نے شاپنگ بیگ کی طرف دیکھا۔

''یہ......'' احمد شاہ نے شاپنگ بیگ سے دو ڈبے نکال کر ایک امینہ کو اور ایک اسے دیا۔

''فون......'' انشال کی آواز میں چہکار تھی۔

''یہ اتنے مہنگے فون......کیا ضرورت تھی......؟'' امینہ حیران سی ہاتھ میں پکڑے ڈبے کو دیکھ رہی تھیں۔''اور اتنے پیسے کہاں سے آئے ہیں؟''

”ضرورت تھی امینہ.....“ وہ سنجیدہ تھے۔
”رومی جب تک یہاں تھا دوستوں کے لیپ ٹاپ سے کام چلا لیتا تھا لیکن اب اس کے لیے اپنا لیپ ٹاپ ضروری تھا۔ نیا فون بھی چاہیے تھا اسے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے بچے زمانے سے بہت پیچھے رہ جائیں۔ آج کل تو گھروں میں کام کرنے والوں کے پاس یہ ہی فون ہیں۔ ہمارے بچوں نے کبھی تقاضا نہیں کیا لیکن ان کو ضرورت تو ہے ناں...... یہ اب ضروریات میں شامل ہے۔ آن لائن کلاسز ہوتی ہیں، آج کل...... مجھے کبھی خیال ہی نہیں آیا پہلے اور تمہارے لیے اس لیے لیا ہے کہ اپنے بچوں سے تم وڈیو کال کرلیا کرو......اور جہاں تک پیسوں کی بات ہے تو میں نے گاؤں والی زمین کا کچھ حصہ فروخت کردیا ہے۔ کافی دنوں سے کہہ رکھا تھا ازمیر کو...... آج اس نے رقم بھیجی ہے باقی رقم رومی کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردی ہے۔ اپنی پسند سے جو لینا ہو لے لے گا......“
”لیکن میں کیا کروں گی...... یہ رقم رومی کی تعلیم کے کام آجاتی...... ہاسٹل کا خرچ سمسٹر کی فیس......اور پھر مجھے تو یہ استعمال کرنا بھی نہیں آتا۔“ وہ ہاتھ میں پکڑے اس جدید فون کو متذبذب سی دیکھ رہی تھیں۔
”آجائے گا سیٹ کروادوں پہلے......اور تم میرد سے کہنا وہ تمہیں......“ وہ انشال کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔
”فکر نہیں کریں بابا پری اور سینہ ایکسپرٹ ہیں...... ہر چھ ماہ بعد تو نیا فون ہوتا ہے ان کے ہاتھ میں......“
”پری کب تک آجائے گی مری......؟ شام سے پہلے اسلام آباد پہنچ جاؤ تو اچھا ہے۔“
”جی میں فون کرکے پوچھتی ہوں......“
وہ اٹھ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ امینہ ابھی تک فون ہاتھ میں لیے حیران سی کھڑی تھیں۔

☆☆☆

گڑیا کچن میں برتن دھو رہی تھی جب اسفند کچن میں آیا۔
”کیا ہو رہا ہے گڑیا......؟“
گڑیا جو ناشتے کے برتن دھو رہی تھی اس نے ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھا۔
”کوئی کام تھا آپ کو...... کچھ چاہیے؟“
”نہیں......“ وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔
”اور یہ تم برتن کیوں دھو رہی ہو، امی نے کہہ تو دیا ہے ماسی زرینہ سے کہ۔ اب وہ صفائی کے علاوہ برتن بھی دھوئے گی۔“
”آج اتوار ہے اور ماسی اتوار کو چھٹی کرتی ہے تو میں نے سوچا ساتھ کے ساتھ برتن دھو لیتی ہوں۔ ابھی ناشتے کے دھو لیتی ہوں... پھر دوپہر میں کھانے کے۔“
وہ مڑ کر پھر سے برتن دھونے لگی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی سب نے ناشتا کیا تھا۔ رابی اور آپی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں جبکہ ثریا باہر مالی کے ساتھ کھپ رہی تھیں جو کئی دنوں بعد آیا تھا۔
”گڑیا تم خوش ہو ناں...... دل لگ گیا کالج میں......؟“
”جی......“ اس نے آخری پیالی دھو کر ٹوکرے میں رکھی۔
”کوئی پرابلم تو نہیں......“
”نہیں......“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔
”سنو میں کل واپس جا رہا ہوں...... ویسے تو آج جانا تھا، کل کلاس ہوگی میری لیکن ایک ہی کلاس تھی تو میں نے سوچا چلو کل ارسلان کے ساتھ ہی چلا جاؤں گا۔ وہ اپنے کسی کام سے اپنی گاڑی میں جا رہا ہے تو میں نے سوچا اسی کے ساتھ چلا جاؤں گا سفر آسان ہو جائے گا ویسے بھی کوئی امپورٹنٹ کلاس نہیں ہے۔“ وہ اس کی پشت پر

بکھرے لمبے گھنے سیاہ بالوں کو دیکھ رہا تھا۔

''جی......''

''یہ جی، جی کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے۔اور یہ اپنے بالوں کو کھلا نہ رکھا کرو...... نظر لگ جائے گی۔'' غیر ارادی طور پر اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

''جی......'' وہ بوکھلا کر مڑی تھی اور دوپٹا اچھی طرح سر پر لپیٹا تھا، وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''ویسے تمہارے بال بہت خوب صورت ہیں، جیا پھپو کے بھی ایسے ہی تھے۔'' اس کے رخسار گلگوں ہوئے۔

''آپی اور رابی بھی ایسے ہی کہتی ہیں۔'' سادگی سے کہتے ہوئے وہ ڈھلے ہوئے برتن خشک کرنے لگی۔

''یہ برتن بعد میں خشک کر لینا پہلے میری بات سن لو......'' وہ جھنجلایا تھا۔اسے کل چلے جانا تھا اور جانے سے پہلے اسے گڑیا کو کچھ سمجھانا تھا...... اس وقت کوئی نہیں تھا ہو سکتا تھا پھر موقع ملتا یا نہیں......

''اور یہ رکھو......'' اس نے ٹراؤزر کی جیب سے کچھ پیسے نکالے۔

''یہ کیا......؟'' اس نے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تھا۔

''پیسے ہیں تھوڑے سے۔''

''میں کیا کروں گی......؟''

''بیوقوف لڑکی کبھی ضرورت پڑ سکتی ہے اچانک...... کالج میں کبھی سہیلیوں کی فرمائش پر کینٹین میں بھی جانا پڑتا ہے اور ابو نے کہا تھا مجھے کہ تمہیں کچھ رقم دے دوں ذاتی ضروریات کے لیے۔ویسے انہوں نے رابی کے اکاؤنٹ میں رقم بھیج دی ہے۔ کتابیں، کاپیاں، کالج فیس، وین کا کرایہ سب رابی کر دے گی، امی سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں...... اگلے مہینے تو ابو آ جائیں گے دو ماہ کی چھٹی لے کر پھر اگر ممکن ہو سکا تو تمہارا الگ سے اکاؤنٹ کھلوا دیں گے خود آ کر...... اور ابھی تم پکڑو یہ۔'' اس نے ہاتھ ابھی تک آگے بڑھایا ہوا تھا۔گڑیا نے دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھ کر روپے پکڑ لیے۔

''مامی کو پتا چلا تو ناراض ہوں گی۔''

''تو اعلان کرنے کی کیا ضرورت ہے اپنی الماری میں رکھ دو یا کالج بیگ میں رکھ لو...... کبھی اچانک ضرورت پڑ جائے۔'' وہ پُرشوق نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔وہ بالکل پھپو کی طرح تھی خوب صورت......

''دیکھو گڑیا امی کی باتوں کو دل پر مت لیا کرو...... پتا نہیں آج کل انہیں اتنا غصہ کیوں آتا ہے۔شاید آپی کی شادی کی وجہ سے ٹینشن میں رہتی ہیں۔ ایک تو شادی کی تیاری کی ٹینشن اور دوسرے بیٹی سے جدائی کی ٹینشن...... اس کی آئندہ زندگی کی فکر کہ کیسی ہوگی۔شروع میں تو سب ٹھیک ہی ہوتے ہیں۔بعد میں سب کیسے ہوں گے کیا پتا......'' شادی کی تیاریاں تو اب شروع ہوئی تھیں لیکن مامی تو پچھلے تین، چار سالوں سے ہر وقت ہی غصے میں رہنے لگی تھیں...... اور یہ غصہ صرف اسی کے لیے ہوتا تھا اس نے دل ہی دل میں سوچا لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا...... اور ہاتھ میں پکڑے پیسے فی الحال وہیں دراز میں رکھ دیے تھے۔

''خوب دل لگا کر پڑھنا ہے فضول چھٹیاں نہیں کرنی امی کہیں تب بھی نہیں، رابی کو میں نے سمجھا دیا ہے۔ پڑھائی میں کوئی پرابلم ہو تو رابی سے مدد لے لیا کرو...... ویسے ابو کہہ رہے تھے کہ اگر تمہیں اکیڈمی کی ضرورت ہو تو جوائن کر لینا۔'' اسے خاموش سر جھکائے کھڑے دیکھ کر اس نے کہا۔

''جی ابھی تو اسٹارٹ ہے ضرورت نہیں ہے پھر رابی ہے ناں...... کلاسز شروع ہوئے تو ابھی دو ہی دن ہوئے ہیں۔'' وہ تو ابھی تک خود کو یقین نہیں دلا پائی تھی کہ اس کا ایڈمشن کالج میں ہو گیا ہے کہ مامی نے تو صاف، صاف منع کر دیا تھا۔شکر ہے ماموں جان اور اسفند نے مامی کو منا لیا۔

digest library.com

’’چلو ٹھیک ہے، جب ضرورت محسوس ہو رابی کو بتا دینا وہ کوئی اچھی اکیڈمی دیکھ لے گی۔ اور اپنا خیال رکھنا بہت......‘‘ وہ سیدھا ہوا۔

’’آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔‘‘ اس کی آواز میں لرزش تھی اور پلکیں لرز رہی تھیں۔ اسفند نے دلچسپی سے اسے دیکھا تو کیا اس کے دل کو بھی اس احساس نے چھو لیا ہے جو احساس اس کے دل کو مضطرب کیے ہوئے ہے۔ وہ کم عمر تھی لیکن محبت کی نظر تو پہچانتی ہوگی...... دادی کہتی تھیں ان کی شادی چودہ برس کی عمر میں ہوگئی تھی شاید لڑکیاں، لڑکوں کے مقابلے میں جلدی میچور ہو جاتی ہیں۔

’’میں کوشش کروں گا کہ ہر ماہ کسی ایک ویک اینڈ پر آ جایا کروں......‘‘ وہ باہر جاتے، جاتے ذرا سی دیر کو رکا تھا۔ گو جی چاہ رہا تھا کہ ابھی کچھ دیر اور اس سے باتیں کرلے لیکن باہر مین گیٹ بند ہونے کی آواز آئی تھی...... مالی یقیناً کام کر کے چلا گیا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ امی اسے یہاں کچن میں ثریا سے باتیں کرتے ہوئے دیکھیں۔ لاؤنج میں آ کر اس نے ریموٹ اٹھایا ہی تھا کہ ثریا اندر آ گئیں۔ اور کچن کے دروازے سے اندر جھانکا۔

’’کیا کر رہی ہو...... کیا ابھی تک چار برتن نہیں دھلے؟‘‘

’’برتن دھل گئے ہیں مامی کچن صاف کرنے لگی ہوں۔‘‘ ثریا نے اندر سے ہی جواب دیا تھا۔

’’اچھا ٹھیک ہے آج ذرا صفائی کر کے مشین لگا لینا دونوں بیڈ کی چادریں بھی دھلنے والی ہو رہی ہیں۔‘‘ وہ اسفند کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

’’کپڑوں کے لیے بھی ماسی زرینہ سے کہہ دیں۔‘‘

اسفند کو احساس ہو رہا تھا کہ آج امی نے سارا دن ثریا کو کسی نہ کسی کام سے لگائے رکھنا ہے۔

’’کئی دفعہ کہہ چکی ہوں لیکن دو گھروں میں اور بھی صفائی کرنی ہوتی ہے اسے...... اور کپڑے کون سا روز دھلنے ہوتے ہیں۔ ہفتے میں ایک بار ہی تو دھلتے ہیں اور چار بندے ہی ہیں ہم، کون سا دس بندے ہیں۔ میں تو صوفی کے ساتھ مل کر فٹافٹ دھو لیتی ہوں۔‘‘ انہیں اسفند کا اس طرح مشورہ دینا اچھا نہیں لگا تھا۔

’’اب تو آپی کی شادی ہونے والی ہے تو اب تو انہیں کاموں سے چھٹی دے دیں، اس لیے کہہ رہا ہوں۔‘‘ اسفند سمجھ گیا تھا کہ ثریا کو برا لگا ہے اس کا ماسی سے کپڑے دھلوانے کا کہنا۔

’’اگلے ماہ تمہارے ابو بھی آ جائیں گے تو کام بڑھ جائے گا تو زرینہ سے کہا ہے میں نے وہ اپنی بھرجائی کو لے آئے گی کپڑے دھونے اور اضافی کاموں کے لیے۔ ویسے یہ تمہارے ابو ان کی مجھے سمجھ نہیں آتی۔ آخر کیا ضرورت تھی ثریا کو کالج میں ایڈمشن دلوانے کی۔ یہ گھر میں ہوتی تھی تو میں صوفی کو لے کر آرام سے مارکیٹ چلی جاتی تھی۔ شادی کے کتنے کام ہوتے ہیں بازاروں کے...... اگلے سال لے لیتی ایڈمشن، کیا فرق پڑتا لیکن میری تو کوئی بات تمہارے ابا جان کی سمجھ میں نہیں آتی جیسے میں دشمن ہوں ناں اس کی۔ دو سال کی میری جھولی میں ڈال کر چلی گئی تھی اس کی ماں، تب سے پال ہی رہی ہوں۔ اب رابی کی پڑھائی چل رہی تھی۔ فائنل ایئر ہے اس کا، اسے تو اب گھر نہیں بٹھا سکتی تھی۔‘‘ انہیں آج موقع ملا تھا دل کی بھڑاس نکالنے کا۔ اتنے دنوں سے تو جیسے وہ شاک میں تھیں۔ ثریا کا ایڈمشن ہوا، رابی اور اسفند نے ساتھ لے جا کر اس کا یونیفارم، کتابیں خریدیں۔ وہ چپ سب دیکھتی رہی تھیں۔

’’اب دیکھو ناں بات اخراجات کی بھی تو ہے۔ یہ اضافی خرچ بڑھ جائے گا اب لیکن تمہارے ابو میری تو نہیں سنتے، تم بات کر کے دیکھو۔‘‘

’’آپ کا مطلب ہے میں ابو سے کہوں کہ ثریا کو کالج نہ بھیجیں اور یہ جو اتنا خرچ ہوا ہے ایڈمشن اور کتابوں وغیرہ پر وہ تو ضائع ہو جائے گا۔‘‘ اسے ثریا کی بات پر حیرت ہوئی تھی۔

’’تو کیا ہوا، ابھی دو چار سال اور خرچ ہوگا۔ یہ ضائع بھی ہو گیا تو کیا، آئندہ کے لیے تو بچت ہو جائے گی

ناں۔تم اگر اپنے ابو سے کہہ دو کہ یہ لڑکی کوڑھ مغز ہے نہیں پڑھ سکتی خواہ مخواہ اس پر پیسہ ضائع کرنے والی بات ہے اور پھر رابی کا تو ایک ہی سال ہے، وہ یونی چلی جائے گی اور یہ اکیلی ہی آیا جایا کرے گی تو خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو تمہارے ابو تو یہ ہی کہیں گے ناں کہ میں نے دھیان نہیں رکھا۔ پرائی اولاد کی بہت ذمے داری ہوتی ہے بھئی۔'' ثریا نے دانستہ اپنی آواز آہستہ کرلی تھی۔

''گڑیا ایسی نہیں ہے امی، آپ نے پرورش کی ہے۔آپ کو اپنی تربیت پر بھروسا ہونا چاہیے۔'' وہ مزید خود کو بے پروا ظاہر نہیں کرسکتا تھا، اسے ثریا کی ہاں میں ہاں نہیں ملانی تھی۔ ''پتا نہیں آپ کو گڑیا سے اب کیا مسئلہ ہوگیا ہے، پہلے تو ایسا نہیں تھا۔''

''مجھے تو جو مسئلہ ہے...... ہے، تم تینوں بہن، بھائیوں کو بہت ہمدردی ہے اس سے حالانکہ اس پر جو بھی خرچ ہورہا ہے وہ تمہارا حق ہے۔'' ثریا کو اسفند کا اس کے لیے بولنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''امی، جب وہ پھپو کے ساتھ ہمارے گھر آئی تھی تو ننھی سی، پیاری سی گڑیا جیسی تھی۔آپی، رابی نے ہمیشہ اسے اپنی چھوٹی بہن ہی سمجھا...... اور جہاں تک اس کے تعلیمی اخراجات کی بات ہے تو یہ اس کا اپنا حق ہے۔ہم میں سے کسی کے حصے کا پیسہ اس پر خرچ نہیں ہورہا۔'' اسفند کا خیال تھا کہ وہ ثریا کو سمجھالے گا۔

''تو تمہارے ابو نے تمہارے کان بھی بھر دیے اور جو سولہ سالوں سے اس پر خرچ ہورہا ہے کیا وہ آسمان سے ٹپکا ہے...... مل گیا اس کو اپنا حق۔'' ثریا کو غصہ آگیا تھا۔

''امی، پلیز!''

لیکن ثریا نے اسے مزید کچھ کہنے نہیں دیا تھا اور بلند آواز سے گڑیا کو بلایا تھا۔

''جی مامی!'' وہ سہمی ہوئی سی کچن کے دروازے میں نمودار ہوئی۔

''کیا کچن ابھی تک صاف نہیں ہوا؟''

''وہ بس وائپر لگانا ہے ابھی۔''

آنکھوں میں نمی سی تھی۔اسفند دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تو وائپر لگا کر اوپر میرے کمرے کی صفائی کردو، لاؤنج کو بھی دیکھ لینا۔'' ثریا کا موڈ بے حد خراب تھا۔انہوں نے اسفند کو نظر انداز کرتے ہوئے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی لگا یا۔

اسفند کو ماں کی یہ بلاوجہ کی گڑیا سے نفرت سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔وہ خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کیسے کس طرح ان کے دل کو اس کے لیے نرم کرے کہ ابو اور وہ جو سوچے بیٹھے تھے ثریا کی مرضی کے بغیر وہ ناممکن تھا۔کاش جیا پھپو یوں اس طرح اسے نہ چھوڑتیں تو شاید گڑیا کے لیے زندگی اتنی مشکل نہ ہوتی۔گڑیا کچن صاف کرکے مٹھی میں اسفند کے دیے ہوئے روپے دبائے ثریا کے صوفے کے پیچھے سے ہوتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف جارہی تھی کہ ثریا اور اسفند نے بیک وقت اس کی طرف دیکھا اور اسفند کی نظروں نے اس وقت تک اس کا تعاقب کیا جب تک وہ نظر آتی رہی۔

ثریا پُرسوچ نظروں سے اسفند کی طرف دیکھ رہی تھیں۔اسفند کی بے حد احتیاط کے باوجود ثریا کھٹک گئی تھیں۔ یہ تو وہ جانتی تھیں کہ تینوں بہن، بھائیوں کو بچپن سے ہی گڑیا سے بہت پیار ہے لیکن کہیں اسفند کے دل میں کچھ اور خیال تو نہیں۔''حسن بھی تو اللہ نے ان دونوں ماں، بٹی کو دل کھول کر دیا ہے۔'' انہیں یاد آیا کہ جس روز ان کا رشتہ دیکھنے کچھ خواتین آئی تھیں اس روز جیا ان کے گھر آئی ہوئی تھی۔بچپن کی دوستی تھی اور گھر بھی ساتھ، ساتھ تھے۔ خواتین نے اس کے بجائے جیا کو پسند کرلیا تھا۔اسے برا لگا لیکن اسی روز جیا کے والدین اس کے لیے احمد حسن کا رشتہ لے آئے تھے اور وہ نہ جانے کب سے دل ہی دل میں احمد حسن کو پسند کرتی تھیں اور احمد حسن ہر لحاظ سے جیا کے خاوند سے بہتر تھے۔پڑھائی میں شکل صورت میں مالی لحاظ سے اور پھر جیا شادی کے فوراً بعد ہی بیوہ ہوگئی تھی تو بھی

انہیں خیال نہیں آیا تھا کہ ان کے لیے آنے والا رشتہ جیا کے لیے چلا گیا تھا بلکہ کچھ عرصہ پہلے تک وہ اپنی خوش قسمتی پر رشک کرتی تھیں کہ اگر اس روز وہ جیا کو پسند نہیں کرتے تو وہ آج بیوگی کی زندگی بسر کر رہی ہوتیں لیکن آج کل پتا نہیں کیوں انہیں احساس ہونے لگا تھا کہ جیا کی وجہ سے ان کی بے عزتی ہوئی تھی۔ انہیں ریجیکٹ کیا گیا تھا اور وہ جیا کی بیٹی کو ہرگز اپنے خاندان کا حصہ نہیں بنائیں گی اور اگر ایسا کوئی خیال اسفند کے دل میں آیا بھی ہے تو انہیں ابھی ہی اس خیال کو اس کے دل سے نکال دینا چاہیے۔ احمد حسن جتنی جیا اور گڑیا سے محبت کرتے تھے ان سے کوئی بعید نہیں تھا کہ وہ دل میں گڑیا کے لیے اسفند کو سوچے بیٹھے ہوں۔

''سنو۔'' انہوں نے خاموش بیٹھے اسفند کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ ''صوفی کی شادی میں مہمان آئے ہوئے ہوں گے تو احتیاط کرنا گڑیا کے ساتھ لوگوں کے سامنے یہ ہمدردی کا ڈرامانہ رچانا۔ تم تو اسے سگی بہن سمجھتے ہو لیکن لوگوں کو تو پتا ہے وہ تمہاری کزن ہے اور تمہاری ہمدردی کو وہ کوئی اور رنگ نہ دے دیں اور بیچاری گڑیا بدنام ہو جائے۔''

انہیں اپنے پتے ٹھیک سے کھیلنے آتے تھے۔ وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

''اور ہاں کسی ویک اینڈ پر گوجرانوالہ چلے جانا ماموں کی طرف، سب سے مل لینا۔ گیارہ، بارہ سال کے تھے تم جب وہ کراچی شفٹ ہو گئے تھے۔ دراصل بھابی کا میکا کراچی میں تھا ناں تو بس لے گئیں بھائی کو بھی۔ اب عاشی کا ایڈمشن ہوا ہے ناں لاہور میڈیکل کالج میں تو آنا پڑا۔ چھوٹی سی تھی تب، تمہیں تو یاد بھی نہیں ہو گی۔''

''آپی کی شادی پر آئیں گے ناں سب تو تب ملاقات ہو جائے گی۔ میری پڑھائی بہت ٹف ہے امی، میرے پاس وقت نہیں ہوتا ضائع کرنے کے لیے۔'' وہ بیزار ہوا تھا۔

''لو گوجرانوالہ، لاہور سے کتنی دور ہے۔ دن، دن میں ہو کے آجانا، تمہارے ماموں ملنے آئے تو بہت پوچھ رہے تھے تمہارا۔''

ہمیشہ سے ہی ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بچوں کے رشتے اپنے بہن، بھائیوں میں کریں گی۔ بڑی بہن نے اپنے دونوں بیٹوں کے رشتے اپنے سسرالی رشتے داروں میں کر لیے تو وہ جو اپنی بھانجی کو بہو بنانے کا سوچ رہی تھیں۔ ان کا دل برا ہو گیا تھا کہ بہن کو ان کی بیٹیاں نظر نہیں آئیں۔ لیکن جب سے انہوں نے عاشی کو دیکھا تھا، انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اسے ہی بہو بنائیں گی بھلے اپنی بھابی کے ساتھ ان کے تعلقات کبھی خوشگوار نہیں رہے تھے لیکن عاشی ایک تو بہت پیاری تھی اور پھر ڈاکٹر بن رہی تھی۔

''اچھا دیکھوں گا وقت مل گیا تو۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں جا رہے ہو؟ اچھا ہوا جو آج تم رک گئے، کیا کھاؤ گے، بریانی یا پلاؤ، پکالوں رات کو؟ تمہیں پسند ہے ناں۔'' دودنوں سے بازار کے چکروں میں انہیں کچھ خاص پکانے کا وقت نہیں ملا تھا۔

''مونگ، مسور کی تڑکے والی دال بنا لیجیے گا، چاول وغیرہ کھانے کا موڈ نہیں ہے۔'' وہ جانتا تھا دن بھر کی تھکی ہاری گڑیا کو وہ پھر کچن میں ساتھ لگالیں گی۔ ''اور میں کچھ دیر کے لیے ابھی سوؤں گا، رات ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔ مجھے کھانے کے لیے مت اٹھایئے گا۔''

ثریا نے سر ہلا دیا۔ یوں بھی اتوار کو ان کے ہاں ناشتا دیر سے ہوتا تھا تو پھر دوپہر کو کھانا نہیں کھایا جاتا تھا۔ آج بھی باہر سے ہی نان، چنے اور حلوا پوری کا ناشتا آیا تھا۔

''ٹھیک ہے بیٹا، تم آرام کرو، میں بھی دیکھوں یہ گڑیا کی بچی کیا کر رہی ہے۔ کہیں اوپر جا کر بیٹھ تو نہیں گئی۔''

وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور اسفند، گڑیا کے متعلق سوچتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اسے ایک بار پھر ابو سے بات کرنی تھی، اپنے اور گڑیا کے حوالے سے۔

(جاری ہے)

digest library.com

بہارو پھول برساؤ

شمیم فضل خالق

digest library.com

"یہ رقیب روسیاہ کیا ہوتا ہے؟" کشف جو کافی دیر سے خاموش بیٹھی تھی اچانک بول اٹھی۔

"کشف خدا کے لیے مجھے پڑھنے دو...... یہ اول فول بول کر میرا دھیان مت بٹاؤ۔" میں جو بڑے انہماک سے لکھنے میں مگن تھی چڑ کر بولی۔

"واہ بھئی عروج...... ایک اہم سوال پوچھ رہی ہوں، کوئی اول فول نہیں بک رہی۔"

"دیکھو کشف...... پلیز مجھے نوٹس لکھنے دو......"

میں پھر سے لکھنے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''تمہیں تو رفیق اور رقیب کے سوا اور کچھ نہیں سوجھتا لیکن میں تمہاری صحبت میں روز بروز نالائق تر ہوتی جارہی ہوں۔'' میرے کہنے پر وہ بھڑک اٹھی۔

''اپنے دماغ میں بھوسا بھرا ہے اور نام میرا لگا رہی ہو......اور ویسے بھی تمہارا تو ہر دوسرے دن رشتہ آجاتا ہے۔'' وہ اچانک اداس ہوکر بولی۔ ''مجھے تو کوئی گھاس ڈالنے والا بھی نہیں......''

میں سمجھ گئی اب میں پڑھ نہیں سکتی سو نوٹ بک بند کرلی......ہم دونوں یونیورسٹی کے لان میں سبز سبز گھاس پر بیٹھے تھے وہ ہمیشہ کی طرح اداسی کے عمیق سمندر میں ڈوبنے لگی تھی...... اب مجھے ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر گھسیٹنا تھا۔ سو میں ماحول کو شگفتہ کرنے کی خاطر بولی۔

''لیکن ڈیئر......ابھی تو تمہارا رفیق ہی پیدا نہیں ہوا اور تم رقیب کی بات کررہی ہو۔''

''رفیق تو ساری عمر پیدا نہیں ہوگا تو رقیب کہاں سے آئے گا۔'' وہ اسی اداسی سے بولی۔ ''مجھے تو یہ پوچھنا تھا کہ رقیب کے ساتھ روسیاہ کو کیوں نتھی کیا جاتا ہے۔''

''مجھے کیا پتا......'' میں کندھے اچکا کر بولی۔ ''اور تم بھی ان فضول سوچوں کو ذہن سے جھٹک دو......''

''چلو...... جھٹک دیا......'' وہ اسی پرانے موڈ میں آگئی۔

''یہ بتاؤ......تمہارے اس نئے رشتے کا کیا بنا؟''

''ابھی تک تو کچھ نہیں۔'' میں عادتاً اپنے کندھے اچکا کر بولی۔ ''مما اور پاپا دونوں ڈر رہے ہیں کہ لوگ بالکل غیر ہیں......کہیں بعد میں کوئی پرابلم نہ نکل آئے۔''

''واہ کیا کہنے تمہارے مما، پاپا کی احتیاط پسندی کے......بھئی پوچھ گچھ کروائیں......اگر سب ٹھیک ہو تو......بسم اللہ کریں......جانتی ہو......یہ پانچواں، چھٹا رشتہ ہے تمہارا......جو تمہاری مما، پاپا کی احتیاط کی نذر ہوجاتا ہے۔''

''بس بھئی......'' میں اپنے کاغذات سمیٹتے ہوئے بولی۔ ''ان کا شعبہ ہے۔ وہ جانیں اور ان کا کام جانیں۔'' اتنے میں سمیرا بھاگتی ہوئی آئی اور دھم سے ہمارے پاس گھاس پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اچھا تو دونوں چڑیلیں یہاں بیٹھی ہیں۔''

''جی ہاں......'' کشف اپنی آنکھیں گول، گول گھماتے ہوئے بولی۔

''بھئی ہم دونوں چڑیلیں اپنا اگلا پلان تیار کررہے ہیں کہ اس بار ہمارا نیا شکار کون ہوگا۔''

''خدارا مجھے اپنا شکار نہ بنانا۔'' سمیرا جلدی سے بولی۔

''ایسے کیسے...... یہ لو پیسے اور کینٹین سے ہمارے لیے جوس لے کر آؤ۔''

''ابھی لاتی ہوں......'' وہ مزاحیہ فرمانبرداری سے بولی اور ہنستی ہوئی کینٹین کی طرف چلی گئی۔

دراصل ہم دونوں یعنی میں اور کشف چڑیلوں کے نام سے مشہور تھیں......میرا اور کشف کا ساتھ بہت پرانا تھا پہلے اسکول پھر کالج اور اب یونیورسٹی اور پڑھائی میں تو ہمارے دماغ نارمل ہی تھے لیکن شرارتوں میں ہمارے دماغ خوب چلتے تھے۔ بس کشف میں یہ بری بات تھی کہ اپنی شکل صورت کی طرف سے احساسِ کمتری میں مبتلا رہتی تھی اور جب اسے اس قسم کا دورہ پڑتا تو وہ بہت اپ سیٹ ہوجاتی۔ یونیورسٹی میں ہمارا لاسٹ سمسٹر چل رہا تھا۔ میرا ہر دوسرے دن کوئی رشتہ آجاتا، میں اپنے منہ سے تو اپنی تعریف نہیں کرنا چاہتی لیکن میں یونیورسٹی میں حسین ترین لڑکی مانی جاتی تھی بدصورت تو کشف بھی نہیں تھی بس اس کی شکل واجبی سی تھی اور معلوم نہیں کیوں اس کا کوئی رشتہ نہیں آرہا تھا اس لیے تو نہ صرف کشف کو بلکہ اس کی امی کو بھی کافی پریشانی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار کلاس میں ٹیچر نے ہم سب لڑکیوں سے باری، باری پوچھا تھا کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد ہم کیا کریں گی تو ہم میں سے بہت سی لڑکیوں نے میرے سمیت کہہ دیا تھا کہ ہم جاب کریں گے لیکن کشف نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ شادی کرے گی بچے پیدا کرے گی اور ایک مکمل گھریلو زندگی گزارے گی۔ اس

کی بات پر ساری کلاس میں ہنسی کے فوارے چھوٹنے لگے تھے لیکن وہ سنجیدہ تھی۔ اور تب سے لے کر اب تک اس کا یہی موقف تھا۔

''کشف یار...... میں تھک گئی ہوں گھر جا کر آرام کروں گی۔'' میں نے اپنی بکھری چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

''میں بھی تمہارے ساتھ جارہی ہوں...... اکبر کے ہاتھ کی کافی پیئوں گی۔'' اس نے ہمارے نوکر کے بارے میں کہا۔

''چلو...... پھر چلتے ہیں۔'' میں اٹھ کھڑی ہوئی وہ فون پر اپنی امی سے بات کرنے لگی غالباً انہیں بتارہی تھی کہ میرے ساتھ جارہی ہے۔ پہلے کشف کافی دور رہتی تھی لیکن حال ہی میں انہوں نے ہمارے قریب ہی مکان خرید لیا تھا سو اب ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ آتے جاتے تھے اور ہماری وجہ سے ہمارے گھر والوں کی بھی آپس میں شناسائی ہوگئی تھی سو ہم دونوں آزادی سے ایک دوسرے کے گھر جاسکتے تھے...... میں اور کشف سارے راستے بولتے رہے۔ گھر میں داخل ہوئے تو کچھ انہونا سا احساس ہوا۔ کچن سے زبردست خوشبوئیں آرہی تھیں گھر میں بھی چہل پہل سی تھی...... کشف میرے کان میں کہنے لگی۔

''عروج...... کہیں تمہارا کوئی رشتہ ڈن تو نہیں ہوگیا......'' میں اسے کوئی جواب نہ دے سکی کیونکہ سامنے سے رضی بھائی آرہے تھے مارے خوشی اور حیرت کے میری تو سٹی گم ہوگئی...... ساری کتابیں میرے ہاتھ سے گر پڑیں۔

''رضی بھائی...... آپ!'' میں دوڑ کر اُن کے گلے لگ گئی۔ ''آپ کب آئے......؟ کیسے آئے...... اس طرح بغیر اطلاع کے۔'' رضی بھائی ہنس کر بولے۔

''ارے میری چڑیل بہن...... چھری تلے دم تو لو...... ایک سانس میں کتنے سارے سوالات پوچھ لیے۔'' وہ مجھے بازوؤں کے گھیرے میں لیے لیے بولے۔ ''دراصل...... مجھے سرپرائز دینا تھا مما...... پاپا اور خاص کر تمہیں۔''

''لیکن بھائی......'' میں روٹھے روٹھے انداز میں بولی۔

''یہ کیسا سرپرائز ہے جو بندے کو اس خوشی سے محروم کردیتا ہے جو اپنے کسی پیارے کی آمد سے پہلے ہوتی ہے۔'' رضی بھائی ہنس پڑے۔

''چلو چھوڑو اب اپنی دوست کا تعارف تو کراؤ۔''

''یہ کشف ہے بھائی...... میری واحد اور پرانی دوست...... کیا آپ کو یاد نہیں رہی......''

''ارے ہاں...... یہ کافی بدل گئی ہے۔ وہی ناں چڑیل نمبر دو......'' بھائی ہنس پڑے۔ ہم سب ان کے ساتھ ہنس پڑے۔ کشف نے ان کو سلام کیا اس دوران مما کچن سے باہر آگئیں اور بھائی کی شکایت کرتے ہوئے بولیں۔

''دیکھو تو...... نہ آنے کی اطلاع دی۔ نہ کچھ اور...... بس، بس سیدھے سبھاؤ گیٹ کی گھنٹی بجائی موصوف اندر آگئے......'' کشف کو غالباً اس ماحول میں اپنا وجود اضافی لگنے لگا تھا بھی تو وہ دھیمے انداز میں مجھ سے کہنے لگی۔

''عروج...... میں چلتی ہوں...... تم انجوائے کرو بھائی کے ساتھ......'' میں جو بھائی کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی چونک کر بولی۔

''لیکن کشف...... تم تو کافی پینے آئی تھیں۔'' میں بولی تو مما نے میری بات سن لی اور کشف سے کہنے لگیں۔

''کشف بیٹا...... تم کہیں نہیں جارہی...... میں نے رضی کے لیے اس کی پسند کی ڈشز بنائی ہیں...... تم ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ گی۔''

''لیکن مما!'' رضی بھائی مزاحیہ انداز میں بولے۔ ''یہ دو چڑیلیں مجھے کچھ کھانے دیں گی بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے سب چٹ کر جائیں گی۔ بھلا میں ایک غریب سا کمزور انسان کہاں چڑیلوں کا مقابلہ کرسکتا ہوں......'' ہنسی کے فوارے چھوٹ گئے کشف ہنس کر بولی۔

''آپ فکر نہ کریں رضی بھائی یہ چڑیلیں شریف نسل سے تعلق رکھتی ہیں۔'' کھانے کی میز پر بھی بہت

digest library.com

گپ شپ رہی...... لگتا ہی نہیں تھا کہ کشف اور بھائی پہلی بار مل رہے ہیں۔ دراصل رضی بھائی جتنے حاضر جواب تھے کشف ان سے کہیں زیادہ تھی۔ بے تکلف ہونے میں اسے ذرا بھی ٹائم نہیں لگتا تھا۔ پاپا بھی کھانے کی میز پر موجود تھے بہت اچھی گیدر نگ رہی۔ کھانے کے بعد بھائی آرام کرنے چلے گئے، میں اور کشف میرے کمرے میں آگئے۔ رضی بھائی یو کے میں انجینئر تھے پاکستان آتے جاتے رہتے تھے۔ مما آج کل ان کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں کیونکہ پاپا کا فیصلہ تھا کہ مجھے گھر سے اس وقت جانے دیں گے جب رضی کی شادی ہوگی اور مما کو رضی بھائی کے لیے کوئی لڑکی پسند نہیں آرہی تھی وہ چاند چہرہ اور ستارہ آنکھوں والی بہو لانا چاہتی تھیں کیونکہ رضی بھائی مردانہ وجاہت کا حسین شاہکار تھے۔ اونچا لمبا قد، بھوری آنکھیں، کالے بال اور حسین چہرہ مما کا کہنا تھا کہ وہ بھائی کے لیے ایسی لڑکی لائیں گی جو بھائی کے ساتھ اچھی لگے اور دونوں کی جوڑی بہترین ہو لیکن انہیں ابھی تک ایسی لڑکی نہیں ملی تھی۔ بھائی کو تو کوئی جلدی نہیں تھی لیکن مجھے گھر میں بھابی لانے کی بہت جلدی تھی سو میں ہر روز مما سے پوچھتی۔

''مما...... آپ نے بھائی کے لیے کوئی لڑکی ڈھونڈی؟''

''کہاں......'' مما مایوسی سے کہتیں۔ ''لگتا ہے کال پڑ گیا ہے حسین لڑکیوں کا...... حسن تو ناپید ہو گیا ہے کہیں کوئی اچھا چہرہ نظر آ بھی گیا تو وہ انگیجڈ ہوتی ہے...... اور مجھے رضی کے لیے حسین ترین لڑکی چاہیے۔ بالکل اس کے جوڑ کی......'' ہزار بار کی کہی بات وہ ایک بار پھر سے دُہراتیں...... لیکن اس دن مما کی بے چینی اور جوش و خروش دیکھنے کے قابل تھا...... میں یونیورسٹی سے آئی...... بھوک کے مارے دم نکلا جارہا تھا...... ٹیبل تیار تھی...... بھائی، پاپا اور مما میرا ویٹ کررہے تھے میں فریش ہوکر میز پر آئی تو مما چھوٹتے ہی بولیں۔

''مجھے اپنے بیٹے کے لیے لڑکی پسند آگئی ہے۔''

میں نے حیرت سے سر اٹھا کر مما کو دیکھا تو جذبات کی شدت سے اُن کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ ان کے لب کانپ رہے تھے۔ پاپا اور بھائی کے لیے بھی یہ خبر نئی تھی سو سب شوق اور تجسس سے مما کو دیکھنے لگے بھائی اپنے مخصوص انداز میں مما کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''مطلب یہ کہ آپ کو کوئی چاند چہرہ اور ستارہ آنکھوں والی پری مل گئی ہے؟''

''ارے...... کوئی ایسی ویسی...... وہ تو چاند چہرہ اور ستارہ آنکھوں سے کہیں آگے کی کوئی چیز ہے...... میں تو اسے دیکھ کر مبہوت ہی رہ گئی۔ میں نے آج تک اتنی حسین لڑکی نہیں دیکھی...... میں نے ڈرتے، ڈرتے اس سے پوچھا کہ وہ کہیں انگیجڈ تو نہیں...... لیکن اس کے نہیں نے تو میرے اندر پھول ہی پھول کھلا دیے......'' مما چونکہ کئی کلبوں کی ممبر تھیں...... ان کی بے شمار دوستیں تھیں سو یہ سوال پوچھنا کہ لڑکی کہاں ملی فضول تھا۔ پاپا تو ہمیشہ ہی مما کے بتائے راستوں پر چلتے تھے سو وہ مطمئن انداز میں بولے۔

''چلو اچھا ہوا...... تمہاری تلاش ختم ہوگئی...... اب یہ پروسیس تیز کردو کہ رضی آیا ہوا ہے...... تو اس کا یہ آنا رائگاں نہ جائے اور یہ ایک عدد بیوی کا مالک بن جائے......'' میں تو مارے خوشی کے کچھ بول ہی نہیں پارہی تھی۔ بڑی دیر بعد کچھ بولنے کے قابل ہوئی تو بے چینی سے پوچھا۔

''مما...... لڑکی کا نام کیا ہے؟''

''مہک نام ہے اس کا......'' مما نے بتایا۔

''ارے ہاں...... تمہاری یونیورسٹی میں ہی پڑھتی ہے۔ اس کا بھی بس آخری سمسٹر رہتا ہے۔''

''مہک......؟'' میں نے اس کا نام دُہرایا اور یک بیک میرے اندر کی خوشی دم توڑ گئی۔ مہک ہماری یونیورسٹی کی حسین ترین لڑکی تھی لیکن حد سے زیادہ مغرور...... خود پسند اور سیلفش لڑکی تھی۔ یونیورسٹی بھر میں اس کی کوئی دوست نہ تھی کوئی اس کے قریب نہیں جاتا تھا کیونکہ وہ پل بھر میں دوسرے کی بے عزتی کردیتی تھی...... وہ کسی بڑی فیملی سے تعلق رکھتی تھی اور اکلوتی بیٹی تھی اپنے والدین کی...... مما میری اندرونی کیفیت سے بے خبر اس کے

حسن کی تعریفیں کیے جارہی تھیں۔

’’مما...... وہ اتنی حسین ہے تو ابھی تک اس کا رشتہ کیوں نہیں ہوا؟‘‘ بھائی، مما سے پوچھ رہے تھے۔

مما کو بھائی کی یہ بات پسند نہ آئی۔

’’قسمت کی بات ہے بیٹا...... اسے شاید خدا نے تمہارے لیے ہی منتخب کیا ہے...... تبھی اس کا ابھی تک رشتہ نہیں ہوسکا...... ویسے اس کی ماں نے بتایا کہ رشتے تو ہزاروں کے حساب سے آتے ہیں بس مہک کو پسند نہیں آتے۔‘‘

’’واہ کیا کہنے......‘‘ پاپا کانٹے میں فش کا ٹکڑا پھنساتے ہوئے بولے۔

’’بیگم...... بڑی تیز ہو ماں تک بھی پہنچ گئی ہو......‘‘

’’ارے میں نے سارے راستے صاف کردیے ہیں...... بس اب رضی اور مہک کی ملاقات کرانی باقی ہے۔ اس کے لیے مہک کو راضی کرلیا ہے کہ وہ ہمارے گھر آئے...... رضی سے ملے...... اس سے بات چیت کرے اور اسی بہانے ہمارا گھر بھی دیکھ لے۔‘‘

’’بھئی...... زمانہ واقعی بدل گیا ہے...... پہلے تو لڑکا جاتا تھا لڑکی کو دیکھنے...... اور اب لڑکی آئے گی لڑکے کو دیکھنے......‘‘ پاپا ہنس کر بولے۔

’’اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا......‘‘ مما بولیں۔

’’بس لڑکا، لڑکی کی ملاقات ہونی چاہیے...... اور یہ ملاقات میری خواہش پر طے ہوئی ہے۔‘‘

’’یعنی ملاقات بھی طے ہوگئی ہے۔‘‘ بھائی حیرت سے بولے۔

’’ہاں......‘‘ مما اطمینان سے بولیں۔

’’سنڈے کو مہک ہمارے گھر لنچ پر آرہی ہے تم دونوں ایک دوسرے سے مل لینا...... بات چیت کرلینا اور بس......‘‘ اچانک مما کو خیال آیا تو مجھے دیکھتے ہوئے بولیں۔

’’کیا بات ہے عروج...... تم بھائی کی شادی کے لیے خوش نہیں ہو؟ اتنی خاموش ہو؟‘‘

’’نہیں...... تو۔‘‘ میں جلدی سے بولی۔

’’بس ابھی تک حیرت میں ہوں۔‘‘ مما ہنس پڑیں۔

ملی ترانہ

سرزمینِ پاک کے فوجی جوانوں کو سلام
آسمانِ زندگی کے چاند تاروں کو سلام
عزّ و ناموسِ وطن کے پاسبانوں کو سلام
جاں بحق جو ہوگئے ان جانثاروں کو سلام
دشمنِ عیار کے حملوں کو پسپا کردیا
اے زمینِ پاک تیرے نوجوانوں کو سلام
باغِ پاکستان کو سینچا مقدس خون سے
ایسے جانبازوں، دلاور باغبانوں کو سلام
بن گئے سیسہ کی دیواریں جو دشمن کے لیے
ایسے باہمت، جواں دل شہسواروں کو سلام
جرأت و ہمت بڑھاتے ہیں جو شیدا فوج کی
ان ادیبوں شاعروں ان کے ترانوں کو سلام

کلام: علی حسنین شیدا

پسند: بینش علی، کراچی

سدا بہار لطیفے

ایک سردار جی کے لطیفے نے نہ صرف مجھے چونکا دیا بلکہ مکمل طور پر قائل کردیا کہ سدا بہار لطیفے دراصل اپنے اندر ایک فلسفہ لیے ہوئے ہوتے ہیں۔

لطیفہ کچھ یوں ہے کہ ایک سردار جی نہایت اہتمام سے چائے پی رہے تھے۔ وہ ایک گھونٹ بھرنے کے بعد چائے کو چمچ سے خوب ہلاتے، ایک گھونٹ بھرتے اور پھر مسکرانے لگتے۔ وہ یہ عمل بار بار دُہراتے رہے۔ نزدیک بیٹھے ایک صاحب نے پوچھا کہ ’’سردار جی، آپ ہر بار چائے کو چمچ سے ہلا کر گھونٹ بھرنے کے بعد مسکراتے کیوں ہیں؟‘‘

سردار جی نے کہا۔ ’’ایک بات آج ثابت ہوگئی ہے کہ چائے میں اگر چینی نہ ڈالو تو لاکھ اسے چمچ سے ہلاؤ وہ کبھی بھی میٹھی نہیں ہوگی۔‘‘

جی ہاں، اگر حسنِ اخلاق اور نیک برتاؤ کی چینی آپ کی حیات میں نہ ہو تو آپ لاکھ عبادتیں کریں، بے اثر ہی ہوں گی۔

مرسلہ: آسیہ عامر، کراچی، لاہور

''ہاں......بس میں نے وہ ہیرا ڈھونڈ لیا جس کی مجھے تلاش تھی بس اب دعا کرنا کہ سارے معاملات خوش اسلوبی سے طے پا جائیں۔''

اس وقت تو میں نے بھائی اور پاپا کے سامنے کچھ نہیں کہا لیکن بعد میں مما کو بہت سمجھایا کہ ''مہک حسین ہے بس یہی ایک کوالٹی ہے اس کی باقی اس میں کوئی خوبی نہیں......وہ کسی کا گھر نہیں بسا سکتی۔ میں اس کی نیچر جانتی ہوں آپ بھائی کی زندگی تباہ نہ کیجیے بھائی اس نیچر کے بندے نہیں ہیں آپ کیا اپنے بیٹے کو جانتی نہیں ہیں۔'' مما نے میری ہر بات رد کرتے ہوئے کہا۔

''حسین لڑکیاں تھوڑی سی خود پسند ہوتی ہیں، مغرور بھی ہوتی ہیں۔ شادی ہو جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' پھر وہ مجھے ڈانٹ کر کہنے لگیں۔

''اب تم رنگ میں بھنگ مت ڈالو......خبردار اگر اپنے بھائی سے کوئی بھی بات کی......اتنی کوششوں کے بعد تو گوہرِ نایاب میرے ہاتھ لگا ہے......اور اب تمہاری یہ باتیں......خبردار جو اس معاملے میں ٹانگ اڑائی تو......''

ظاہر ہے مجھے چپ تو ہونا ہی تھا لیکن یونی جا کر میں نے کشف کے سامنے اپنا دل کھول کے رکھ دیا...... مجھے بھائی کے لیے رونا آ رہا تھا......وہ کتنے نرم دل، دوسروں کا احساس کرنے والے اور بہترین انسان تھے کیا مہک انہیں سوٹ کرتی تھی؟ کیا وہ مہک جیسی سیلفش اور خود پسند لڑکی کے ساتھ خوش رہ سکتے تھے میں سوچ، سوچ کر رو، رو کر ہلکان ہو رہی تھی کشف مجھے سنبھال رہی تھی۔

''عروج، خود کو سنبھالو ڈیئر......ہر کام میں بندے کی بہتری ہوتی ہے......ویسے تم ناراض نہ ہو لیکن تمہارے بھائی کے ساتھ مہک بہت سوٹ کرے گی۔ دونوں جیسے ایک دوسرے کے لیے بنے ہوں......تم ٹینشن نہ لو......پلیز......'' پھر وہ مجھے مزیدار لطیفے سنانے لگی۔ میرا موڈ بدلنے کی اس نے ہر ممکن کوشش کی لیکن ناکام رہی، میں دکھ کی عمیق گہرائیوں سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ اس سے جدا ہوتے ہوئے میں نے اس کو مما کا پیغام دیا......دراصل کشف آج کل نئی، نئی ڈشز سیکھ رہی تھی یہی بات میں نے مما سے کی تھی تو مما کہنے لگی کہ کشف سے کہو کہ سنڈے کو ہماری مدد کے لیے آ جائے۔ مہک لنچ میں نئی، نئی ڈشز دیکھ کر خوش ہو جائے گی۔ میری بات سن کر کشف آنے پر فوراً ہی راضی ہو گئی۔

''میں صبح، صبح سنڈے کو تمہارے سر پر بیٹھی ہوں گی، میں تمہیں لسٹ بھیج دوں گی تم اپنی مما کو دے دینا کہ وہ پہلے سے سارا سامان منگوا کر رکھ لیں۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا اور گھر واپس آ گئی لیکن سچ تو یہ تھا کہ ہنسی میرے ہونٹوں سے روٹھ گئی تھی۔ میں بھائی کو خبردار کرنا چاہتی تھی کہ وہ مہک کے حسن سے ہرگز متاثر نہ ہوں اور اس شادی کے لیے کبھی مان کر نہ دیں لیکن بھائی ہاتھ ہی نہیں آ رہے تھے آج کل وہ اپنے دوستوں سے ملنے ملانے میں لگے تھے......اسی کشمکش میں سنڈے بھی آ گیا۔ سنڈے کو صبح، صبح کشف اپنے وعدے کے مطابق آ گئی۔ مما نوکروں سے ڈرائنگ روم کی صفائی کروا رہی تھیں۔ کچن کشف کے حوالے کر کے وہ اپنے کاموں میں لگ گئیں۔ مما بہت ایکسائٹڈ تھیں اور نوکروں پر چیخ چلا رہی تھیں......میں اسٹول پر بیٹھی بادلِ ناخواستہ کشف کا ہاتھ بٹا رہی تھی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ اس ماحول سے نکل کر کسی کونے کھدرے میں چھپ جاؤں......لیکن بعض اوقات ایسی کوئی خواہش پوری نہیں ہوتی......میں خاموشی سے اسے کام کرتے دیکھتی رہی......وہ بلا کی تیز تھی دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کئی ڈشز تیار کر لیں......اس دوران اکبر آ کر بولا۔

''جی......وہ مہمان آ گئی ہیں......بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ آپ باہر آ جائیں' ان کا استقبال کرنے کے لیے۔'' میں اور کشف دونوں کچن سے باہر آ گئے۔ میرا دل بے ترتیب انداز میں دھڑک رہا تھا اور میں مشکل سے خود کو سنبھال رہی تھی۔ اتنے میں وہ خراماں، خراماں کار سے نکل کر چلی آ رہی تھی۔ اس نے ریڈ کلر کا لانگ

digest library.com

فراک پہن رکھا تھا ساتھ ہی اونچی ہیل کی ریڈ سینڈل پہنے تھی...... وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی جیسے آسمان سے اتری کوئی حور ہو...... ہم تو مبہوت اسے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ کشف میرے کان میں کہنے لگی۔

''واہ...... کیا حسن دیا ہے اس لڑکی کو خدا نے...... تمہارے بھائی تو آج اس کے سامنے چاروں شانے چت ہو جائیں گے۔'' مما اس کے سامنے بچھی جا رہی تھیں...... مما کے بعد وہ عام انداز سے ہمیں بھی ملی پھر وہ مما کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ ہم دونوں اپنے روم میں آ گئے۔

''اُف یار عروج...... تمہاری مما نے تو سچ مچ ہیرا ڈھونڈا ہے اپنے بیٹے کے لیے۔'' کشف نے کہا۔

''ہاں۔'' میں تلخی سے بولی۔ ''صرف خوب صورتی کی حد تک......''

''اچھا چھوڑو......'' وہ میرے لہجے کی تلخی محسوس کرتے ہوئے بات بدل کر بولی۔ ''چلو ہم بھی کچھ تیار ہو جائیں...... میں شاور لیتی ہوں۔'' وہ اپنے ساتھ کپڑے لائی تھی سو وہ کپڑے اٹھا کر شاور لینے واش روم میں گھس گئی۔ بھائی اور مہک ایک گھنٹے تک ڈرائنگ روم میں اکیلے بیٹھے رہے مما نے انہیں اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اور کشف نے ٹیبل پر کھانا رکھا تو تب وہ لوگ ٹیبل کے گرد آ کر بیٹھ گئے۔ پاپا اسٹڈی میں ہی تھے اور انہوں نے وہیں اپنا کھانا منگوالیا تھا...... کھانا شروع ہوا تو بھائی جو بھی ڈش چکھتے تو حیران رہ جاتے۔

''ارے...... یہ کتنا لذیذ ہے...... مما...... آپ نے اپنے ہاتھ کا ذائقہ آج ہی نکال باہر کیا ہے......''

''نہیں بیٹا......'' مما ہنس کر بولیں۔ ''یہ سب کشف نے بنایا ہے۔ یہ بچی صبح سے آئی ہے میرا ہاتھ بٹانے کے لیے...... عروج نے بتایا تھا کہ کشف آج کل نئی، نئی ڈشز سیکھ رہی ہے تو میں نے سوچا کہ مہک بیٹی کو نئی ڈشز کھلا دیں۔''

''واہ...... لاجواب......'' بھائی تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے اس دوران مہک بولی۔

''کشف...... کیا تعلیم ختم کرنے کے بعد تم شیف بنو گی......؟ کیونکہ شادی تو تمہاری مشکل ہی ہو تو شیف بنا ہی تمہارے لیے بہتر ہوگا۔''

''کیوں......؟'' بھائی نے چونک کر سر اٹھایا۔

''شادی میں کوئی رکاوٹ ہے کیا؟''

''ارے نہیں......'' مہک ہنس کر بولی۔ ''اصل میں کشف کی شکل صورت ایسی ہے کہ کوئی اسے بطور بیوی پسند کرے گا نہ بطور بہو...... سو ظاہر ہے اسے کوئی پروفیشن تو اختیار کرنا ہوگا ناں مستقبل میں......'' اس لمحے میرا بے اختیار دل چاہا کہ مہک کو ٹیبل سے اٹھا کر دور پھینک دوں۔ کشف کا چہرہ آناً فاناً سیاہ پڑ گیا۔ یہی تو اس کا ویک پوائنٹ تھا جس سے وہ ہرٹ ہوتی تھی اور بھائی کے سامنے ایسی بات وہ کہاں برداشت کر سکتی تھی بھائی نے چونک کر مہک کو دیکھا جو اپنا زہر نکال کر اب اطمینان سے کھانا کھا رہی تھی...... بھائی نے دوسری نگاہ کشف پر ڈالی...... مما خود کو بے پروا شو کر رہی تھی جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہ ہو......

''میں گرین ٹی بنا کر لاتی ہوں......'' کشف میز سے اٹھتے ہوئے بولی۔ میں بھی اس کے پیچھے، پیچھے چل دی...... اس نے جلدی ہی خود پر قابو پالیا اور ہنس کر بولی۔

''چلو...... اچھا ہے میری ڈشز سب کو پسند آ گئیں۔'' میں نے بھی اس تلخ بات کو کریدنا مناسب نہ سمجھا اور بات آئی گئی ہو گئی۔

اس ملاقات کو دو دن گزر گئے بھائی نے اس کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔ تیسرے دن مجھے ناشتے کی ٹیبل پر آتے، آتے تھوڑی دیر ہو گئی۔ مما میرا ویٹ کر رہی تھیں۔ بھائی اور پاپا بھی میز پر بیٹھے تھے۔

''کوئی خاص بات ہے کیا مما...... جو آپ لوگوں نے ابھی ناشتا شروع بھی نہیں کیا......'' میں آملیٹ کو کانٹے سے اٹھا کر اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے ہنس کر بولی۔

''ہاں......'' مما بولیں...... ''خاص سے بھی زیادہ خاص بات......'' مما کا چہرہ اندرونی جوش سے لال

پڑ گیا تھا۔ میں نے اور بھائی نے ایک ساتھ حیرت سے مما کو دیکھا...... پاپا چائے کا ایک گھونٹ لے کر بولے۔

''اب بتا بھی دو یار...... کیوں سسپنس پھیلا رہی ہو۔''

''وہ...... رات گئے مہک کا فون آیا تھا...... اسے یہ رشتہ منظور ہے۔'' جذبات کی شدت سے مما کے ہونٹ کانپ رہے تھے چہرہ لال اناری ہو رہا تھا...... مجھے لگا جیسے میرے اندر کچھ ٹوٹ گیا ہو...... بھائی کے چہرے سے کچھ بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا وہ مگن انداز میں ناشتا کر رہے تھے جبکہ مما پُرجوش انداز میں تفصیل بتا رہی تھیں۔''

''اس کی امی سے بھی بات ہوگئی...... وہ مجھے مبارک باد دیتے ہوئے بولیں کہ ہزاروں کی تعداد میں مہک کے رشتے آ رہے تھے۔ بہت اچھے، اچھے رشتے تھے لیکن مہک کسی کے لیے نہیں مان رہی تھی لیکن آپ کی خوش نصیبی ہے جو وہ آپ کے بیٹے سے شادی پر مان گئی...... رضی بس اب منگنی کی رسم لینی باقی ہے۔'' مما بات بنا کر پھر بھائی کو مخاطب کر کے بولیں۔ ''تم کسی دن مہک کو ساتھ لے جا کر اپنی پسند سے اپنے اور اس کے لیے رنگز خرید لینا۔'' بھائی جو اپنے کپ پر جھکے تھے اچانک سر اٹھا کر بولے۔

''لیکن مما...... آپ نے تو میری مرضی پوچھی ہی نہیں ...... جبکہ شادی میں دونوں فریقین کی مرضی ضروری ہوتی ہے۔''

''تمہاری مرضی......؟'' مما نے چونک کر الجھی نظروں سے بھائی کو دیکھا انہوں نے منہ سے تو کچھ نہیں کہا لیکن مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے مما کی نظریں بول رہی ہوں جیسے وہ کہہ رہی ہوں...... تمہاری تو یقیناً سو فیصد مرضی ہوگی کیونکہ مہک تو چاند کا ٹکڑا ہے اور چاند کے ٹکڑے کون اپنے گھر لانا نہیں چاہے گا...... مما تو حیرت سے بھائی کا چہرہ دیکھ رہی تھیں جبکہ پاپا کہہ رہے تھے۔

''ہاں بیٹا...... یقیناً شادی میں دونوں فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔ تو اب تم بتاؤ کہ اس شادی پر تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں......؟'' کچھ دیر عجیب سا سناٹا ماحول پر طاری رہا۔

بس برتنوں کی کھٹر پٹر کی آواز آئی۔ پھر بھائی بولے۔

''مما، پاپا...... مجھے مہک کا ساتھ قبول نہیں...... میں اس سے شادی نہیں کر سکتا...... کہ ہم دونوں کی عادات اور اطوار میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

''کیا......'' مما کا چہرہ اچانک بالکل بجھ سا گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے رضی بھائی کو ایسے دیکھنے لگیں جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہوں ان کی آنکھوں کی جوتیں بجھ سی گئیں ان میں بات کرنے کی بھی سکت نہیں رہی تھی تب پاپا بولے۔

''کیوں بیٹا...... وہ بچی تو بے حد حسین ہے اور پھر تمہاری مما کی پسند بھی...... تم نے تو شادی کے سلسلے میں سارے اختیارات اپنی مما کو سونپے تھے ناں......''

''جی پاپا......'' بھائی ادب سے بولے۔'' مہک واقعی بہت حسین لڑکی ہے۔ اتنی کہ شاید سارے شہر میں اس کے مقابلے کی کوئی اور لڑکی نہ ہو...... لیکن میں نے ایک گھنٹے کی ملاقات میں سمجھ لیا کہ وہ حد سے زیادہ خود پسند...... مغرور اور دوسروں کو اذیت دینے والی لڑکی ہے اور آپ میری نیچر بھی اچھی طرح جانتے ہیں...... تو کیسے طے ہوگا یہ سفر ایک ساتھ...... سوچیں ذرا......''

پاپا تو خاموش ہوگئے لیکن مما چیخنے چلّانے لگیں ان کا آخری ہتھیار ہمیشہ یہی ہوتا تھا...... پاپا انہیں سنبھالنے لگے وہ زور، زور سے بول رہی تھیں۔

''میں تمہاری شادی مہک سے ہی کرا کر دم لوں گی، یہ میرا فیصلہ ہے جسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا......'' چیخ، چیخ کر ان کا گلا بیٹھ گیا وہ میز پر پڑے برتنوں کو اٹھا، اٹھا کر پٹخنے لگیں۔ غصے میں وہ بالکل پاگل ہی ہو رہی تھیں...... اب پاپا کے ساتھ، ساتھ میں اور بھائی بھی انہیں سنبھال رہے تھے لیکن وہ کسی کے قابو میں نہیں آ رہی تھیں...... قابو میں تب آئیں جب وہ بے ہوش ہوگئیں...... میں اور بھائی ان کو اپنے کمرے میں لے آئے بھائی ان کی ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوے سہلا رہے تھے...... کافی دیر بعد ان کی حالت سنبھل گئی

لیکن وہ بالکل خاموش لیٹی ہوئی تھیں اور ہماری طرف سے پیٹھ کیے تھیں۔ بھائی کو ان کے پاس چھوڑ کر میں مما کے لیے سوپ بنانے کچن میں آ گئی...... اکبر کی مدد سے جلدی، جلدی سوپ بنایا اور پیالہ لے کر مما کے کمرے میں آ گئی۔ اندر سے بھائی کی آواز نے میرے قدم روک لیے وہ مما سے ملتجی لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''مما...... حسن کے ساتھ بندہ چند قدم ہی چل سکتا ہے۔ جبکہ انسان کا دل خوب صورت ہو تو ساری زندگی آرام سے گزر سکتی ہے۔ آپ کشف کو ہی دیکھ لیں کتنی لونگ کتنی کیئرنگ اور بے تکلف سی سادہ سی لڑکی ہے۔ وہ بے شک مہک جتنی خوب صورت نہیں ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میری زندگی اسی کے ساتھ اچھی گزرے گی۔''

باہر کھڑے، کھڑے میرے قدم لڑکھڑانے لگے قریب تھا کہ سوپ کا پیالہ مجھ سے گر جاتا...... بھلا کہاں بھائی اور کہاں کشف...... مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو میں نے سنا ہے وہ واقعی بھائی نے کہا ہے مما پھر سے بری طرح چیخنے چلانے لگیں۔

''میری زندگی میں یہ کبھی نہیں ہوگا...... کشف جیسی بد صورت لڑکی کبھی میرے گھر کی بہو نہیں بن سکتی۔ کبھی نہیں...... ساری زندگی نہیں......'' بھائی انہیں سنبھالنے لگے۔

''مما...... پلیز...... آپ نہیں چاہتیں تو ٹھیک ہے، آپ وہی کریں جو آپ کا دل چاہتا ہے۔ میں اب آپ کی کسی بات میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔'' میں سوپ لے کر اندر گئی تو مما اور بھائی ایک دوسرے سے لپٹ کر رو رہے تھے مما ان سے کہہ رہی تھیں۔

''تم میری بات مانو گے ناں...... مہک سے شادی کرو گے؟'' بھائی کے لیے بولنا مشکل ہو رہا تھا وہ اثبات میں سر ہلا کر اپنی رضامندی دے رہے تھے۔

رات تک مما پُرسکون ہو گئیں۔ ظاہر ہے جو انہوں نے چاہا تھا وہ بھائی سے منوالیا...... دو دن میں مما ٹھیک ٹھاک ہو گئیں۔ اس دن وہ پاپا سے کہہ رہی تھیں۔

''میرا یہ فیصلہ رضی کے لیے ایک بہترین فیصلہ ثابت ہوگا دیکھ لینا جب لوگ ستائش بھری نظروں سے دونوں کی جوڑی کو دیکھیں گے تو رضی کی نظروں میں میرے فیصلے کی اہمیت بڑھ جائے گی۔''

''لیکن رابعہ۔'' پاپا قدرے افسردگی سے بولے۔ ''رضی خوش نہیں ہے۔ تم نے دیکھا اس کی شوخی اس کی ہنسی اس کی بزلہ سنجی سب اس کی ذات سے غائب ہو گئی ہیں۔''

''ارے چھوڑیں......'' مما بے پروائی سے بولیں۔ ''اتنی حور جیسی بیوی دیکھے گا ناں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' پاپا ہمیشہ کی طرح خاموش ہو گئے ان کی پُرسکون زندگی کا راز ہی یہی تھا کہ وہ مما سے بحث و مباحثہ نہیں کرتے تھے اور مما جو چاہتیں وہ کرتی تھیں۔

آج موسم قدرے بہتر تھا میں اپنی چائے لے کر لان میں آ گئی موسم بہت دلفریب ہو رہا تھا...... بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ رکھا تھا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل

متحدہ عرب امارات میں مقیم
اردو قارئین کے لیے خوشخبری
جاسوسی ڈائجسٹ پبلیکیشنز کراچی (پاکستان)
کے چاروں رسائل
جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، ماہنامہ پاکیزہ اور ماہنامہ سرگزشت
ایک فون کال کے فاصلے پر
آپ کال کریں، مطلوبہ رسالہ آپ کو گھر بیٹھے مل جائے گا۔
اردو بک ورلڈ ایف زیڈ ای۔ بزنس سینٹر، شارجہ پبلشنگ سٹی فری زون، الزاہیہ، شیخ محمد بن زائد آر ڈی، ای 311 شارجہ
971504805734
URDU BOOKS WORLD FZC.
BUSINESS CENTRE
SHARJAH PUBLISHING CITY
FREE ZONE, AL ZAHIA,
SHEIKH MOHAMMED BIN ZAYED RD,
E311, SHARJAH, UNITED ARAB EMIRATES

رہی تھی......اس دوران بھائی بھی باہر آ گئے۔

''اکیلے، اکیلے چائے پی رہی ہو......'' بھائی میرے ساتھ بینچ پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''آپ کے لیے لے آؤں......؟'' میں اٹھنے لگی تو انہوں نے مجھے وہیں بیٹھے رہنے کا کہا۔

''اکبر سے کہہ دیا ہے وہ بنا کر لے آئے گا۔''

''بھائی......مہک سے شادی کے لیے آپ کا دل راضی نہیں ہو رہا ناں......'' مجھے بھائی کی اداسی اندر ہی اندر بری طرح گھائل کر رہی تھی سو موقع پا کر میں نے ان سے پہلی بات یہی کی۔

''مما کی خوشی ہے بہنا......کیا کر سکتا ہوں......''

''ہو سکتا ہے بھائی......وہ خود کو بدل لے یا آپ کی صحبت اسے بدل دے۔''

''مشکل ہے عروج، عادتیں بدلی نہیں جا سکتیں......دیکھو تو پہلی ملاقات میں اس نے تمہاری دوست کشف کو کس بری طرح لتاڑا اور اس کی بے عزتی کر کے ایسی مطمئن ہوئی جیسے اس کے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی ہو......'' بھائی کے چہرے پر نفرت کے رنگ ابھرنے لگے میں نے جلدی سے کہا۔

''کشف نے مائنڈ نہیں کیا...... بھائی، وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔''

''ہاں......'' بھائی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔''وہ واقعی بے مثال لڑکی ہے۔میں ایسی ہی لڑکی اس گھر میں لانا چاہتا تھا جو صرف میری بیوی نہ ہو مما، پاپا کی بہو بھی بنے......ایک اچھی اور ہمدرد بہو......'' بھائی کے چہرے پر دکھ کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں......میں نے غور سے بھائی کو دیکھا اور کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''بھائی، آپ کشف کو پسند کرنے لگے تھے؟''

''آف کورس......اس کی نیچر ہی ایسی ہے کہ انسان اسے پسند کیے بغیر نہیں رہ سکتا......لیکن اب ان باتوں کو چھوڑو......بس دعا کرو کہ میں اپنے فیصلے میں ثابت قدم رہوں......اور مما کا مان مجھ پر قائم رہے۔'' بھائی بہت افسردہ لگ رہے تھے اور ان کا دکھ میرے دل کے ٹکڑے، ٹکڑے کر رہا تھا لیکن افسوس کہ میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔مما جس بات کی ٹھان لیتیں اسے کر کے ہی دم لیتی تھیں......اگلے دن یونی میں جیسے ہی کشف سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا۔

''عروج......مہک والے معاملے کا کیا بنا؟''

''ہاں سیٹ ہے سب کچھ......شادی کی ڈیٹ فکس ہونا باقی ہے بس......'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا......وہ خوش ہو گئی فوراً بولی۔

''چلو اچھا ہے......تمہارے بھائی کا گھر بس جائے گا۔'' وہ ایسی ہی تھی دوسروں کی خوشی میں خوش ہونے والی پھر وہ بولی۔''آنٹی سے کہنا......جب بھی میری ہیلپ کی ضرورت ہو مجھے کہہ دیا کریں، میں حاضر ہو جاؤں گی ویسے بھی ان کی بیٹی تو اول درجے کی نکمی ہے جس کی شاپنگ وغیرہ سے جان جاتی ہے۔''

کشف ہنس کر بولی لیکن میں تو مسکرا بھی نہ سکی۔میرے دل پر ایک بھاری بوجھ دھرا تھا جسے میں کسی کے سامنے اتار نہیں سکتی تھی اور بھائی نے کشف کے بارے میں جو کچھ بھی کہا تھا وہ میں ساری زندگی کشف سے کہنے والی نہیں تھی کہ اس کی آنکھوں میں وہ خواب کبھی نہیں سجا سکتی تھی جس کی کوئی تعبیر نہیں تھی......

اگلے دن ناشتے کی میز پر پاپا مجھ سے کہنے لگے۔

''عروج اپنی ماں کا ہاتھ بٹاؤ بیٹی......شادی کی تیاریاں اکیلا بندہ نہیں کر سکتا......تم یونیورسٹی سے چند دن کا آف لے لو......'' مما چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بولیں۔

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں......ویسے بھی عروج اس سلسلے میں اناڑی ہے۔اس کے تو ڈریسز بھی میں ہی ریڈی کرتی ہوں......'' مجھے یاد آیا تو میں فوراً بولی۔

''مما......کشف نے کہا تھا کہ جب بھی آپ کو ضرورت ہو وہ ہیلپ کے لیے تیار ہے......آپ اسے کہہ دیں۔''

''ارے نہیں بیٹا'' مما بولیں۔'' میری جو ہزاروں فرینڈز ہیں ناں وہ کب کام آئیں گی......ان ہی سے ہیلپ لوں گی......سب نے ہی مجھے ہیلپ کی آفر کر رکھی ہے۔'' بات ختم ہو گئی مما نے سارے کام خود

digest library.com

کیے...... حتیٰ کہ میرے اور پاپا کے لیے اور بھائی کے لیے بھی ڈریسز تیار کروا لیے۔ شادی کی ڈیٹ بھی طے کر دی...... پاپا... بار، بار کہہ رہے تھے کہ یہ ڈیٹ بہت جلدی کی ہے تم اپنی تیاری مکمل نہیں کر پاؤ گی لیکن جانے مما کو کیا ڈر تھا کہ وہ بھائی کے قدموں میں جلد سے جلد شادی کی زنجیر ڈالنا چاہتی تھیں سو وہ کسی کی بات نہیں مان رہی تھیں۔ بھائی نے دوستوں کے دامن میں پناہ ڈھونڈلی تھی۔ کبھی وہ دوستوں کے پاس چلے جاتے کبھی دوست ان کے پاس آجاتے۔ میں بھی اکیلی پڑ گئی تھی کشف کی خالہ باہر سے آئی تھیں وہ ان کے ساتھ بزی تھی۔ خالہ نے اسے ماں کی طرح چاہا تھا سو وہ اپنا پورا ٹائم اپنی خالہ کو دے رہی تھی۔ مما نے شادی کے لیے شہر کے سب سے قیمتی اور خوب صورت شادی ہال بک کیا تھا۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن جب مما نے بتایا کہ شادی کے سب فنکشن ایک دن ہی ہوں گے یعنی مہندی، بارات، ولیمہ، سب کا ایک ہی فنکشن ہوگا تو میں حیران رہ گئی۔

''لیکن مما...... آپ تو کہا کرتی تھیں کہ بھائی کی شادی کا دورانیہ دس دن سے کم نہیں ہوگا... ہر رات ڈھولکی ہوگی۔''

''کہنے اور کرنے میں فرق ہوتا ہے جانم۔'' مما بولیں۔ ''اب لوگوں کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ اپنا سارا وقت کسی ایک فنکشن کو دے دیں اور بار، بار جائیں۔''

''تو کیا مہک کے گھر والے اس بات کے لیے مان گئے ہیں کہ ایک ہی فنکشن ہوا۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''آف کورس مان گئے ہیں... بلکہ میرے اس فیصلے سے وہ بہت خوش ہیں۔'' مما مجھے جواب دے کر اٹھ کھڑی ہوئیں ان کو ہزاروں کام تھے ویسے بھی شادی کافی قریب آرہا تھا اور سارا بوجھ مما کے کندھوں پر تھا میں تو شروع سے خاصی نکمی واقع ہوئی تھی پڑھائی کے علاوہ کسی اور کام میں دلچسپی نہیں لیتی۔ پاپا اپنے کام سے کام رکھنے والے بندے تھے سارا دن موٹی، موٹی کتابوں میں سر دیے بیٹھے رہتے، رضی بھائی کچھ دلچسپی لے بھی لیتے لیکن چونکہ اس رشتے میں ان کی پسند شامل نہیں تھی سو انہوں نے دوستوں کی محفلوں میں پناہ ڈھونڈلی تھی۔ میرا ایک ہی بھائی تھا میں جب بھی اس کی شادی کا سوچا کرتی تو خوشی کی لہریں میرے اندر دوڑنے لگتیں۔ اگر یہ رشتہ کسی اور سے طے ہوتا تو میں بھرپور انداز میں اس میں شریک ہوتی شاید مما کی مدد بھی کرتی لیکن افسوس کہ جب بھی مہک اور بھائی کے بارے میں سوچتی تو ایک نوکیلا سا تیر میرے سینے کے آر پار ہو جاتا۔ آنسو خود میری آنکھوں سے جاری ہو جاتے۔

''یا اللہ...... مجھے ہمت دے کہ میں اس کٹھن مرحلے سے بخیر و خوبی نکل جاؤں جب بھائی اور مہک دولہا دلہن بنے بیٹھے ہوں گے۔'' میرا دل کوئی زور سے دبوچنے لگتا کاش کشف میرے پاس ہوتی تو میں اس کے گلے لگ کر زور، زور سے روتی لیکن اس نے تو یونیورسٹی سے آف لیا ہوا تھا... میرا فون بھی بھی وہ بڑی مشکل سے اٹھاتی اور جلدی، جلدی بات کرتے ہوئے معذرت کرتی۔

''عروج... وہ خالہ کے لیے پرہیزی کھانا بنانا ہے۔'' ''یا کبھی خالہ کے ساتھ باہر جا رہی ہوں۔'' تھک ہار کر میں نے اسے فون کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس دن مما ناشتے کی ٹیبل پر بولیں۔

''کارڈز تیار ہو گئے ہیں... آپ لوگ مجھے لسٹ دے دیں اپنی، اپنی... میں ہر کسی کو بھیج دوں گی۔'' پاپا، میں اور بھائی بھی ٹیبل پر موجود تھے پاپا ہنس کر بولے۔

''یار... میرے تو چند گنتی کے دوست ہیں جنہیں تم جانتی ہو...... باقی لوگوں کو تو تم زیادہ جانتی ہو مجھ سے۔'' میں اپنے کپ پر جھکتے ہوئے بولی۔

''مما... مجھے کسی کو نہیں بلانا... کوئی قریبی دوست تو ہے نہیں... ایک کشف ہے...... بس فون کر دوں گی۔''

''ارے نہیں...'' مما بولیں۔ ''کشف کو اور اس کی ساری فیملی کو بلائیں گے اور تم اس کی فکر نہ کرو میں نے اپنی لسٹ میں اس کا نام پہلے سے لکھ لیا

ہے۔'' پھر وہ خاموش بیٹھے بھائی سے کہنے لگیں۔
''رضی...... تم اپنے دوستوں کی لسٹ مجھے دے دو۔'' بھائی بیزاری سے بولے۔
''مما...... آپ خواہ مخواہ تردد کر رہی ہیں آج کل لوگ واٹس ایپ پر دعوت نامہ بھیجتے ہیں گھر، گھر جانے اور کارڈز بانٹنے کا رواج کہاں رہا۔''
''نہیں بیٹا......'' مما بولیں۔'' کچھ ریت رواج ختم نہیں کرنے چاہئیں کہ اسی میں خوب صورتی چھپی ہے۔''
''بہر حال مما......'' بھائی میز سے اٹھتے ہوئے بولے۔''میرے دوستوں کی فکر نہ کریں...... ان کو کسی دعوت نامے کی ضرورت نہیں...... وہ خود آجائیں گے......'' انہوں نے مما کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

بالآخر شادی کا دن بھی آگیا...... ہم یعنی میں، پاپا اور بھائی اس شادی میں بالکل مہمانوں کی طرح شرکت کر رہے تھے۔ مما صبح سے غائب تھیں...... بھائی کے دوست آگئے تھے اور انہیں غالباً تیار ہونے کے لیے لے گئے تھے۔ پاپا اپنے کمرے میں تیار ہونے چل دیے مما نے ہم سب کے کپڑے ریڈی کر رکھے تھے حتیٰ کہ ہمارے کمروں میں بھی رکھوا دیے تھے...... مجھے انہوں نے تاکید کی تھی کہ پارلر جا کر تیار ہو جاؤں لیکن میرا بالکل بھی موڈ نہیں تھا...... میرا تو اگر بس چلتا تو گھر کے کپڑوں میں ہی شرکت کرتی لیکن نئے کپڑے تو پہننے تھے...... سو مقررہ وقت پر میں جیسے تیسے تیار ہوئی اور پاپا کے ہمراہ ہم شادی ہال میں پہنچ گئے۔

یہ بہت زبردست کشادہ ہال تھا...... میں نے اتنا بڑا اور خوب صورت شادی ہال اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ مما اپنی دوستوں کے ہمراہ کھڑی مہمانوں کا استقبال کر رہی تھیں، وہ بے حد پیاری لگ رہی تھیں انہوں نے پنک کلر کے لباس پر گولڈن کلر کا ہیوی کام کروایا تھا میری غیر دلچسپی دیکھیے کہ میں پہلی بار ان کا ڈریس دیکھ رہی تھی مما نے مجھے گلے لگاتے ہوئے کہا۔
''تم پارلر سے تیار نہیں ہوئی ناں...... خیر...... پھر بھی بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' میں خاموش رہی......

میرا دل یہاں سے بھاگنے کو چاہ رہا تھا۔ میں بھائی کی بربادی کا حصہ بننا نہیں چاہتی تھی...... بار، بار امنڈ والے آنسو میں نے آنکھوں میں پیچھے دھکیلے کہ شور اٹھا کہ دولہا آگیا ہے۔

بھائی دوستوں کے جھرمٹ میں آرہے تھے اگرچہ انہوں نے سادہ سا لباس پہن رکھا تھا لیکن ان پر نظر نہیں ٹھہر رہی تھی لیکن مجھے ان کی مسکراہٹ میں چھپی اداسی صاف نظر آرہی تھی' میں نے بے چینی سے مہمانوں کی جھرمٹ میں کشف کو دیکھنا چاہا۔
''واہ...... کیا دوستی ہے محترمہ کی۔'' میں دل ہی دل میں طنزیہ بولی۔

بھائی کی شادی جب سے شروع ہوئی تھی میری اس سے بہت کم ملاقاتیں ہوئی تھیں اس کی خالہ دبئی سے آکر بیمار پڑ گئی تھیں اور کسی طرح ٹھیک نہیں ہو پا رہی تھیں کشف ان کے لیے بہت پریشان تھی لیکن اس نے فون پر وعدہ کیا تھا کہ وہ شادی میں ضرور آئے گی اور ٹائم پر آئے گی میں اس سے لپٹ کر رونا چاہتی تھی...... اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی...... اتنے سارے چہروں میں مجھے ایسا کوئی چہرہ نظر نہیں آرہا تھا جو میرے دل کا حال جانتا سوائے کشف کے میں نے دیکھا ہر کسی کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ مما کبھی بھائی کا کالر ٹھیک کرتیں کبھی جھک کر ان سے کچھ کہنے لگتیں...... پاپا کا چہرہ بھی خوشی کے مارے دمک رہا تھا کہ اچانک شور اٹھا کہ دلہن آگئی ہے میرا تو نظریں اٹھا کر دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا دلہن کی صورت میں مہک کو دیکھنا میرے لیے ایک کٹھن مرحلہ تھا لیکن دولہا کی بہن تھی کوئی ایسی ویسی حرکت کرتی تو وہ خواہ مخواہ تماشا بنتا بھائی بیچارے نے جو قربانی دی تھی اسے کیسے رائگاں جانے دیتی۔ ظاہر ہے مہک سے لپک کر ملنا تھا اسے بھائی کے ساتھ بٹھانا تھا میں نے دکھ سے بھائی کو دیکھا کہ جانے بھائی کا اس وقت کیا حال ہوگا کہ میں چونک اٹھی، بھائی انتہائی حیرت سے یک ٹک دیکھ رہے تھے ان کی نظروں کے تعاقب میں، میں نے دیکھا تو میں تو حیرت کے مارے بے ہوش ہونے والی تھی...... ہاں چند دوستوں کے جھرمٹ

میں آنے والی دلہن مہک نہیں تھی......وہ کشف تھی...... سارے بناؤ سنگار سمیت وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ میں تو پتھر کا بت بن گئی تھی۔ مجھ میں ہلنے جلنے کی سکت نہیں رہی تھی۔

خیال کیا کہ شاید......شاید مجھے کچھ ہوگیا ہے۔ شاید ذہنی حالت اتنی خراب ہوگئی ہے تبھی تو مہک کی جگہ کشف نظر آرہی ہے خود بھائی کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی......تو کیا بیک وقت ہم دونوں کی ذہنی حالت بگڑ گئی ہے لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نے آنکھیں مل، مل کر دیکھا لیکن وہی منظر تھا میرے سامنے، کشف دلہن کے روپ میں بیٹھی تھی۔ اس کا شرمیلا سا روپ آنکھوں میں بس رہا تھا اس کے ساتھ مما کھڑی ہماری حیرتوں سے لطف اندوز ہورہی تھیں۔ میری تو خیر بولتی بند ہوگئی تھی لیکن بھائی، مما سے پوچھ رہے تھے۔

''مما......یہ......یہ سب......؟''وہ اپنی بات پوری بھی نہ کرسکے تھے۔

''ہاں......''مما اطمینان سے بولیں۔

''کیوں بھول گئے ہو بیٹا کہ میں ماں ہوں......جو ہمیشہ بچوں کی خوشی دیکھنا چاہتی ہے میں نے مہک سے فوری معذرت کی......کشف کے گھر گئی......اس کا رشتہ مانگا اور ان سے راز داری کا حلف بھی لیا۔''

''لیکن کیوں مما......؟''میں کانپتی آواز میں بولی۔''جب آپ نے ہماری مرضی قبول کرلی تھی تو پھر ہمیں بتانے میں کیا حرج تھا۔''

''بیٹا......میں تم دونوں بہن، بھائی کی آنکھوں میں یہ خوشی دیکھنا چاہتی تھی......جواب دیکھ رہی ہوں......''

''مما......''بھائی گمبھیر آواز میں کہہ رہے تھے......''آپ......آپ واقعی ایک بہترین ماں ہیں۔'' بھائی کی آواز جذبات سے بوجھل ہورہی تھی۔

''میسنی......اتنی بڑی خبر تو نے مجھ سے بھی چھپائی......یعنی مجھ سے۔''میں کشف کے گلے لگ کر کہہ رہی تھی۔

''عروج......قسم لے لو......یہ سب آنٹی کی وجہ سے ہوا۔''وہ مسکین انداز میں میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی۔

''مجھے معاف کردو میری جان۔''میں نے ہنستے ہوئے ہاتھ الگ کیے اور سرگوشی میں شرارتی انداز میں بولی۔

''اب کرو رقیب روسیاہ کی باتیں......اب تو محترمہ کو رفیق بھی مل گیا ہے۔''

''سچ کہوں عروج......مجھے تو یقین نہیں آرہا......کہ میں نے مہک کو مات دے دی ہے۔ یعنی مہک، یونیورسٹی بھر کی حسین ترین لڑکی......اور کہاں میں......''

''اب یہ مظلومانہ باتیں چھوڑو......''میں نے اسے پیار بھری جھڑکی دی۔''بھائی نے تمہیں چنا ہے مہک کے مقابلے میں۔''

''عروج......یہ چھپ، چھپ کر باتیں نہ کرو......کھلے عام کرو دیکھو تو......اچانک یہ لائٹنگ کس قدر چمکنے لگی ہے ماحول کتنا مختلف ہوگیا ہے ناں۔'' بھائی فوراً بولے۔

''یہ سب کشف کا کمال ہے بھائی۔''میں اپنی آنکھیں گول، گول گھماتے ہوئے بولی۔''اگر یہاں مہک ہوتی تو معاملہ مختلف ہوتا۔''

''نہیں عروج......یہ کشف کا نہیں......مما کا کمال ہے۔''بھائی نے محبت سے مما کو دیکھا جو مہمانوں کو ویلکم کررہی تھیں......کشف شرمائی، شرمائی سی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ میوزک بج رہا تھا اور ایک پرانا گانا لگا تھا۔

''بہارو پھول برساؤ میرا محبوب آیا ہے۔''

مجھے لگا جیسے یہ گانا حسب حال ہو......میرا شدت سے دل چاہا کہ کہیں سے مجھے ڈھیروں ڈھیر پھول مل جائیں اور میں بھائی اور کشف پر نچھاور کردوں...... خوشیاں چاروں طرف بکھری تھیں اداسی کا موسم رخصت ہوگیا تھا۔ بھائی کے چہرے پر خوشیوں کا گلال بکھرا تھا وہ بار، بار کشف کو دیکھ رہے میں بڑے مطمئن انداز میں مہمانوں کو ریسیو کرنے چل دی۔

✿✿✿

منی ناول

ساحل

اسما اشرف منہاس

بارھواں اور آخری حصہ

digest library.com

واپسی کے راستوں پر دوڑتی جیپ کی رفتار معمول سے کہیں تیز تھی جس سے چلانے والے کی ذہنی کیفیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ اس نے بڑی تشویش سے ساتھ بیٹھے اس شخص کو دیکھا تھا جس کے ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے جیسے آج کے بعد کبھی نہیں بولے گا۔ اس کے چہرے پر مکمل اجنبیت تھی اور آنکھوں سے بیزاری جھلک رہی تھی۔ کچھ دنوں سے وہ اس کے ساتھ چھوٹے موٹے جملے بولنے لگا تھا اور وہ اسی میں خوش تھی۔ مگر آج تو یہ چند لفظوں کا تعلق بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے اس امید پر کئی دفعہ اس کی طرف دیکھا تھا کہ شاید وہ کچھ بولنا پسند کرے مگر ہر دفعہ اس کی نظریں مایوس لوٹی تھیں۔ وہ بھی ڈر کے مارے دم سادھے بیٹھی تھی۔ ویسے بھی آج وہ بہت اداس تھی۔

اب وہ تیزی سے آس پاس گزرتے مناظر کو دیکھ رہی تھی۔ آج اس کے دل پر کئی بوجھ تھے۔ خوش جمال سے نہ مل سکنے کا بوجھ (وہ اپنے شوہر کے ساتھ کراچی گئی

ہوئی تھی) اتنی حسین جنتوں کو چھوڑ کے جانے کا دکھ، جنتیں جو بقول خوش جمال کے گم گشتہ ہونے کو تھیں۔

شندور میں میلا شروع ہونے کے بعد اس پورے علاقے پر لوگوں کی پھینکی ہوئی غلاظت کی شکل میں جو عذاب نازل ہوا تھا اس نے اس جگہ سے ہی اس کا دل اچاٹ کر دیا تھا۔ خیمے سے باہر نکلنے کو اس کا دل ہی نہیں کرتا تھا اس حسین ترین جگہ پر پھیلی ہوئی گندگی اور غلاظت دیکھنے کی ہمت نہیں تھی اس میں۔ وہ بڑی افسردگی کے ساتھ ہر منظر پر آخری نظر ڈال رہی تھی کیونکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ دوبارہ اس طرف آئے گی یا نہیں اوز اگر آئے تو ہو سکتا ہے تب تک نیلے اور شفاف پانیوں والا دریائے غذر نالہ لئی بن چکا ہو اور اس پر لوگ تھیے لگائے سموسے پکوڑے تل رہے ہوں۔ کیونکہ بقول خوش جمال ہمارے ہاں دریاؤں، ندی نالوں کو پہلے گٹر اور پھر ان پر ڈھابے بنانے کا وسیع تجربہ ہے۔ ہم نے سمندر کو گٹر بنا دیا تو دریاؤں اور ندی نالوں کی بھلا کیا اوقات تھی۔

ہم سا ہو تو سامنے آئے

تاریخ گواہ ہے کہ بربادی وہ واحد کام ہے کہ اس میں یہ قوم کبھی ناکام نہیں ہوئی۔ آنے والے دنوں میں یہ بھی قوی امکان تھا کہ ان وادیوں میں باقی رہ جانے والے درخت کٹ چکے ہوں۔ سرخ گلابی پھولوں سے لدی جھاڑیوں میں شاپر، ریپر اور ییمپر پھنسے ہوں۔ جگہ، جگہ بے ڈھنگے ہوٹل اور ڈھابے بن چکے ہوں۔ خوش جمال نے بتایا تھا کہ دنیا کی حسین ترین بلندی بابوسر ٹاپ اب بسوں اور غلاظت کا اڈہ بن چکی ہے۔ ہم بلندیوں کا یہ حشر کر سکتے ہیں تو باقی جگہوں کو برباد کرنا تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ آدھا ملک تو ہم نے کچرا گھر بنا دیا ہے باقی کو بھی کوڑا گھر بنانے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ لوگوں کو بات ہی سمجھ نہیں آتی۔

اسے آج خوش جمال اور اس کی باتیں بہت یاد آ رہی تھیں۔ اس کا کہنا تھا کہ ”ان زمینوں تک جاہلوں کی

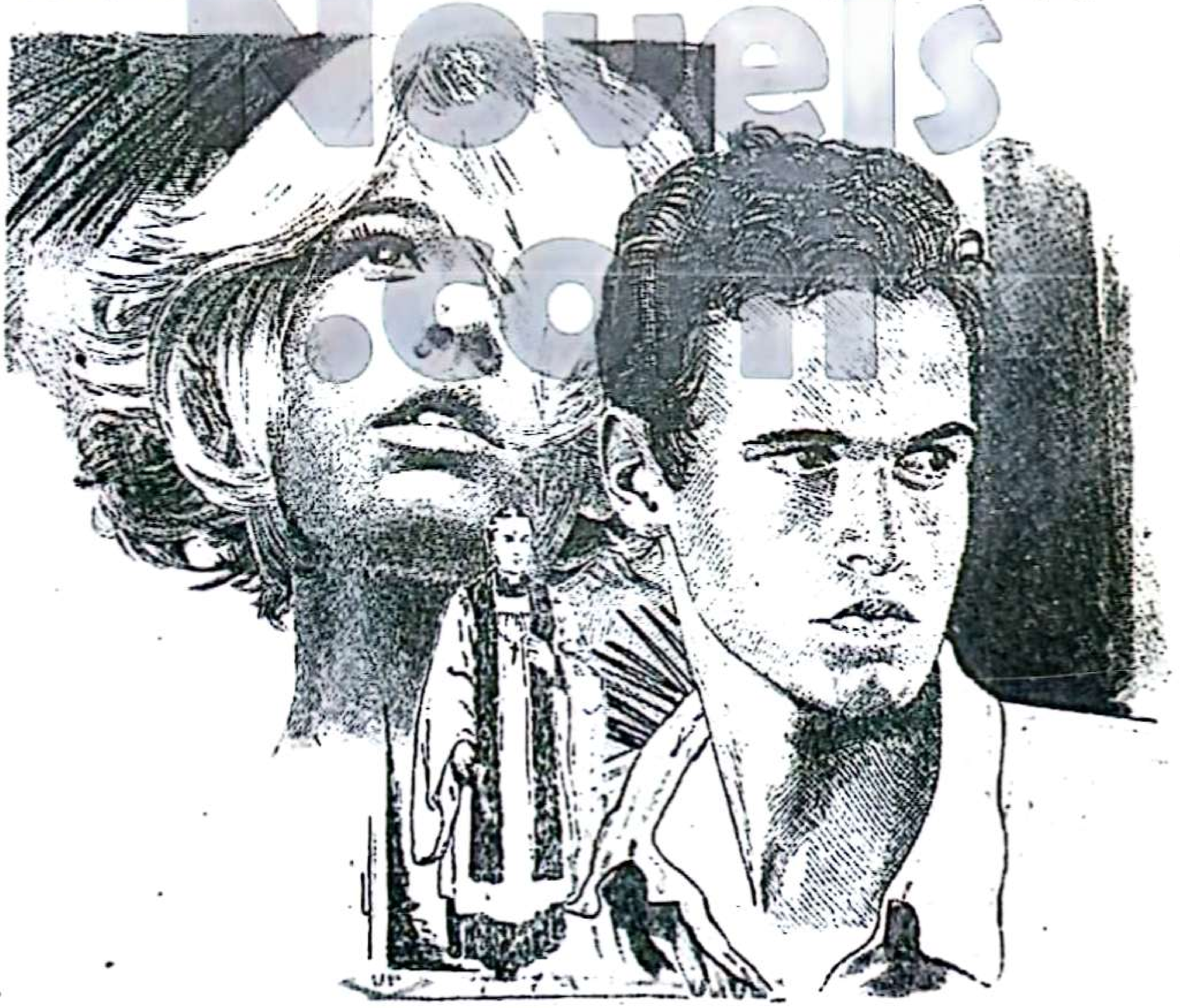

Digest Novels .com

رسائی ایسی ہی تھی جیسے بندروں کے ہاتھ بادشاہ کا تاج لگ گیا ہو۔ وہ کبھی ایک دوسرے کی طرف اچھال رہے ہیں کبھی ایک دوسرے پر پھینک رہے ہیں کبھی ایک پاؤں میں پہنتے ہیں تو کبھی دوسرے میں۔ انہیں نہ اس تاج کی قدر و قیمت کا پتا ہے اور نہ ہی استعمال کا۔''

''مگر اس ظلم کو آخر کون روکے گا؟'' ماہم نے بوجھل دل کے ساتھ جیسے خود سے ہی سوال کیا تھا۔ خوش جمال نے صحیح کہا تھا۔ صرف حکومت کا تو یہ کام نہیں تھا۔

اس نے چہرہ موڑ کر ایک بار پھر دائیں طرف بیٹھے اس ڈرائیور کو دیکھا تھا جو ہونٹ بھینچے چہرے پر انتہائی درجے کی سنجیدگی لیے گاڑی چلا رہا تھا۔ پہلے اس کا خیال تھا کہ اسے اردگرد کے معاملات سے کوئی دلچسپی ہے نہ ان کی خبر ہے۔ وہ بس اپنے غم میں مگن تھا لیکن کل رات جس طرح میلے کے منتظم کے ساتھ اس کی زوردار بحث ہوئی تھی۔ اس کے اثرات ابھی تک اس کے چہرے پر موجود تھے۔ اس نے عالی بخت کو کئی بار غصے میں دیکھا تھا مگر ایسے شدید غصے میں پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ میلے کا منتظم بار، بار اسے رکنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

''بھاڑ میں گیا تمہارا میلا جس میں قوم کی عزت اور غیرت نیلام ہو رہی ہے۔'' وہ پھنکارا تھا۔

''سنو......'' وہ جا رہا تھا مگر پھر جاتے، جاتے رک گیا تھا۔ ''کیا یہ ناچتی لڑکیاں تمہارے خاندان کی ہیں؟''

''اب آپ خاندان تک تو نہ جائیں ناں۔'' عالی بخت کی بات پر منتظم کی غیرت کچھ مصنوعی سی لگ رہی تھی۔

''اپنے خاندان کی تو بڑی فکر ہے تمہیں لیکن یہ عورتیں جن کو تم نچا رہے ہو یہ کسی کا خاندان نہیں ہے؟'' اچانک منتظم کو کسی نے آواز دے کر بلا لیا تھا یوں اس کی جان چھوٹی تھی مگر عالی بخت غصے میں نہ جانے کون، کون سے کیڑے مکوڑوں کو پیروں تلے روندتا خیمے میں واپس آیا تھا۔

ماہم اس کے غصے سے اس قدر سہم گئی تھی کہ اس سے پہلے ہی دوڑ کر خیمے میں جا چھپی تھی۔ اس کے بعد عالی بخت اور میلے کے منتظم کے بیچ کیا اور کیسی گفتگو ہوئی وہ نہیں جانتی تھی۔

☆☆☆

''لارین نے خودکشی کرلی۔'' ثبات بھائی کہہ کر ایسے خاموش ہوئے تھے جیسے آج کے بعد دوبارہ کبھی نہیں بولیں گے۔ صرف انہیں ہی نہیں بلکہ لاؤنج میں موجود ہر شخص کو چپ لگ گئی تھی۔ وقت جیسے رک گیا تھا۔ ''لارین نے خودکشی کرلی'' یہ ایک جملہ ان کی عقل، ذہانت، قابلیت ہر صلاحیت کو مات دے گیا تھا۔ سب کے دماغ ماؤف ہوگئے تھے۔ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر۔ بھابی کے ہاتھ سے چائے کا کپ نیچے گر گیا تھا۔ وہ جو بہت صفائی پسند تھیں۔ آج نہ کپ کے ٹوٹے ٹکڑے اٹھانے کے لیے دوڑی تھیں اور نہ چائے کا داغ صاف کرنے کے لیے۔ بابا تھکے ہوئے انداز میں بیٹھ گئے تھے اور امی نے سر ہاتھوں پر گرا دیا تھا اور آپی کے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ خاموش، اداس لڑکی یوں اچانک خاموشی سے سب کی زندگی سے نکل جائے گی۔

اور وہ...... وہ جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ اس کا دماغ سن تھا، کوئی بھی ردعمل دکھانے سے قاصر۔ اگر کوئی خاموش تھا تو وہ صرف فرات تھا۔ کانوں تک پہنچنے والی ہر آواز اس کو اپنے اعصاب پر کوڑے کی طرح لگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ پہلے چند لمحوں کی حواس باختگی کے بعد اب سب کی نظریں اس کی طرف لگی تھیں۔

''ثبات پولیس کیا کہہ رہی تھی؟'' بڑی دیر کی خاموشی کے بعد آخرکار آپی نے ہی پوچھنے کی ہمت کی تھی۔

''ہوسکتا ہے یہ خبر غلط ہو۔ لارین ایک سمجھدار لڑکی تھی۔ وہ جان بوجھ کر خودکشی کیوں کرے گی؟''

''پولیس کو یہی بتایا گیا ہے۔'' ثبات بہت آہستہ آواز میں بولے تھے جیسے کسی کے سن لینے کا ڈر ہو۔

''کہ اس نے خودکشی کی ہے یا پھر شاید غلطی سے نیند کی دوا کی اوورڈوز کھالی ہے۔''

اسے میگرین کی تکلیف تھی۔ فرات جانتا تھا کہ وہ شدید درد کی حالت میں نیند کی دوا سونے کے لیے

digest library.com

استعمال کرتی ہے اور ایک عرصے سے استعمال کر رہی تھی۔ لیکن آج اچانک وہ اتنی بے خبر کیسے ہوگئی کہ اس نے غلطی سے اتنی زیادہ تعداد میں گولیاں کھالیں۔ یہ دوا وہ پہلی بار تو استعمال نہیں کر رہی تھی۔ پھر اس سے یہ غلطی کیسے ہوسکتی ہے؟

سب پہلے جھٹکے سے اب سنبھل چکے تھے اس لیے ہر کوئی کچھ نہ کچھ بول رہا تھا۔

”اگر پولیس کو سب کچھ معلوم ہوگیا ہے تو پھر ہم سے تفتیش کا کیا مقصد ہے، کہیں پادری جان بوجھ کر ہمیں اس معاملے میں پھنسانے کی کوشش تو نہیں کر رہا؟“ بھابی نے فکرمندی سے سوال کیا تھا۔

”ہمارا اس بات سے تعلق تو کوئی نہیں ہے۔“ ثبات بھائی نے فرات سے نظریں چرائی تھیں۔

”یہ تو بس معمول کی کارروائی تھی کہ اگر کسی کو اس معاملے میں کوئی شک ہو یا کسی نے کوئی غیر معمولی چیز دیکھی ہو تو بتا دے۔ اسی لیے پولیس آس پاس رہنے والے سب لوگوں سے وہ مختلف قسم کے سوال کر رہی ہے۔“

سب کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے مگر فرات سے مسلسل نظریں چرا رہے تھے۔ جس کا چہرہ دم بہ دم سرخ پڑتا جا رہا تھا اس کے ماتھے کے بیچوں بیچ ایک رگ ابھر آئی تھی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں دیکھی تھی اور اس کی ذہنی کیفیت کا پتا دے رہی تھی۔ وہ کچھ بھی نہیں بولا تھا اور یہی چیز سب کو کھائے جا رہی تھی۔ سب منتظر تھے وہ کچھ تو کہے۔

”لارین نے خودکشی کرلی۔“ یہ ایک جملہ اسے آس پاس سے بے نیاز کر گیا تھا۔ وہ جیسے وہاں تھا ہی نہیں۔ اس کی نظریں داخلی دروازے پر جمی تھیں۔ اور اس دروازے پر اسے لارین کی پہلی دستک سنائی دے رہی تھی۔ جب وہ پہلی مرتبہ ان کے گھر آئی تھی۔ وہ سفید فراک میں ملبوس تھی۔ اس کے ہاتھ میں سیڈ کیک تھا اور چہرے پر شرمیلی مسکراہٹ۔ اس دن سے لے کر آج تک وہ اس کی زندگی میں کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی طرح موجود تھی۔ فرات نہیں جانتا تھا کہ ان گزرے سالوں میں اسے لارین کی کتنی عادت ہوگئی تھی۔ اس کے مسئلے حل کرنا، روتی ہوئی لارین کو ہنسانا، اسے تسلی دینا، اس کا محافظ بنے رہنا، اس کا خیال رکھنا۔ یہ سارے کام وہ برسوں سے غیر محسوس انداز میں کرتا آرہا تھا۔ اور پھر جب اسے اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی اس نے لارین اور اس کے معاملات دوسروں کے ہاتھ میں دے دیے۔ وہ دوسرے جنہوں نے اسے ایک ہی رات میں قبر میں پہنچا دیا۔ اس نے بڑی اجنبی نظروں سے لارین کے خون کے ذمے دار اپنے ان خون کے رشتوں کو دیکھا تھا۔ لارین کا قتل ہوا تھا اور قاتل کوئی ایک نہیں تھا بلکہ اس قتل میں لارین کا خاندان، اس کا اپنا خاندان حتیٰ کہ وہ خود بھی شامل تھا بلکہ اصل قاتل تو وہی تھا، لارین کا قاتل، اس کے اعتماد اور بھروسے کا قاتل، اس کے ایمان کا قاتل اور اپنے وعدوں کا قاتل۔

وہ اس کی حفاظت نہیں کر پایا تھا، اس کے راز کی حفاظت نہیں کر پایا۔ وہ اسے بچا نہیں سکا تھا۔ اس کے سارے وعدے جھوٹے نکلے تھے۔ وہ بھی انہی عام لڑکوں میں سے ایک تھا جو معصوم لڑکیوں کو ورغلا کر ان کے ساتھ جھوٹے وعدے کر کے ان کی عزت یا پھر ان کی جان کا قاتل کر دیتے ہیں۔ یہ تھی اس کی حقیقت۔ اس نے لارین کو شادی کے نام پر دھوکا دیا تھا۔

”میں آخری شخص ہوں جس سے تمہیں کوئی خطرہ ہوسکتا ہے۔“ اس نے بڑے اعتماد سے کہا تھا لیکن سچ یہ تھا کہ اسے دھوکا دینے والا وہ آخری... نہیں بلکہ پہلا شخص بھی وہ ہی تھا۔

اچانک وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

”فرات کہاں جا رہے ہو؟“ ثبات بھائی اس کے پیچھے آئے تھے۔ مگر وہ انہیں کوئی جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ دراصل گھر کے کسی بھی فرد سے کوئی بھی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”لارین کے گھر جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔“ انہوں نے دروازے کے ہینڈل پر جمے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ ”پادری اس وقت پولیس اسٹیشن میں ہے۔ اور لارین کی......“ اگلا لفظ کہنے سے پہلے وہ کچھ

جھجکے تھے۔ ”لارین کی میت پولیس کی تحویل میں ہے شاید اس کا پوسٹ مارٹم ہوگا۔“ ان کی آواز سرگوشی سے کچھ ہی بلند تھی۔

”اس لیے کہیں بھی جانے کا کچھ فائدہ نہیں۔“ وہ اب اس کے بازو پر ہاتھ رکھے مسلسل اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسے گلے لگائیں لیکن اس کی نظروں میں اجنبیت، بیگانگی اور اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ خواہش کے باوجود ہمت نہیں کر سکے تھے۔

”فرات یہاں آکر بیٹھو۔“ بابا قریب آکر بولے تھے۔ ”مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔“ ان کے چہرے پر انتہائی درجے کی سنجیدگی تھی اور وہ مسلسل اس پر نظریں جمائے ہوئے تھے پھر انہوں نے دیکھا اس نے دروازے کا ہینڈل چھوڑ دیا تھا۔ وہ رک گیا تھا۔

سب نے دل ہی دل میں اسے واپس آتے دیکھ کر سکھ کی سانس لی تھی ورنہ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ جس ذہنی کیفیت میں ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ ایسا کرے گا جس سے پادری کو بھڑکنے اور بیٹی کی موت کا الزام فرات پر لگانے کا موقع ملے گا۔ اور اگر میڈیا پر ایک دفعہ یہ بات آگئی تو پھر اس پورے خاندان کا جینا حرام ہو جائے گا۔ پادری کو تو مسلمانوں اور خاص طور پر اس خاندان کو بدنام کرنے اور یہاں سے نکلوانے کا موقع چاہیے تھا۔ وہ اس قدر گھٹیا شخص تھا کہ بیٹی کی موت کو بھی اپنے فائدے کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔

”ہم سب کو لارین کی موت کا بہت افسوس ہے۔“ بابا گلا کھنکھارتے ہوئے بولے تھے۔

”شاید تمہیں لگ رہا ہوگا کہ یہ سب کچھ ہماری وجہ سے ہوا۔ اگر لارین نے خودکشی کی ہے تب بھی اور اگر اسے قتل کیا گیا ہے تب بھی۔ لیکن درحقیقت ہماری ایسی کوئی نیت، کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ہم اگر پادری کے پاس گئے تو اچھی نیت اور اچھے ارادے کے ساتھ گئے تھے۔ ہم یہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ لارین کو یا تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ ٹھیک ہے ہم نے اس شادی کی مخالفت کی تھی لیکن پھر تمہاری ضد کو دیکھتے ہوئے ہم نے پادری سے بات کی تھی کیونکہ تم لوگوں نے بھاگ کر تو شادی کرنی نہیں تھی۔ یہاں معاشرے کا جو بھی طریقہ ہو مگر ہمارا یہ طریقہ نہیں۔ ہمیں تو اپنے رسم و رواج کے مطابق درست طریقے سے یہ شادی طے کرنا تھی اور درست طریقہ یہی تھا کہ ہم پادری کے پاس جا کر رشتہ مانگتے اور ہم نے یہی کیا۔ لیکن اس کا نتیجہ ہماری توقعات کے برعکس نکلا تو اس میں ہمارا کیا قصور؟“ بابا جب تک بولتے رہے تھے ثبات بھائی بہت خاموشی کے ساتھ فرات کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کرتے رہے تھے کہ بابا کی بات کا اس پر کس حد تک اثر ہوا ہے۔

کچھ ہی دن پہلے جب وہ اسے اپنے ارادے سے روکنے اور پیش آنے والے خطرات کا احساس دلانے کی کوشش کر رہے تھے تب اس نے کہا تھا۔

”آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شادی کے بعد میں اور لارین یہاں نہیں رہیں گے، پاکستان چلے جائیں گے۔“

”اور جیسے وہاں تو لوگ پھولوں کے ہار لے کر تمہارے استقبال کے لیے کھڑے ہوں گے ناں۔“ وہ جھنجلا کر بولے تھے۔

”تمہیں شاید معلوم نہیں یا شاید معلوم ہے لیکن تم عشق میں اندھے ہو گئے ہو اس لیے جان بوجھ کر اس بات کو نظر انداز کر رہے ہو۔ پوری دنیا کی طرح پاکستان میں بھی اس بدبخت پادری کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں اور ان مظاہروں میں کئی لوگ جان سے بھی گئے ہیں۔ لوگ سخت غصے میں ہیں۔ تمہارے پیچھے، پیچھے یہ خبر بھی وہاں ضرور پہنچے گی کہ لارین اسی بدبخت پادری کی بیٹی ہے۔ لوگوں کو غصہ نکالنے کے لیے موقع کی تلاش ہے۔ یہ نہ ہو تم ان کے غصے اور نفرت کا شکار ہو جاؤ۔“ لیکن اسے سمجھانے کی ساری کوشش بیکار گئی تھی۔ اسی لیے انہوں نے پاکستان سے امی، بابا کو بلوا لیا تھا کیونکہ اس لڑکے کو پیش آنے والے حالات کی سنگینی کا ذرا بھی احساس نہیں تھا۔

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ خودکشی والی بات درست ہو۔" بابا کے خاموش ہوجانے کے بعد ثبات بھائی بولے تھے۔

"اس کے گھر کے حالات ہمیشہ سے خراب تھے، ماں نیم پاگل ہے، باپ مذہبی جنونی اور پھر اس کا خوفناک سر درد۔ ایسے حالات میں انسان مایوس ہو ہی جاتا ہے اور پھر مایوسی میں ایسے قدم اٹھالیتا ہے۔" ایک اندازہ انہوں نے بھی لگانے کی کوشش کی تھی۔

"آپ کو اگر یہ لگتا ہے کہ آپ سب کا لارین کی موت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔" وہ جیسے دیوار سے بات کر رہا تھا۔ اس کے لیے آس پاس موجود ہر چہرہ اجنبی اور پرایا ہو چکا تھا۔

"یہ ساری دلیلیں اپنے پاس سنبھال کر رکھیں کیونکہ آنے والے دنوں میں جب آپ سب کو آپ کا احساسِ جرم تنگ کرے گا تب یہ دلیلیں آپ کے کام آئیں گی۔ اگر آپ نے اس کی مخبری نہ کی ہوتی تو وہ آج زندہ ہوتی۔ اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیے گا۔ آپ سب کے ہاتھوں پر لارین کا خون ہے، ایک بے بس مسلمان لڑکی کا خون جس نے ہم مسلمانوں پر بھروسا کرنے کی غلطی کی تھی۔ اس خون کا رنگ آپ کے ہاتھوں پر ہمیشہ تازہ رہے گا۔ آپ کے دلوں میں احساسِ جرم ہمیشہ زندہ رہے گا۔" شدتِ جذبات سے اس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھ سے ایک آنسو نہیں ٹپکا تھا مگر پھر بھی اس کی آنکھیں بہت سرخ تھیں۔ اب وہ بالکل چپ تھا۔

لارین کے ساتھ اس کا کیا تعلق تھا اس کے گھر کے لوگ سمجھ ہی نہیں پائے تھے۔ لارین کی موت اور اس کی حالت دیکھ کر انہیں اب اندازہ ہو رہا تھا کہ لارین سے شادی کے فیصلے میں اس کے جذبات شامل تھے۔ وہ جذبات جن کی خبر اس نے آج تک کسی کو نہیں ہونے دی تھی حتیٰ کہ لارین کو بھی نہیں۔ اس کا خیال تھا کہ ان خوب صورت جذبات کا اظہار کسی جائز رشتے کے تحت ہی ممکن ہے۔ ان کا حسن، ان کی خوب صورتی اسی بات میں پوشیدہ ہے کہ سننے والے پر کوئی حق حاصل ہو۔ یہ راہ چلتے کہنے والی باتیں ہرگز نہیں تھیں۔

"ہم نے تمہیں فیصلہ کرنے کے لیے پوری آزادی دی تھی۔" بابا نے خود کو اور خاندان کو ہر الزام سے بری کروانے کے لیے ایک اور دلیل دی تھی۔

"لیکن تمہیں بھی ہماری دی ہوئی آزادی اور بھروسے کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ ہمارے دیے ہوئے اعتماد اور آزادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ تم تباہی کا سودا کرو۔ صرف اپنے لیے نہیں بلکہ پورے خاندان کے لیے بھی اور دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی۔"

"اچھا اب اس بات کو چھوڑ دیں۔" امی کو بابا کے لہجے کی سختی بہت کھلی تھی۔ اس لیے انہوں نے فوراً مداخلت کی۔ ان کی نظریں مسلسل بیٹے کے چہرے پر جمی تھیں۔ اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ ان کے دل کی دھڑکن بے ترتیب کر رہا تھا۔ صرف وہی نہیں بلکہ سبھی اسے چپکے، چپکے دیکھ رہے تھے۔ وہ رویا نہیں تھا مگر اس کی آنکھیں متورم تھیں۔ کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز، ہونٹ بھینچے ہوئے، دانت پر دانت جمائے وہ ضبط کی نہ جانے کن منزلوں سے گزر رہا تھا۔ انہیں یہ توقع تو نہیں تھی کہ وہ چیخے چلائے گا یا بدتمیزی کرے گا لیکن پھر بھی اس کی طرف سے سب تشویش میں مبتلا تھے۔ کاش وہ رو لیتا۔ تھوڑا سا تو رو لیتا۔ چیختا چلاتا، ہنگامہ کرتا۔ اس کا غم اور غصہ ٹھنڈا ہو جاتا۔ اس کے خاندان کا احساسِ جرم کچھ کم ہو جاتا مگر وہ تو ساری اذیت، سارا غم چپ چاپ پی گیا تھا۔ اس کے ماتھے کے عین درمیان ابھری رگ اور ابھر آئی تھی۔ مسلسل پھڑک، پھڑک کر اس کے دل و دماغ میں برپا قیامت کی خبر دے رہی تھی۔

☆☆☆

جوں، جوں وقت گزرتا جا رہا تھا اس کے احساسِ جرم میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ لارین نے خودکشی نہیں کی تھی۔ خودکشی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے قتل کیا گیا تھا اور یہ کارنامہ فرات اور اس کے خاندان کے ساتھ، ساتھ اس کے

باپ اور بھائیوں کا تھا۔ اس کا قبول اسلام اور ایک مسلمان سے شادی ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ اس لیے انہوں نے اسے مار ڈالنا بہتر سمجھا۔ اگر لارین کی شادی فرات سے نہ بھی ہوتی تب بھی اس کا زندہ رہنا نہایت خطرناک تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ باتیں جان گئی تھی۔ پادری کے مشن کے لیے لارین کی زندگی اور اس کا اسلام انتہائی مہلک ثابت ہو سکتے تھے۔ اور وہ اپنے مذموم مقاصد کی راہ میں کسی کو بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا چاہے وہ اس کی بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔

لارین کے قتل کے حوالے سے پولیس رپورٹ آچکی تھی اور اس رپورٹ کے مطابق اس کی موت کو خودکشی قرار دیا گیا تھا یا پھر وہ اپنی ہی کسی غلطی کی وجہ سے موت کے منہ میں چلی گئی تھی۔ اس کے ڈاکٹر نے پولیس کو بتایا تھا کہ لارین کی موت میں نیند کی وہی دوا استعمال ہوئی تھی جو اس نے لکھ کر دی تھی۔ عین ممکن تھا کہ اس نے شدید سر درد کی کیفیت میں غلطی سے دوا کی زیادہ مقدار کھا لی ہو کیونکہ کچھ لوگوں کو شدید درد کی حالت میں آنکھوں سے دکھائی دینا بند ہو جاتا ہے اور کچھ کا تو دماغ بھی کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ ایسی صورت میں اس طرح کے حادثات کا ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔

لارین کی موت کو خودکشی قرار دینے اور اس کے خاندان کو الزام سے بری ہونے کے لیے جن ثبوتوں کی ضرورت تھی وہ سب مل چکے تھے۔ اب وہ شور مچاتا بھی تو اس کی کون سنتا۔ اس لیے اس کی موت کو خودکشی قرار دے کر لارین کی فائل بند کر دی گئی تھی۔

لیکن فرات کے لیے یہ فائل بند نہیں ہوئی تھی بلکہ اب کھلی تھی اور ہمیشہ کھلی ہی رہنی تھی۔ وہ اپنے خاندان کی دی ہوئی دلیلوں، تسلیوں اور غم گساری سے بہت دور جا چکا تھا۔ اب وہ تھا اور اس کا احساسِ جرم تھا، اس کے پچھتاوے تھے، لارین سے بچھڑ جانے کا غم تھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا اس کا کمرا لارین کی یادوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسے یاد آیا ایک دن آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے خود کو دیکھا تھا۔ تب اسے خود پر رشک آیا تھا۔ اس کی شکل صورت میں قدرت نے کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ پھر اسے لارین کا خیال آیا تھا جسے اس نے اپنے لیے چنا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بلاشبہ اس نے اپنے لیے بہترین لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔ وہ لڑکی جسے شیطان جب گناہ کی ترغیب دے تو اللہ کی آیتیں اس کے اٹھتے قدم روک دیں۔ جس کا ایمان تازہ ہو، خالص ہو جو اُن معصوم، بھولی بھالی عورتوں کی طرح ہو جن کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا ہے۔ تب پھر دوسری بار اسے خود پر رشک آیا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ لارین جیسی لڑکی اس کی زندگی میں آنے والی تھی۔ جس کا ایمان خالص تھا ہر قسم کی منافقت اور ریاکاری سے پاک۔

مگر اس کی خوشیوں کی عمر بہت تھوڑی تھی۔ شاید وہ لارین کے قابل نہیں تھا۔ اس کا پورا خاندان اس کے قابل نہیں تھا۔ ایک بار پھر پچھتاوؤں اور احساسِ جرم نے اسے گھیر لیا تھا۔ وہ اس رات کیوں سوتا رہ گیا۔ وہ لارین کے گھر جا سکتا تھا۔ اسے بچا سکتا تھا۔ کم از کم پولیس کو بتا سکتا تھا۔ وہ پادری کی خصلتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسے نہ کسی انسان پر رحم آتا تھا نہ جانور پر۔ اپنا ہو یا پرایا خون کا رشتہ ہو یا غیر وہ سب کے لیے ایک جیسا بے رحم اور بے حس تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا کچھ بھی تو نہیں۔ اسے بس ایک بات معلوم تھی کہ لارین بہت دور جا چکی تھی اور اس کی زندگی چاروں طرف ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی تھی۔ ہاتھ سے نکل گئی تھی۔

امی اس کے کمرے میں بیٹھی بہت دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی تھیں۔ اس کا دل بہلانے، اس کا غم کم کرنے کی کوشش کرتی رہی تھیں۔ مگر وہ جیسے ان کی کوئی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے ان کی بہت ساری باتوں کے جواب میں بس ایک ہی بات کہی تھی۔

''میرا دل اجڑ گیا ہے اور اب دوبارہ کبھی نہیں بسے گا۔'' اتنا کہہ کر اس نے کروٹ بدل لی تھی۔

☆☆☆

''تم کہیں نہیں جاؤ گے۔'' اس نے دروازے کی

digest library.com

طرف بڑھتے ہوئے بابا کی بلند اور تنبیہی آواز سنی تھی۔ جملہ ایک ہی تھا مگر فیصلہ کن تھا۔ وہ باپ سے بے تکلف نہیں تھا اور اس کی وجہ ان کی رعب دار اور فیصلہ کن شخصیت تھی جس سے ان کے سارے ہی بچے خائف تھے۔

مقامی چرچ میں لارین کی آخری رسومات ادا کی جا رہی تھیں۔ آج اس کو دفنایا جانا تھا۔ اور وہ ایک بار پھر جانے کو تیار تھا مگر گھر کے سب لوگ اس کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ امی مسلسل رو رہی تھیں۔

''ہم تمہیں نہیں جانے دے سکتے۔ صرف تمہیں...... صرف تمہیں بچانے کے لیے ہم نے ہمیشہ کے لیے اتنا بڑا احساسِ جرم کما لیا ہے۔ ہم نے اپنے دل کا سکون ہمیشہ کے لیے کھو دیا ہے مگر اب تمہیں کسی صورت کھونا نہیں چاہتے۔'' امی بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس کے راستے کی دیوار بنی کھڑی تھیں۔

''اب تو وہ مرگئی ہے اب تو مجھے جانے دیں۔'' وہ عجیب بے بسی اور تکلیف سے کہہ رہا تھا۔

''اب آپ کو اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مجھے ایک آخری وعدہ تو نبھا لینے دیں۔ کوئی ایک وعدہ تو پورا کرنے دیں۔ مجھے میری ہی نظروں سے اتنا مت گرائیں کہ میں کبھی اپنا سامنا نہ کرسکوں۔''

''نہیں۔'' انہوں نے اور مضبوطی سے اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔ ''ہم پہلے ہی پچھتاوؤں کی آگ میں جل رہے ہیں۔ ہم پر رحم کرو۔'' اس کے بازو پر رکھے اُن کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور ان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے اپنا ارادہ ملتوی نہ کیا تو کوئی بھی دوسرا حادثہ پیش آسکتا ہے۔

''تمہیں پتا ہے ناں وہ پادری اپنی خبیث حرکتوں کی وجہ سے کتنا مشہور ہے۔ قبرستان میں اس وقت ساری دنیا کا میڈیا ہوگا اور تم اگر وہاں گئے کچھ کہا یا وہ پادری ہی کسی خباثت پر اتر آیا تو تم ساری دنیا کے شیطانوں کی نظروں میں آجاؤ گے۔ ہم تمہیں کسی مصیبت میں پھنسے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔'' پورا خاندان طرح طرح کی دلیلیں دے کر اسے روکنے، سمجھانے میں لگا ہوا تھا۔ اور وہ شکست خوردہ، بے بس کھڑا تھا۔ آج سے پہلے اس نے کبھی خود کو اس قدر لاچار اور شکست خوردہ محسوس نہیں کیا تھا۔ اسے روکنے کے لیے صدیوں پرانے طریقے اپنائے گئے تھے جو آج بھی اتنے ہی مفید اور کارآمد تھے جتنے کہ نسلوں پہلے۔ وہ تھکے قدموں سے سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے میں واپس آگیا تھا۔

''تم نے ایک غلط شخص پر اعتبار کیا لارین۔'' وہ ہارے ہوئے شخص کی طرح دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھا۔

''تم مجھے کیوں نہ پہچان سکیں۔ میں تو ایک بالکل بیکار آدمی نکلا۔ اگر تم نے مجھے پہچان لیا ہوتا تو آج تم زندہ ہوتیں۔ میں تمہاری حفاظت نہیں کرسکا، تمہیں بچا نہیں سکا۔ میری ساری صلاحیتیں، میری ساری قابلیتیں، میری عقل مندی سب دکھاوے کی نکلیں۔ درحقیقت میں ایک مجبور اور بے بس انسان ہوں جو اپنے ہی گھر میں جنگ ہار گیا۔'' اس نے زور سے اپنی آنکھیں بھینچ لی تھیں۔

گھر کے بھی لوگ افسردہ تھے۔ کسی نے نہیں سوچا تھا کہ ان کے ایک چھوٹے سے قدم کا یہ نتیجہ نکلے گا۔ لارین کا باپ اپنے پاگل پن میں اپنی بیٹی کو کھا جائے گا۔ اس کی موت ساتھ والے گھر میں ہوئی تھی مگر صفِ ماتم اس گھر میں بچھی ہوئی تھی۔ فرات سوچ رہا تھا وہ جب کبھی ان کے گھر آتی اور آپی اسے کوئی نئی چیز کھانے کے لیے دیتیں تو وہ شرما جاتی۔ کسی سے دل کی بات کہنا، کچھ مانگنا، کچھ بتانا اس کے لیے سارے ہی مشکل ترین مراحل تھے۔ جب وہ مسکراتی تھی تو یوں لگتا تھا جیسے اس کے چہرے پر ہزاروں چراغ جل اٹھے ہوں۔ اس کی مسکراہٹ میں کوئی عجیب جادو سا تھا کہ اس کا پورا چہرہ روشن ہو جاتا تھا۔ اسے یاد آرہا تھا وہ بچپن میں کس طرح دبے پاؤں ان کے گھر آتی تھی اور شرمیلی آواز میں پوچھتی تھی ''میں اندر آجاؤں'' آج اسی طرح دبے پاؤں خاموشی کے ساتھ وہ واپس چلی گئی تھی اس کی زندگی سے، اس گھر سے، اس دنیا سے دور بہت دور۔

اب اسے کسی کے آنسو واپس نہیں لا سکتے تھے کبھی نہیں لا سکتے تھے۔ وہ آزاد ہو چکی تھی۔

سکون پایا ہے بے کسی نے
حدودِ غم سے نکل گیا ہوں

☆☆☆

وہ گھر نہیں گئے تھے بلکہ سیدھے اس اسپتال آئے تھے۔ جہاں حادثے کا شکار ہونے کے بعد باجی کا بیٹا لایا گیا تھا۔ اسپتال آتے ہی عالی بخت ڈاکٹروں سے بات کرنے چلا گیا تھا جبکہ وہ باجی کے ساتھ باہر کھڑی تھی۔

''شکر ہے زیادہ نقصان نہیں ہوا۔'' باجی شیشے کے پار بیٹے کو دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

''پہلے تو ہم ڈر ہی گئے تھے اس کا خون بہت بہہ رہا تھا لیکن اب اللہ کا شکر ہے یہ کافی بہتر ہے۔'' ان کے لہجے میں اطمینان تھا۔

دو دن بعد اس کی حالت مزید بہتر ہو گئی تھی تب وہ بہت اصرار کر کے باجی کو گھر لے آئی تھی ورنہ اس سے پہلے تو وہ اسپتال میں ہی زیادہ وقت گزارتی تھیں۔

گھر ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ اس نے واپس آ کر حسبِ معمول پورے گھر کی صفائی کی تھی۔ صفائی کے دوران اس نے دیکھا لائبریری میں ''چلتا مسافر'' وہیں رکھی تھی۔ اپنی مخصوص جگہ یعنی عین درمیان میں پڑی میز کے اوپر اور کتاب کے اندر اندیشے جگاتی، خوف بڑھاتی وہ تصویر بھی اسی طرح پڑی ہوئی تھی۔ اس نے غیر ارادی طور پر سیکڑوں بار دیکھی ہوئی تصویر ایک دفعہ پھر دیکھنا شروع کر دی تھی۔ اسے ابھی تک سمجھ نہیں آیا تھا کہ یہ تصویر اسے کون سی کہانی سنانا چاہتی ہے۔

واپس آنے کے بعد عالی بخت کے وہی پرانے انداز تھے وہ آفس جانے سے پہلے اسپتال بھانجے کو دیکھنے جاتا تھا اور پھر اس کے بعد کہیں رات گئے گھر واپس آتا تھا۔ باجی اس کے ساتھ ہی صبح اسپتال چلی جاتی تھیں اور شام کو ان کے شوہر انہیں گھر پر چھوڑ دیتے تھے۔

آج شام وہ جلدی گھر واپس آ گیا تھا۔ باجی بھی کچھ دیر پہلے ہی اسپتال سے آئی تھیں۔ انہوں نے اسے دیکھتے ہی اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر ماہم نے دیکھا اس کا چہرہ غیر معمولی طور پر سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں، اس کی آنکھیں بہن پر جمی تھیں اور ان میں اجنبیت، بیزاری کے علاوہ کوئی الزام بھی تھا۔ کوئی شکایت تھی جو اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔

''کھانا تیار ہے۔'' وہ آگے بڑھ کر بولی تھی مگر وہ کوئی جواب دیے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ دھپ، زور سے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ ماہم مسلسل فکر مندی سے اس کے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی مگر دروازہ بند تھا اس کے دل کی طرح۔ شاید اس کی طبیعت خراب تھی اسی لیے تھوڑی دیر بعد جب وہ قہوہ دینے اس کے کمرے میں گئی تو وہ سو رہا تھا اور اس کا سونا بھی کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی سرخی کچھ اور بڑھ چکی تھی۔ وہ سائڈ ٹیبل پر چپ چاپ قہوہ رکھ کر پریشانی کے عالم میں باہر نکل آئی تھی کیونکہ جگانے کی ہمت نہیں تھی۔ صبح تو وہ بالکل ٹھیک تھا پھر اچانک اسے کیا ہو گیا جو وہ اس حال کو پہنچ گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسے دیکھنے کے لیے دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے الجھے بکھرے بال اس کی کشادہ پیشانی پر تھے۔ اب تو صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اسے شدید بخار ہے۔ صبح تک اس کے بخار میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اب تو وہ نیم بے ہوشی کی سی کیفیت میں تھا۔ اس نے ناشتے کے لیے کئی آوازیں دی تھیں مگر اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسپتال چلتے ہیں۔'' اسے جب ذرا ہوش آیا تھا تو وہ بولی تھی۔

''نہیں، میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے اتنا کہہ کر کروٹ بدل لی تھی۔ لیکن وہ ٹھیک نہیں تھا۔ باجی نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے ڈاکٹر کو گھر پر بلا لیا تھا۔ جس کی باتوں نے انہیں اور خوفزدہ کر دیا تھا۔ بقول اس کے اس کا بخار کسی ذہنی دباؤ کا نتیجہ لگ رہا تھا۔ اس بات پر دونوں

نے ایک دوسرے کو چونک کر دیکھا تھا۔ کیسا ذہنی دباؤ......؟ وہ کچھ بتاتا بھی تو نہیں تھا۔ اسی لیے وہ دونوں خود ہی اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اب تو دو دن ہو چکے تھے اور وہ دونوں سے ایک ہی کیفیت میں تھا۔ نیم بے ہوش، اس کا بخار کسی طرح کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ آج تو اسے ڈرپ لگی ہوئی تھی اور ڈاکٹر کا کہنا تھا اگر آج بھی اس کا بخار کم نہ ہوا تو پھر اسے اسپتال لے جانا ضروری ہے۔ باجی اس کی وجہ سے اسپتال بھی نہیں گئی تھیں۔ ماہم نے کھانا پینا چھوڑ رکھا تھا۔

''یا اللہ اسے ٹھیک کر دے۔'' ہر نماز کے بعد وہ گڑگڑا کر بس ایک ہی دعا مانگے جا رہی تھی۔ اس کی بس ایک ہی خواہش تھی وہ جلدی سے پہلے جیسا ہو جائے چاہے اس سے بات نہ کرے۔ اس کی طرف نہ دیکھے بے شک گھر بھی نہ آئے مگر کسی طرح ٹھیک ہو جائے۔ پھر شاید اس کی دعائیں قبول ہو گئی تھیں کیونکہ شام تک اس کا بخار کافی حد تک کم ہو چکا تھا۔ اس نے سکھ کی سانس لی۔ اب وہ واقعی سو رہا تھا۔ وہ کمرے سے باہر جانا نہیں چاہتی تھی مگر پھر اس کے آرام کے خیال سے وہ باجی کے ساتھ باہر آ گئی تھی۔

☆☆☆

بارش تڑ تڑ برس رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے آج آخری بار برس رہی ہے اور اس کے بعد کبھی نہیں برسے گی۔ ثبات بھائی جلدی، جلدی سامان گاڑی کی ڈگی میں رکھنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ برستی بارش میں بھیگنے سے بچ جائیں۔ پرواز کا وقت قریب تھا۔ اندر سب ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ مگر کسی کے چہرے پر خوشی کی ایک رمق تک نہیں تھی۔ وہ کافی دیر پہلے ہی اپنا مختصر سا سامان لے کر گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔ امی بابا نے اسے کسی طرح ساتھ چلنے کے لیے قائل کر ہی لیا تھا۔

''بیٹا ہمارے ساتھ چلے چلو، ویسے بھی تمہاری پڑھائی مکمل ہو گئی ہے۔'' امی نے بڑی امید کے ساتھ اس سے کہا تھا۔

''اب یہاں رہ کر کیا کرو گے ہمارے ساتھ پاکستان چلو ہم ویسے بھی وہاں پر اکیلے ہیں۔ وہاں جاؤ گے تو شاید تمہارا دل بھی بہل جائے۔'' ان کا انداز التجائیہ تھا کوئی اس کے ساتھ سختی نہیں کر سکتا تھا مگر اس کو یوں اس حالت میں یہاں پر چھوڑا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

ثبات بھائی، آپی، حماد بھائی اور بابا سب کا یہی خیال تھا کہ اس کا پاکستان چلے جانا ہی بہتر ہے۔ خطرہ ابھی ٹلا نہیں تھا۔ یہاں ہو سکتا ہے وہ پادری سے الجھے یا پولیس اسٹیشن چلا جائے یا پھر میڈیا کے سامنے کوئی بیان دے ڈالے۔ اس سے معاملات یقیناً بگڑ جاتے اور خاندان میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ ایسے کسی جھمیلے میں پھنسے۔

سب کو بہت حیرت ہوئی تھی جب وہ بھی پاکستان جانے پر راضی ہو گیا تھا اور وجہ صرف اتنی تھی کہ اب اس کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ کہاں رہتا ہے، کس کے ساتھ رہتا ہے، کن حالات میں رہتا ہے۔ اس کے لیے اب ہر بات، ہر چیز، ہر ملک ایک جیسا تھا۔ اس کی زندگی، خواب، وعدے، ارادے سب ریزہ ریزہ ہو کر چار سو بکھرے ہوئے تھے۔ ویسے بھی یہاں اسے ہر طرف لارین دکھائی دیتی تھی سوال کرتی، شکایت کرتی، الزام دیتی۔ وہ اس کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے پاس اس کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کی شکایت کا کوئی ازالہ نہیں تھا۔ اس کی الزام دیتی اداس آنکھیں اس کے احساسِ جرم کو بڑھا دیتی تھیں۔

اس کے جانے پر سب سے زیادہ بچے اداس تھے۔ رانیہ تو بارش کی پروا کیے بغیر گاڑی کے شیشے کے اندر منہ دیے بار بار ایک ہی سوال کر رہی تھی۔ ''لالہ آپ واپس کب آئیں گے۔ میری بلی کے بچے کھو گئے تو مجھے کون ڈھونڈ کے دے گا۔'' اس نے حال ہی میں نئی بلی پالی تھی۔

''آپ وعدہ کریں کہ جلدی واپس آئیں گے۔'' اس نے آخر میں التجائیہ انداز اختیار کر لیا تھا۔

''اب تم پاکستان آ جانا۔ وہاں پر بہت بلیاں ہیں۔'' وہ اس کا ماتھا چوم کر بولا تھا۔ مگر اس کی اداسی کم

digest library.com

نہیں ہوئی تھی۔

امی بابا گاڑی میں بیٹھ چکے تھے اور ثبات بھائی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

''تم نے اپنا سارا سامان رکھ لیا ناں؟'' وہ اس سے پوچھ رہے تھے مگر وہ جیسے کہیں اور ہی مگن تھا، سوال سنا نہ جواب دیا۔ ثبات بھائی اکثر اس سے مخاطب ہونے کی کوشش کرتے رہتے تھے لیکن اسے ایسی چپ لگی تھی کہ وہ مشکل سے ہی کسی بات کا جواب دیتا تھا۔

اب بھی اس کی نظریں باہر لارین کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ یہاں بتائی زندگی کی ایک فلم سی تھی جو اس کی آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ گزرے سالوں میں کئی دفعہ اس نے لارین کو یہاں سے باہر آتے، اندر جاتے، اپنے گارڈن کو پانی دیتے، سڑک پر ٹہلتے، باتیں کرتے، ہنستے دیکھا تھا۔ وہ اب بھی اسے ہر جگہ یوں دکھائی دے رہی تھی جیسے کبھی یہاں سے کہیں گئی ہی نہ ہو۔ گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ لارین کے گھر سے، لارین سے بہت دور ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ لفظ اس کے ذہن میں بار، بار آ رہے تھے۔

بارشوں کے موسم میں
کوئی نظم تھی جو پوری یاد نہیں آ رہی تھی۔
زخم جو بھی لگ جائے
اس نے اپنے ذہن پر زور ڈالا تھا

''بارشوں کے'' اس نے پھر دل ہی دل میں اس کی پہلی سطریں دُہرائی تھی۔

بارشوں کے موسم میں
زخم جو بھی لگ جائے
عمر بھر نہیں سلتا
اس نے سن لیا ہوگا (اسے یاد آ گیا تھا)
اس نے سن لیا ہوگا
شہر کی ہواؤں سے
وہ جو ایک دیوانہ
آتے جاتے راہی کو
راستوں میں ملتا تھا

☆☆☆

گھر میں گھومتی پھرتی اس نوجوان لڑکی کو انہوں نے بہت غور سے دیکھا تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔ وہ گھر کی ایک، ایک چیز اور ایک، ایک کونا بہت توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ یقیناً دل ہی دل میں گھر کی سجاوٹ اور مختلف چیزوں کی جگہوں کے بارے میں بھی سوچ لیا ہوگا۔ اس کے ساتھ چھ، سات سال کا ایک بچہ بھی تھا۔ مریم کو وہ وقت یاد آ رہا تھا جب وہ اس گھر کو پہلی بار دیکھنے آئے تھے۔ وہ بھی اسی طرح فرات کو ساتھ لیے اس گھر میں گھومتی پھر رہی تھیں۔ وقت کتنی جلدی گزر گیا تھا۔ حقیقت کتنی جلدی کھل گئی تھی۔ یہاں کی زندگی ویسی بالکل نہیں تھی جیسی دور سے نظر آتی تھی۔ کھوکھلی، بے روح، خود غرض زندگی بس یہی تھی اس کی حقیقت۔

پورا گھر دیکھنے کے بعد وہ لڑکی، مریم آپی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آبیٹھی تھی۔ جہاں وہ اس کے لیے چائے کے لوازمات کے ساتھ انتظار کر رہی تھیں۔ اس کا شوہر باہر لان میں حماد کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اسٹیٹ ایجنٹ نے انہیں آج ہی گھر دیکھنے کے لیے بھیجا تھا۔ پچھلے دو ہفتوں سے ان کا گھر برائے فروخت تھا لیکن ابھی تک کسی کے ساتھ معاملہ طے نہیں پایا تھا۔ دونوں میاں بیوی کو پاکستان جانے کی بہت جلدی تھی۔ مبادا ان کا فیصلہ بدل جائے اور وہ کسی کمزور لمحے میں پھر نفس کی کسی خواہش میں گرفتار ہو کر یہیں رہنے کا فیصلہ کر لیں۔ اگر گھر نہیں بکا تو انہوں نے یہی سوچا تھا کہ حماد گھر بکنے تک یہیں رہیں گے جبکہ مریم اور بچے پاکستان چلے جائیں گے۔

''آپ یہ گھر کیوں بیچ رہی ہیں؟'' لڑکی نے بیٹھتے ہی سوال کیا تھا۔

''ہم پاکستان واپس جا رہے ہیں اس لیے۔'' مریم نے جواب دیا تھا۔

''لیکن آپ واپس کیوں جا رہے ہیں؟ آپ کا

گھر اتنا شاندار ہے۔ لوگ تو یہاں اس ملک میں آنے کے لیے ترستے ہیں۔ ہمیں دیکھیں سرگودھا میں ہمارے جتنے مربعے تھے سب بیچ کر یہاں پہنچے ہیں۔''

''ہم نے جو سبق پڑھنا تھا وہ پڑھ لیا اب آپ کی باری ہے۔''

''بالکل...... آپ صحیح کہہ رہی ہیں میرے شوہر بھی یہی چاہتے ہیں کہ اپنی پڑھائی کا سلسلہ یہاں دوبارہ شروع کریں بلکہ مجھے بھی کہہ رہے تھے کہ میں بھی کسی کورس میں داخلہ لے لوں۔''

آسٹریلیا پہنچ جانے کی خوشی میں اس نے آپی کی بات پر کچھ زیادہ غور نہیں کیا تھا۔ ''میرے شوہر اپنے ماں باپ کے اکلوتے بیٹے ہیں اس لیے روپے پیسے کی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔'' وہ اب بھی اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھی۔

''آپ کا یہ گھر ہمیں بہت پسند آیا ہے اور ہم نے اسے خریدنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن اس کے لیے پاکستان میں ہمارے پاس جو کچھ تھا ہمیں سب بیچنا پڑا ہے۔ یہاں آئے ہمیں ایک مہینہ ہوا ہے۔ میں اب ڈرائیونگ بھی سیکھ رہی ہوں۔'' اس نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ بڑے جوش سے بتایا۔

''اور چاہتی ہوں کہ اپنے کسی بھی کام کے لیے شوہر کو پریشان نہ کروں سب کام خود کر لیا کروں۔'' اس کی چائے ٹھنڈی ہو رہی تھی مگر اس نے پہلے اپنی کہانی سنانا تھی۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ چلے گئے اور مریم بوجھل دل کے ساتھ سارا سامان سمیٹنے لگی تھیں۔ انہوں نے یہاں سے جانے کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اور اب جب جا رہے تھے تو دل پر اتنا بڑا بوجھ آ گرا تھا کہ واپس جانے کی خوشی بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ امی بابا اور فرات پاکستان کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ وہ خود بھی بس اب جانے ہی والے تھے مگر انہیں اس سے پہلے بہت سارے کام کرنے تھے لیکن ان کا سارا دھیان فرات میں لگا ہوا تھا جو جاتے ہوئے ان سے ملا تک نہیں تھا۔ وہ ناراض تھا، بہت ناراض...... اور

اتنے سالوں میں یہ پہلی دفعہ ہوا تھا کہ وہ ماں جیسی بہن سے بات نہیں کر رہا تھا۔

وہ صرف 13 سال کی تھیں جب انہوں نے اس چھوٹے بھائی کی ذمے داری سنبھالی تھی۔ انہیں بچے ویسے ہی بہت پسند تھے۔ محلے بھر کے بچے اٹھائے پھرتی تھیں۔ جب یہ پیدا ہوا تو گویا گھر میں ہی ایک کھلونا مل گیا۔ یہ تھا بھی بہت خوب صورت بچہ۔ آپی کو اس سے بہت پیار تھا۔ امی کی طبیعت بھی خراب رہنے لگی تھی۔ یوں اس کی ساری ذمے داری انہوں نے اپنے ذمے لے لی۔ اس کا ہر کام وہ خود کرتی تھیں۔ وہ انہی کے پاس سوتا بھی تھا۔ شادی کے بعد بھی بہن بھائی کی محبت کم نہیں ہوئی تھی وہ اسے اپنے ساتھ ہی آسٹریلیا لے آئی تھیں۔ حماد خالہ زاد تھے اس لیے ان کو بھی اس بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ ان دونوں میاں بیوی کے لیے وہ چھوٹا بھائی نہیں بلکہ بڑا بیٹا تھا۔ اس نے بھی کبھی انہیں پریشان نہیں کیا تھا بلکہ حماد جب کام کے سلسلے میں کئی، کئی دنوں کے لیے شہر سے باہر چلے جاتے تب انہیں فرات کی وجہ سے تسلی رہتی تھی کہ مریم اکیلی نہیں ہے۔ محبت کا یہ تعلق اس انجام کو پہنچے گا انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ لارین کے معاملے میں پورے خاندان سے ہونے والی سنگین غلطی کا بھیانک نتیجہ نکلا تھا لیکن اس کی وجہ پورے خاندان کی اس سے بے پناہ محبت تھی۔ یہ اس کی محبت تھی جس پر انہوں نے انجانے میں لارین کو قربان کر دیا تھا۔ کاش وہ اسے یہ بات سمجھا سکتے۔

☆☆☆

جہاز رن وے پر آہستہ، آہستہ دوڑتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے زمین کو چھوڑ کر اپنا رخ آسمان کی طرف کر لیا تھا اور بلندیوں کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کھڑکی سے باہر جھانکا جہاں برزبن شہر کو شاید وہ آخری بار دیکھ رہا تھا۔

وہ کل لارین کی ممی کو دیکھنے کے لیے کلینک بھی گیا تھا لیکن وہ دواؤں کے زیرِ اثر سو رہی تھیں۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ جب سے ان کی بیٹی کی موت ہوئی ہے انہوں نے اپنے رہے سہے حواس بھی کھو دیے تھے اور بیٹی کی

موت کے بعد سے وہ مستقل اسپتال میں ہی تھیں۔ وہ کافی ویران کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا شاید لارین کے آخری لمحات کے بارے میں وہ کچھ بتا سکیں لیکن اس کا انتظار، انتظار ہی رہا تھا نہ وہ جاگی تھیں نہ ہی وہ ان کے ساتھ کوئی بات کر پایا تھا۔

وہ لارین کی قبر پر بھی جانا چاہتا تھا لیکن نہیں جا پایا تھا۔ اس میں ہمت ہی نہیں تھی کہ وہ کسی بھی طرح اس کے پاس جاتا اس کا سامنا کرتا۔

اور اب جہاز جب پاکستان کی طرف رواں دواں تھا۔ تو اس کا ضمیرا سے کٹہرے میں کھڑا کیے جیسے اس پر کوئی فردِ جرم عائد کر رہا تھا۔ اپنے جرم سے اسے انکار کبھی نہیں تھا۔ لیکن اب اس وقت ضمیر کی چبھن پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اسے اپنے آپ سے نفرت ہو رہی تھی۔ وہ خود بھی بکھرا ہوا تھا، ٹوٹا ہوا تھا مگر پھر بھی اسے اپنے آپ سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

اس نے لارین کو دھوکا دیا تھا۔ آج وہ عیسائیوں کی طرح عیسائیوں کے قبرستان میں دفن تھی اور یہ بات اس کے دل کا بوجھ بنی ہوئی تھی۔ اس نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے ایمان کی، اس کے اسلام کی گواہی دے گا مگر اس نے گھر والوں کے دباؤ میں آ کر یہ گواہی چھپالی تھی۔ لارین کو اگر سب سے زیادہ فکر تھی تو صرف اس بات کی کہ اگر کبھی وہ مر جائے یا ماردی جائے تو کوئی ایسا ضرور ہو جو اس کے ایمان کی گواہی دے اور اس کا آخری انجام بحیثیت مسلمان ہو۔ اسے مسلمانوں کے طریقے پر مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا جائے۔ اسے بطور مسلمان یاد رکھا جائے مگر......

اس نے لارین کا اعتماد توڑا تھا...... ہاں وہی تھا جو اس کے راز کی حفاظت نہیں کر پایا تھا۔

وہی تھا جو اس سے کیا ہوا کوئی ایک وعدہ بھی پورا نہیں کر پایا تھا...... وہی تھا جس نے اس کی موت کے بعد مجرمانہ خاموشی اختیار کر لی تھی اور جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس کے قاتلوں کی نشاندہی نہیں کی تھی۔ وہی تھا جس نے اسے موت سے پہلے بھی اور موت کے بعد بھی بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔

’’تم اپنا سامنا کیسے کرو گے؟‘‘ اب وہ اپنے آپ سے مخاطب تھا۔

’’تم خود سے نظر کیسے ملاؤ گے؟

لارین تو مر چکی ہے۔ اب تم کیسے جی پاؤ گے؟

فرات عالی بخت......‘‘

☆☆☆

لا...... رین......‘‘ وہ جیسے گہرے پانیوں میں ڈوب کر ابھرا تھا۔ اسے نئی زندگی ملی تھی اور گہری سانسوں میں نئی زندگی کا پہلا نام اس نے یہی پکارا تھا۔

’’لارین......!‘‘ کمبل درست کرتی ماہم کے ہاتھ سست پڑ گئے تھے۔ اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا پھر دوبارہ آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ خواب اور حقیقت، ہوش اور غنودگی کے بیچ کی کسی کیفیت میں تھا۔ بیماری کے بعد جب سے اس کا دنیا سے رابطہ کٹا تھا وہ کسی اور ہی دنیا میں تھا لارین کی دنیا میں۔ اسے ہر طرف وہی دکھائی اور سنائی دے رہی تھی۔ کبھی ہنستی تو کبھی اس کے ساتھ دنیا جہان کی باتیں کرتی، کبھی مدد کے لیے پکارتی اور کبھی روتی۔ پھر شاید وہ سو گیا تھا۔ ماہم وہیں اس کے پاس قالین پر بیٹھ گئی تھی۔ جب سے وہ بیمار پڑا تھا اسے سارے کام بھول گئے تھے۔ اگر کچھ یاد تھا تو صرف فرات عالی بخت......

پچھلی رات پریشانی کی وجہ سے وہ تو جاگی ہی تھی مگر اس کے ساتھ، ساتھ باجی یعنی مریم آپی بھی جاگ رہی تھیں حالانکہ بھائی کا رویہ ان کے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں تھا لیکن وہ اسپتال سے جب بھی آتیں تھکاوٹ کے باوجود اس کی واپسی کی منتظر رہتیں۔ خراب تعلقات کے باوجود وہ آج بھی انہیں بیٹے کی طرح عزیز تھا۔ انہوں نے اسے پالا تھا، اس کے دکھ درد کو محسوس کیا تھا۔ دو دن پہلے بھی جب رات گئے وہ واپس آیا تھا وہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھی تھیں۔ اس سے بہت ساری باتیں کی تھیں مگر اس کے منہ سے سوائے ایک ہوں کے کچھ سنائی نہیں دیا تھا۔ معلوم نہیں وہ ان بے لوث محبتوں کے

مقابلے میں اس قدر سنگدلی کا مظاہرہ کس طرح کرتا تھا، نسب حقائق سے انجان۔ ماہم نے دکھتے دل کے ساتھ سوچا تھا۔ آپی اس کے رویے پر افسردہ بھی تھیں اور شرمندہ بھی۔ وہ ماہم سے اپنے آنسو چھپانے کی کوشش میں مصروف تھیں۔

"آپی یہ آپ کے ساتھ کیوں رہتے تھے؟ میرا مطلب ہے اپنے امی ابو کے بجائے؟" اس نے اپنی طرف سے یہ سوال کرکے ان کا دھیان ہٹانے کی کوشش کی تھی۔

"اصل میں ہوا یہ تھا......" انہوں نے منہ دوسری طرف کرکے اپنے آنسو پونچھے تھے۔ "کہ میں اور بھائی کافی بڑے بڑے تھے جب یہ پیدا ہوا۔ کچھ عرصے بعد چھوٹی بہن کی شکل میں امی کے پاس ایک اور مصروفیت آگئی اور ان کی طبیعت بھی خراب رہنے لگی تب یہ مکمل طور پر میری ذمے داری بن گیا۔ شادی کے بعد مجھے آسٹریلیا جانا تھا لیکن یہ اپنی محبت پر سمجھوتا کرنے کو تیار نہیں تھا۔ بیمار پڑ گیا اس کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ آپی کے پاس ہی رہے گا۔ یوں یہ میرے ساتھ ہی چلا گیا۔ حماد میرے خالہ زاد ہیں اس لیے بھی زیادہ مسئلہ ابھی نہیں ہوا۔"

"آپ کے ساتھ ان کے اس رویے پر مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔" اس کی بہن کے لیے بیگانگی واقعی تکلیف دہ تھی۔

"بابا سے تو وہ جانے کیوں ناراض ہیں لیکن آپ کے ساتھ ایسا کرنے کی کیا وجہ ہے؟" اس کے سوال پر وہ خاموش ہوگئی تھیں اور وہ جان گئی تھی کہ وہ بتانا نہیں چاہتیں۔ اس نے بھی مزید کریدنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ کسی حد تک تو وہ جانتی تھی کہ وہ خاندان بھر سے کیوں ناراض ہے۔ ظاہر ہے وجہ وہی لڑکی تھی جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا مگر کر نہ سکا۔ کتنی خوش قسمت تھی وہ لڑکی جس کے لیے وہ سارے خاندان سے ناراض ہو گیا تھا۔ جب اس نے پہلی بار اسے دیکھا تھا تب سے اس نے جان لیا تھا کہ وہ ایک بالکل مختلف انسان ہے۔ اس کے سامنے اسے اپنا آپ بہت چھوٹا لگا تھا۔ لیکن جب سے اسے اس لڑکی کا پتا چلا تھا، اسے تصویر میں دیکھا تھا اسے اچھی طرح سے معلوم ہوگیا تھا کہ اس لڑکی کی خوب صورتی اور فرات عالی بخت کے جنون کی اس کہانی میں اس کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس نے اپنی شکست تسلیم کرلی تھی۔

☆☆☆

لارین کا نام اب اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ سب کچھ جان چکی تھی۔ آپی کی آنکھیں مسلسل سرخ تھیں ان کے دل پر شدید بوجھ تھا اور اسی کیفیت میں انہوں نے ماہم کو لارین کی کہانی سنائی تھی۔ اب وہ فرات کے نقصان اور گھر والوں کے پچھتاوؤں سے واقف تھی۔ بقول آپی ..." ہم اس خاص انسان کے عام سے رشتے دار نکلے۔ ہم نے اس سارے معاملے کو بالکل روایتی انداز میں ہینڈل کیا۔ لارین کی موت کے بعد ہم سب نے فرات کو لے کر پاکستان آنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ہماری ہر بات مان لی تھی۔ کبھی، کبھی ہم اسے دیکھتے اور ڈر جاتے کہ اس واقعے نے اس کے دماغ پر تو اثر نہیں کیا؟ وہ ایسا تو نہیں تھا۔ کوئی اعتراض، نہ کوئی سوال۔ وہ ہمارے کہنے پر نہ صرف پاکستان آگیا بلکہ ہماری پسند کردہ لڑکی سے چپ چاپ شادی بھی کرلی۔ یہاں آکر اس نے نہ صرف اپنا کام شروع کردیا بلکہ ہمیشہ سے اپنے پسندیدہ کھیل پولو میں مصروف ہوگیا۔ اس سے پہلے جب کبھی وہ چھٹیوں میں آتا تھا تب یہ کھیل سیکھتا اور کھیلتا تھا۔ ہم سب کسی حد تک مطمئن ہو گئے۔ ہم نے یہی سوچا تھا اس کی کسی خوب صورت لڑکی کے ساتھ شادی کروادو ماضی میں جو کچھ ہوا وہ بھول جائے گا۔ اسے کبھی یاد نہیں کرے گا۔ نئی زندگی، نئے رشتے اسے اتنا مصروف کردیں گے کہ اسے پچھلی زندگی کے بارے میں سوچنے کا وقت بھی نہیں ملے گا۔ یوں اسے کبھی دوبارہ برزبن جانے کا خیال آئے گا اور نہ ہی کبھی وہ پادری سے جاکر سوال کرے گا۔ مگر یہ ہماری خام خیالی تھی۔" انہوں نے کھوئے ہوئے انداز میں ماہم کی طرف دیکھا تھا۔

''ہم نے تمہیں بھی یہاں لا کر قید کر دیا۔ تمہارے ساتھ جو سلوک وہ کر رہا ہے وہ ہمیں بہت تکلیف دیتا ہے۔ ہمارے احساسِ جرم میں اضافہ کرتا ہے۔ لیکن تمہیں کبھی کچھ بتایا اس لیے نہیں کہ یہ جو ہم سے پہلے ہی ناراض ہے بالکل ہی تعلق نہ توڑ بیٹھے اور ہم اسے کہیں ہمیشہ کے لیے کھو نہ دیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب تک وہ خود کو معاف نہیں کرے گا تب تک وہ ہم میں سے کسی کو بھی معاف نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کے تعلقات تمہارے ساتھ اچھے ہوں گے۔ ہاں اگر لارین کے قاتل کو سزا مل جاتی تو پھر دوسری بات تھی۔''

''تو کیا لارین کا باپ ابھی تک پکڑا نہیں گیا؟'' اس نے آپی سے بہت تجسس کے ساتھ سوال کیا تھا مگر وہ خاموش تھیں۔

انہیں سب معلوم تھا اور شاید باقی گھر والوں کو بھی لیکن انہوں نے فرات سے یہ بات چھپا لی تھی۔ وہ اسے مزید بے سکون نہیں کرنا چاہتے تھے مگر اس نے تین دن پہلے ایک غیر ملکی نیوز چینل پر خبر دیکھ لی تھی۔ خبر کچھ دن پرانی تھی۔ اس کے گھر والے یقیناً اس بات سے واقف تھے مگر اسے کسی نے کچھ بھی نہیں بتایا تھا اور وہ شندور میلے میں ہونے والے اپنے میچ کی تیاریوں میں اس قدر مصروف تھا کہ اسے فرصت ہی نہیں تھی کہ ہزاروں میل دور موجود لوگوں کی خبر رکھتا۔ ویسے بھی اس کا جو نقصان ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا اب وہ باخبر رہ کر کیا کرتا۔ اسے اب دنیا اور اس کے معاملات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔

خبروں کے مطابق لارین کی ماں آخر کار بول پڑی تھی۔ اس نے پولیس کو بیان دیا تھا کہ پادری نہ صرف اس کے باپ کا قاتل تھا بلکہ اس نے اپنے بیٹوں کے ساتھ مل کر لارین، اپنی بیٹی کا بھی قتل کیا تھا۔ لارین نے خودکشی نہیں کی تھی۔ اس نے نیند کی دوا کھائی نہیں تھی بلکہ اسے کھلائی گئی تھی۔ جس کے نتیجے میں نیند کے دوران ہی وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ لارین نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یہی اس کی موت کی وجہ بنی تھی۔ بعد میں پادری نے خود بھی دونوں افراد کے قتل کا اعتراف کر لیا تھا۔ کیونکہ اس میں اب پہلے جیسا زور باقی نہیں رہا تھا۔ جیل میں آنے سے پہلے ہی اسے بدترین خارش کی بیماری لگ چکی تھی۔ وہ ہر وقت خود کو کھجاتا رہتا تھا لیکن اس کے جسم کو سکون نہیں ملتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے بہت سارے کتے اس کے جسم کو کاٹ رہے ہیں۔ وہ اور شدت سے اپنا جسم کھجاتا تھا خارش کر کر کے خود کو لہولہان کر دیتا لیکن اس کی تکلیف کم نہیں ہوتی تھی۔ کھال کے نیچے کہیں گوشت کے اندر اس کو بھنبوڑا جا رہا تھا۔ دانتوں سے کاٹا جا رہا تھا۔ ہر قسم کا علاج کروا کر دیکھ لیا تھا لیکن اس پر جو عذاب نازل ہوا تھا اس کا علاج کسی کے پاس نہیں تھا۔

خبروں میں پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوتا پادری اور اس کے بیٹے بھی دکھائے گئے تھے۔ گرفتاری کے وقت بھی وہ اپنے آپ کو کھجاتا خارش کرتا بالکل پاگلوں جیسا دکھائی دے رہا تھا۔ جس قرآن کے ساتھ اس نے ہمیشہ دشمنی کی تھی اسی قرآن نے بتا دیا تھا کہ کچھ چہرے قیامت کے دن سیاہ ہوں گے۔ پادری کے لیے قیامت سے پہلے قیامت آ چکی تھی وہ نہ صرف رسوا ہو گیا تھا بلکہ برباد بھی ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ ذلت، رسوائی اور سامنے نظر آتی موت کے خوف سے سیاہ پڑ چکا تھا۔ وہ اپنے بیٹوں سمیت اب جیل میں تھا اور لارین کی ماں اسپتال میں۔

خبر ختم ہو چکی تھی۔ پادری اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا یا پہنچنے والا تھا لیکن اس پر وہی عذاب ایک دفعہ پھر نازل ہو گیا تھا جس سے وہ پچھلے لمبے عرصے سے لڑ رہا تھا۔ اسے آج لارین بہت یاد آ رہی تھی۔ بچپن سے لے کر اس کی موت تک کا سفر اسے سب یاد تھا اسے کچھ بھی نہیں بھولا تھا۔ آج پھر وہ اسے ہر طرف کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ اس میں ایسی خوبیاں تھیں کہ اسے ساری زندگی چاہا جاتا تو بھی کم تھا۔ وہ اس لائق تھی کہ اس کی حفاظت کی جاتی، اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا جاتا مگر وہ

اس کے قابل نہیں تھا۔ وہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکا تھا۔ اس کی حفاظت کر سکا تھا نہ اسے وہ عزت اور پہچان دے سکا تھا جس کے لیے لارین نے اس سے وعدے لیے تھے۔ اس کا احساسِ جرم ایک دفعہ پھر بڑھ گیا تھا۔ ضمیر کا کوڑا اس کے دل اور دماغ پر مسلسل برس رہا تھا۔ اس کے جسم کی حدت اور سر کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ معلوم نہیں کس طرح وہ گھر پہنچا تھا پھر اس کے بعد کیا ہوا وہ کچھ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا اس نے اپنے آپ کو گم کر دیا تھا۔

کبھی اسے لگتا کہ اس کے سر میں دھماکے ہو رہے ہیں۔ کبھی جسم انگاروں پر پڑا محسوس ہوتا اور کبھی اسے لگتا وہ برفیلے پانی میں ڈوب رہا ہے۔ اور سردی سے مر رہا ہے۔ کبھی جسم میں تیز درد کی لہریں اٹھتیں۔ وہ جس کیفیت میں تھا وہ خواب تھا یا حقیقت یا پھر وہم کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کئی دفعہ اس نے کچھ پریشان چہروں کو اپنے اوپر جھکا دیکھا۔ دو تین دفعہ بازو میں سوئی کی چبھن بھی محسوس ہوئی تھی۔

جب اذیت ناقابلِ برداشت ہو گئی تھی تب پھر اچانک اس کے تپتے جسم کو ٹھنڈک کا احساس ہوا تھا۔ اسے لگا اس کے وجود پر ٹھنڈی پھوار پڑ رہی ہے مگر یہ بارش نہیں تھی کیونکہ اس کا جسم گیلا نہیں تھا۔ وہ بہت سکون محسوس کر رہا تھا۔ ایسا سکون جس نے اس کے سارے دکھ درد بھلا دیے تھے۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ اس نے اپنے آپ کو ایک وسیع و عریض جگہ پر پایا تھا جہاں چاروں طرف چھوٹے، چھوٹے پہاڑ تھے۔ ان پر کہیں، کہیں برف کی سفیدی تھی۔ ان پہاڑوں کے بیچ ایک سرسبز اور پھولوں سے بھری وادی تھی۔ پھولوں کے رنگ اور شکلیں ایسی تھیں کہ آج سے پہلے اس نے کبھی ایسے پھول نہیں دیکھے تھے۔ وادی میں چشمے بھی تھے، بلندیوں سے گرتی دودھ جیسی آبشاریں اور ندیاں بھی۔ وادی کا منظر حسن اور خوب صورتی میں لاجواب تھا اور ناقابلِ بیان بھی۔ وہ حیرت سے چاروں طرف اس حسن اور خوب صورتی کو دیکھ رہا تھا جو

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ

ماہِ آزادی کے دل فریب رنگ
جاسوسی کے شمارے کے پُرجوش آہنگ

لہو رنگ
برسوں سے دل میں بے بغض و عناد اور سازشوں کے نئے انداز و اطوار میں ڈوبی لہو رنگ داستان۔
یعقوب بھٹی کے دل گداز قلم سے تحریر کردہ

سربکف
ماضی کی دھندلی پرچھائیوں کے تعاقب میں دوڑتے بھاگتے کردار کی پُراسرار داستان......
طاہر جاوید مغل کے قلم سے

دبر
قدم قدم پر بڑھتی مصیبتوں کا مقابلہ کرنے والے ایک دلیر نوجوان کی کوچہ گردی
حُسام بٹ کے قلم سے سلسلے وار کہانی

سرورق کے رنگ
پہلا رنگ
سرزمینِ وطن کے لیے جان و مال قربان کر دینے والوں کی المناک کہانی

دوسرا رنگ
عشق و محبت کے پیچ و خم میں الجھی کہانی کے کرداروں کے مختلف رنگ

چینی نکتہ چینی
آپ کے تبصرے... مشورے ... محبتیں... شکایتیں... اور نئی دلچسپ باتیں ... کہانیاں

digestlibrary.com

آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ اس ساری ٹھنڈک، سکون اور خوب صورتیوں کے بیچ وہ بیٹھی تھی۔

''لارین...... اچھا تو یہ یہاں رہتی ہے۔'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ شاید یہ پوری وادی اسی کی تھی، اسی کے لیے تھی۔ اسے اس کی قسمت پر رشک آیا تھا۔ پھر اسے لگا اچانک اس نے سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھا تھا، مسکرائی تھی۔ وہی مسکراہٹ جو اس کے پورے چہرے کو روشن کر دیتی تھی۔ شاید وہ اسے بلا رہی تھی مگر نہیں یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ وہ تو ہمیشہ کی طرح اپنے آپ میں مگن تھی اور خوش بھی۔

پھر اچانک اس نے اٹھ کر ایک طرف چلنا شروع کر دیا تھا۔ اسے جاتا دیکھ کر وہ چونک گیا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر دور جا رہی تھی۔ لیکن اب وہ اسے کہیں نہیں جانے دے گا۔ وہ اسے کسی صورت کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے بغیر اس کی زندگی ایک مسلسل تکلیف کا شکار تھی اور اس تکلیف کا علاج صرف لارین کے پاس تھا۔ وہ طرح، طرح کے پھولوں کو پاؤں تلے آنے سے بچاتا، پانی کی چھوٹی، چھوٹی ندیاں پھلانگتا اس کی طرف دوڑتا آ رہا تھا۔ اس دفعہ وہ اسے روک لے گا کسی بھی قیمت پر۔ اس نے آخری ملاقات میں اس سے ایک سوال پوچھا تھا اور اس نے آج تک اس کا جواب نہیں دیا تھا۔ اسے جواب معلوم نہیں تھا یا پھر سوال ہی مشکل تھا، وہ نہیں جانتا تھا۔ کچھ بھی ہو آج تو اپنے سوال کا جواب لے کر رہے گا۔ وہ جلد ہی اس کے پاس جا پہنچا تھا۔

''لارین......!'' اس نے اسے زور سے آواز دی تھی اور پھر قریب جا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا تاکہ وہ کہیں نہ جا سکے، کبھی نہ جا سکے۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے بہت کچھ کہہ رہا تھا، اپنی بے تابیوں کے قصے، بے قراریوں کی کہانی، پچھتاوؤں کا بیان مگر وہ کوئی جواب نہیں دے رہی تھی۔ حسبِ معمول خاموش تھی اور پھر اس نے آہستہ سے اپنا چہرہ اس کی طرف موڑا تھا اور وہ حیران رہ گیا تھا۔

وہ لارین نہیں تھی۔ اگر وہ لارین نہیں تھی تو پھر کون تھی؟ اسے یاد آیا تھا کہ یہ چہرہ اس کا دیکھا بھالا تھا مگر کس کا تھا یہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اس چہرے پر سے نظریں ہٹا کر سامنے دیکھا تھا تو لارین آہستہ، آہستہ چلتی دور ہوتی جا رہی تھی۔ ان کے درمیان فاصلہ بہت بڑھ گیا تھا جیسے لارین اور اس کے بیچ پوری وادی حائل ہو گئی ہو۔ وہ آج پھر اس سے دور چلی گئی تھی۔ وہ ملی تھی نہ ہی اس نے کوئی جواب دیا تھا۔

☆☆☆

ماہم جلدی سے جا کر کتاب ''چلتا مسافر'' کے اندر بڑی تصویر نکال لائی تھی۔ وہی تصویر جسے دیکھ، دیکھ کر وہ کبھی جیتی تھی تو کبھی مرتی تھی۔ یہ فرات کی یونیورسٹی کی کسی تقریب کا فوٹو تھا جس میں وہ مسکرا رہا تھا۔ شاید یہی اس کی آخری مسکراہٹ تھی۔ اس کے قریب دنیا کی حسین ترین لڑکی کھڑی تھی۔ وہ بھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں طمانیت تھی، شوق تھا اور اس پر مر جانے کی خواہش تھی۔ شاید اسے فرات عالی بخت سے وہ جواب مل چکا تھا جو اسے چاہیے تھا۔ اس نے فرات عالی بخت کو پا لیا تھا۔ بامِ عروج پر پہنچے اس کے مقدر کا ستارہ اس کے ماتھے پر چمک رہا تھا۔

تصویر کو دیکھ کر اب کی بار ماہم کا دکھ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ فرات عالی بخت کی محبت تو اس کے مقدر میں نہیں تھی لیکن کاش وہ اس شخص کے سارے دکھ لے لیتی۔ اس وقت اس کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی۔ لارین سے وہ اپنا مقابلہ اور موازنہ کر، کر کے تھک گئی تھی۔ آپی نے اس کے متعلق ڈھیروں باتیں کی تھیں۔ ان کے پاس اس کی بہت ساری یادیں تھیں۔

''آپی لارین یہی ہے ناں؟'' اس نے تصویر دکھاتے ہوئے ان سے پوچھا تھا اور آپی کے چہرے پر ایک افسردہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔ شاید لارین کو دیکھ کر ان کا دکھ نئے سرے سے تازہ ہو گیا تھا۔

''ہاں یہ فرات کا یونیورسٹی کے زمانے کا فوٹو ہے۔ بہت بار دیکھا میں نے۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔

''اور یہ لڑکی بھی بہت خوب صورت ہے۔ اسے

دیکھ کر یہی خیال آتا ہے کہ یہ فرات کے لیے بنی ہے اس کے ساتھ یہی جچتی ہے۔ یہ اس سے محبت بھی بہت کرتی تھی۔'' وہ کسی سوچ میں گم بولے جا رہی تھیں۔ ان کی افسردگی کسی طرح کم نہیں ہو رہی تھی۔

''مگر......'' وہ کہتے کہتے رک گئی تھیں۔ ''مگر لارین یہ نہیں ہے......''

''کیا؟ لارین یہ نہیں ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ آپی کی بات پر بری طرح سے چونکی تھی۔ شاید ان کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں تھی یا ان کی یادداشت متاثر ہوئی تھی۔ اگر لارین یہ نہیں تھی تو کیا کوئی اس سے بھی زیادہ خوب صورت لڑکی...... یہ سوچ کر ہی اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ اس سے زیادہ خوب صورت تو پھر کوئی آسمان کی حور ہی ہو سکتی ہے اور حوروں سے بھلا اس کا کیا مقابلہ۔ اسے تو بغیر بتائے چپ چاپ اپنے کاغذاتِ نامزدگی واپس لے لینے چاہئیں۔ پھاڑ دینے چاہئیں تاکہ اس کی بیکار امیدیں ختم ہوں۔

''آپی ذرا غور سے دیکھیں یہی لارین ہے۔'' ماہم دوبارہ کسی امید پر بولی تھی۔

''ہم کچھ بھی کہہ لیں مگر اس سے حقیقت نہیں بدلے گی اور حقیقت یہی ہے کہ لارین یہ نہیں ہے۔'' وہ افسردہ مگر ٹھوس لہجے میں بولی تھیں۔

''اگر لارین یہ نہیں ہے تو پھر کون ہے؟'' اس کا تجسس فطری تھا مگر وہ خاموش اور اداس تھیں اور پھر انہوں نے تصویر کے بالکل آخری رو میں تنہا، گم صم کھڑی لڑکی پر انگلی رکھ دی تھی۔ ''لارین یہ ہے......''

''یہ......'' ماہم کی سانس کو جھٹکا لگا تھا اور دماغ جیسے سُن ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسے یقین آ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں جو کچھ اسے دکھا رہی تھیں وہ ناقابلِ یقین تھا۔ ہاں مگر اتنا ضرور ہوا تھا کہ ''چلتا مسافر'' کے مزمل اور فرات عالی بخت میں جو قدر مشترک تھی وہ اچانک اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ ان دونوں کی زندگی میں آنے والی تبدیلی بظاہر ایک جیسی تھی۔ حقیقت اس پر کھل چکی تھی۔ ہر راز سے پردہ اٹھ چکا تھا۔ آج اسے معلوم ہو گیا تھا، اب وہ جان چکی تھی کہ ''چلتا مسافر'' کی نصیبہ کی طرح لارین اینجل سیاہ فام تھی۔

☆☆☆

ذلت سے اس کا منہ سیاہ سے سرخ ہو گیا تھا۔ مگر وہ کیا محسوس کر رہی ہے کسی کو رتی برابر پروا نہیں تھی۔ آج پھر اس کی کلاس کے بچے اسے گھیرے ہوئے تھے۔ اور وہ ان کے بیچ تنہا اور بے بس کھڑی تھی۔

''ہے بلیکی تمہارے گھر میں بلب کا بل تو بہت زیادہ آتا ہو گا۔ کم روشنی میں تم نظر جو نہیں آتی ہو۔'' ایک شیطان بچہ اس کے اردگرد گھومتے ہوئے کہہ رہا تھا جبکہ باقی اس کی بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔

''تم سارے کالے ہمارے غلام ہو مت بھولنا۔'' ایک اور بولا تھا۔ جسے تاریخ کے نام پر بس اتنا ہی پڑھایا گیا تھا۔

''تمہارے رنگ کو کیا ہوا تمہیں کس نے جلا ڈالا؟'' کیتھی بھی چیخی تھی۔

''تمہارے سر پر جو گھونسلا ہے اس میں کنگھی کیسے کرتی ہو؟'' ایک اور نے اس کے گھنگرالے بالوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بناوٹی ہمدردی جتائی تھی۔

''تم جلے ہوئے ٹوسٹ کی طرح ہو۔''

''کیا تمہیں کرنٹ لگا ہے تمہارے بال ایسے کیوں ہیں؟''

''تمہارا ہمارے ملک سے کوئی تعلق نہیں ہے افریقہ واپس چلے جاؤ۔''

''تمہیں تو نہانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے پانی اور صابن ضائع ہو گا۔ تمہارے پاس سے چوہوں جیسی بدبو آتی ہے۔''

بچوں کے جملے تھے یا پتھر جو وہ تاک، تاک کر اس کی روح پر مارتے جا رہے تھے۔ لفظوں کے یہ سارے تیر تھے جن کی نوکیں آئے دن اس کے سینے میں ٹوٹتی تھیں۔ یہ سارے بچے اس کے ہم عمر تھے چھوٹے تھے لیکن اس کے لیے شیطان سے کم نہیں تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے گھر سے ان کو باقاعدہ یہ ساری باتیں سکھا کر بھیجا جاتا ہے۔ انہیں کوئی روکنے والا نہیں

تھا۔ لارین روز بروز خوفزدہ، پریشان اور اداس ہوتی جارہی تھی۔ اس نے کسی سے بھی بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کی کوئی دوست نہیں تھی۔ وہ اسکول میں اپنی کلاس میں ہوتے ہوئے بھی نہیں ہوتی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کوئی اسے نہ دیکھے۔

اور پھر ایک دن اس کے ہمسائے میں ایک بچہ آیا اور وہ اسے دیکھ کر اور بھی زیادہ سہم گئی تھی۔ اس کا رنگ بھی سفید تھا اور اس کا خیال تھا کہ یہ بچہ بھی اسے اتنا ہی پریشان کرے گا جتنا اسے اسکول کے بچے کرتے تھے۔ یعنی پہلے وہ صرف اسکول میں ستائی جاتی تھی اب وہ اپنے گھر سے بھی نکلے گی تب بھی اس کے ساتھ یہی کچھ ہوا کرے گا۔ پاکستان سے آنے والا یہ بچہ اسے کسی نئے طریقے سے تنگ کرے گا، پریشان کرے گا۔

وہ ماں کے اصرار پر پہلی دفعہ اُن کے گھر گئی تھی لیکن یہ بات اس کے لیے شدید حیرانی کا باعث تھی کہ اس بچے نے اس کے لیے کوئی ایک غلط لفظ استعمال نہیں کیا تھا حتیٰ کہ اس کی بڑی بہن بھی اس سے ایسے ہی پیار کرتی تھیں جیسے اپنے چھوٹے بھائی سے۔ یہ باتیں اس کے لیے حیران کن تھیں۔ پھر جلد ہی وہ ان کے گھر کا حصہ بن گئی تھی۔

اس دن بھی بریک کے دوران اس کی کلاس کے شیطان بچوں نے اسے جی بھر کر ستایا تھا۔ تب یہ پڑوسی بچہ فرات ہی تھا جو اسے ان بچوں کے درمیان سے کھینچتا ہوا دور لے گیا تھا۔

''تمہیں پتا ہے ہم پانی کی کمی سے مر بھی سکتے ہیں۔'' وہ بیٹھ کر زار و قطار رو رہی تھی جب وہ بولا تھا۔

''پانی کی کمی سے...... مطلب؟'' وہ اس کی بات بالکل نہیں سمجھی تھی۔

''تم اتنا رو رہی ہو اگر تمہارے اندر سے پانی ختم ہو گیا تو پھر؟؟ سوچو ذرا......'' لارین نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کر لیے تھے وہ ابھی مرنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے موت سے بہت ڈر لگتا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی فرات نے اپنے لنچ باکس میں سے ڈونٹ نکال کر بڑے سلیقے سے اس کے دو برابر حصے کیے تھے اور پھر ایک حصہ اسے کھانے کے لیے دیا تھا۔

''تم ان بچوں کی طرح کوئی بات نہیں کرو گے؟'' وہ آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ بولی تھی۔

''کروں گا ناں۔'' وہ ڈونٹ چباتے ہوئے بولا تھا۔ لارین اور زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔ نہ جانے وہ اب کس طرح اس کا مذاق اڑائے گا۔

''تو مجھے یہ کہنا تھا۔'' وہ لنچ باکس بند کرتے ہوئے بولا۔ ''کہ کوئی گورا کسی کالے سے بہتر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی کالا کسی گورے سے بہتر ہے۔''

''یہ کس نے کہا ہے؟'' بات لارین کی توقع کے بالکل برعکس تھی اس لیے اس نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

''یہ ہمارے پیغمبر نے کہا ہے۔'' اس کی بات سن کر وہ اور زیادہ اداس ہو گئی تھی۔ وہ اسے تسلی دینے کے بجائے صدیوں پرانی باتیں بتا رہا تھا۔ ایک ایسے انسان کی باتیں جنہیں اس نے دیکھا تھا نہ جانتی تھی۔ مگر وہ جو 1400 سال پہلے آئے تھے۔ انہوں نے شاید خاص طور پر لارین کے لیے، آج کے اس دن کے لیے یہ سب کہا تھا۔ وہ جو اپنے غم میں ڈوبی ہوئی تھی اور اسے لگتا تھا کہ کوئی اسے اس غم سے نجات نہیں دے سکتا۔ اس کے لیے یہ بات ناقابلِ یقین تھی۔

''کیا واقعی یہ تمہارے پیغمبر نے کہا ہے؟'' اس نے بے یقینی سے ایک دفعہ پھر پوچھا تھا۔

''ہاں، یہ انہوں نے ہی کہا ہے اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔'' فرات نے بڑے دعوے سے کہا تھا۔

اس نے چونک کر اس کی بات سنی تھی اب وہ رونا بھول کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ کوئی پیغمبر ہو، اتنا بڑا انسان ہو اور خود کو بڑا نہ سمجھے اور یہ بھی اعلان کرے کہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اس رات جہاں وہ اپنے کلاس فیلوز کی باتوں پر شدید پریشان تھی وہیں اسے ایک تسلی بھی تھی۔ وہ اس یقین کے ساتھ سوئی تھی کہ کوئی تو تھا جو گورے کو کالے سے بہتر نہیں سمجھتا تھا کوئی تو تھا۔

☆☆☆

digest library.com

یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا پہلا تعارف تھا۔ مگر آخری نہیں تھا اسے ان کی باتوں سے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ فرات ان کے بارے میں جو بات گھر میں سنتا یا پڑھتا وہ اسے بھی آ کر بتاتا اور جب کبھی وہ خود بھی کسی پریشانی کا شکار ہوتی تو اس سے پوچھ لیتی کہ بتاؤ تمہارے پیغمبر اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ وہ زندگی کے ہر معاملے میں ان کا اعتبار کرنے لگی تھی۔

پھر اس نے سنا اس کے نانا نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اور اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ انہوں نے جان لیا تھا اسلام ہی واحد اور سچا مذہب ہے۔ دوسرے سیاہ فاموں کے اسلام کی طرف لپکنے کا ایک سبب اور بھی ہے وہ جان گئے ہیں کہ افریقہ میں ان کے آبا و اجداد کا اصل مذہب اسلام تھا اور جب انہیں زبردستی اغوا کر کے امریکا، یورپ اور آسٹریلیا لایا گیا تو ان سے یہ نعمت چھین لی گئی۔ چنانچہ اسلام قبول کر کے وہ کوئی نیا مذہب اختیار نہیں کرتے بلکہ دراصل وہ اپنے اصل دین کی طرف ہی لوٹتے ہیں۔ وہ سیاہ فام تھی اسی وجہ سے ہمیشہ الگ کر دی جاتی۔ صرف فرات کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا حالانکہ وہ خود کو اس کے لائق نہیں سمجھتی تھی۔ جب بھی وہ ساتھ بیٹھے ہوتے ایک دوسرے کا متضاد لگتے۔ اس بات پر بھی مذاق بنتا۔ سب نے ان کا نام 'بلیک اینڈ وائٹ' رکھ دیا گیا تھا۔ انہیں بار، بار "بلیک اینڈ وائٹ" کہہ کر چھیڑا جاتا، تنگ کیا جاتا۔ وہ جب بھی شیطان بچوں کے منہ سے یہ لقب سنتی رونے لگتی مگر فرات ہنستا رہتا اور اسے بھی ہنسانے کی کوشش کرتا۔ یوں ہنستے روتے ان کے بیچ جو تعلق بنا وہ وقت کے ساتھ، ساتھ اور بھی مضبوط ہوتا گیا۔

"بات سنو! دریائے نیل......" وہ کبھی، کبھی اس کے ساتھ مذاق بھی کر لیتی جو کسی اور کے ساتھ کرنے کی کبھی جرأت بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"دریائے نیل نہیں فرات...... فرا...... ات......"

وہ جھنجلا گیا تھا اور بہت سنجیدگی سے اپنے نام کے بارے میں اس کی پُرزور تصحیح کی تھی۔

"او...... سوری میں بھول گئی تھی تم کون سے والے دریا ہو۔" وہ اسے مزید تنگ کرتی۔

☆☆☆

لارین اور فرات عالی بخت کی کہانی اسے خون کے آنسو رُلا رہی تھی۔ پچھلے کچھ عرصے میں اس نے فرات کے متعلق جتنی بھی بدگمانی کی تھی وہ اس پر شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔ کتنی غلط تھی وہ۔ فرات عالی بخت خود خاص تھا تو اس کی کہانی کیسے عام ہو سکتی تھی۔ وہ بار، بار لارین کی تصویر دیکھ رہی تھی اور ایک ہی بات کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ آخر کیا خاص بات تھی اس میں جو اس نے اسے اپنی زندگی کا ساتھی چنا تھا۔ اس عام سی لڑکی میں کون سی ایسی بات تھی جو اسے اوروں میں نظر نہیں آئی تھی۔ جس کے راستے میں...... سرافینا حلیل اور خوش جمال جیسی لڑکیاں اس کی ایک نظرِ التفات کی منتظر کھڑی ہوں اس نے لارین جیسی لڑکی میں آخر کیا دیکھا ہوگا؟ کیوں وہ سارے زمانے کی مخالفت لے کر اسے اپنانے کو تیار ہوا تھا اور جب وہ کھو گئی تو اس نے بھی اپنے آپ کو کھو دیا تھا۔

حیا...... شاید حیا ہی وہ وصف تھا جس کی اسے تلاش تھی اور وہ اسے لارین اینجل میں نظر آیا تھا۔ اس کے بعد اس نے نہ اس کا رنگ دیکھا نہ اس کی نسل اور نہ ہی اس کا خاندان۔ بقول آپی کے لارین اپنے آپ میں مگن، شرمیلی لڑکی تھی۔ اسے کبھی کسی لڑکے کے ساتھ نہیں دیکھا گیا۔ وہ کبھی تھوڑے کپڑوں میں نظر نہیں آئی۔ ایک مادر پدر آزاد معاشرے میں رہتے ہوئے بھی وہ کنول کا پھول تھی، خوب صورت، پاکیزہ...... اور اس کی یہ حالت اسلام قبول کرنے سے پہلے کی تھی۔

وہ اس کے بیڈ کے پاس بیٹھی مسلسل اسی جمع تفریق میں مصروف تھی۔ فرات کی طبیعت اب بہتر تھی۔ اس کا بخار اتر چکا تھا۔ لیکن شاید یہ دواؤں کا اثر تھا جن کی وجہ سے وہ سو رہا تھا۔ وہ بہت دیر تک اس کے بیڈ کے پاس بیٹھی اسے محویت سے دیکھتی رہی تھی۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ اسے فرصت سے دیکھنے کا موقع ملے۔ اس کے چہرے کی سرخی اب کم ہوگئی تھی لمبی بڑی

آنکھیں بند تھیں اور بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔
بہت دیر بعد وہ بیڈ کی پٹی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ پتا نہیں کتنے دنوں کی بے آرامی اور بے چینی تھی کہ اسے معلوم ہی نہیں ہوا وہ اسی طرح بیٹھے، بیٹھے سو گئی تھی۔
بیماری کے دوران فرات کی جب بھی آنکھ کھلی تھی اس نے اسے اسی طرح کمرے میں موجود پایا تھا۔ تب وہ بخار کی وجہ سے نیم غنودگی کی کیفیت میں تھا مگر آج جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا تھا۔ وہ معصوم بھی تھی اور خوب صورت بھی مگر اس نے اسے ہمیشہ نظر انداز کیا تھا۔ وہ خود کو لارین کی مظلوم موت کا ذمے دار سمجھتا تھا۔ اسی لیے اس نے خود کو ہر رشتے، ہر خوشی سے بلکہ خود زندگی سے ہی کاٹ لیا تھا۔ اپنی بے بسی اور شکست نے اس کے اندر عجیب سا غصہ پیدا کر دیا تھا۔ وہ خود سے بہت ناراض تھا خود کو سزا دینے کے لیے اس کے گھر والے جو کہتے گئے وہ کرتا گیا حتیٰ کہ ماہم سے شادی بھی کر لی۔ وہ ایک ان چاہی اور ادھوری زندگی اپنی سزا کے طور پر کاٹ رہا تھا مگر اب شاید بخار نے اس کی قوتِ فیصلہ کو کمزور کر دیا تھا یا پھر واقعی اس کا ضمیر اسے پریشان کر رہا تھا۔ خواب میں اس نے لارین کے بجائے جس کو دیکھا تھا وہ ماہم ہی تھی۔ اب اس بات میں اسے کوئی شک نہیں رہا تھا۔ اس کے دل پر پہلے ہی لارین کی موت کا بوجھ تھا۔ کیا وہ اسی طرح کا ایک اور صدمہ برداشت کرنے کی سکت رکھتا تھا؟ یہ لڑکی اتنے عرصے سے اس کے ساتھ بغیر کسی شکایت کے رہ رہی تھی۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوتا وہ نظروں میں آئے بغیر آس پاس موجود رہتی کہ اگر وہ غلطی سے بھی اسے آواز دے تو وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو جائے۔ وہ جانتا تھا ماہم پر اس کے خاندان نے یہ گھر چھوڑ دینے کے لیے کتنا دباؤ ڈالا تھا مگر وہ اسے اور اس کے گھر کو چھوڑ کر کہیں نہیں گئی تھی۔ اس کی وفا بے مثال بھی تھی اور لازوال بھی۔ لارین نے ایک دفعہ کلاس کی کچھ لڑکیوں کے بارے میں کہا تھا کہ وہ تمہیں دیکھ، دیکھ کر جیتی ہیں۔ کتنا غلط خیال تھا اس کا۔ دیکھ، دیکھ کر جینا تو اسے کہتے ہیں جیسے یہ لڑکی جی رہی تھی۔ وہ سو رہی تھی اور وہ اسے دیکھتے ہوئے نہ جانے کیا کچھ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ کچن میں مصروف تھی جب اس نے اپنے نام کی پکار سنی تھی۔ اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ کیا یہ فرات کی آواز تھی؟ اسے اپنا نام سن کر بھی یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ تیزی سے لاؤنج میں آئی۔ وہ سامنے ہی صوفے پر بیٹھا نظر آیا۔ آج کئی دنوں کے بعد وہ اپنے کمرے سے باہر آیا تھا۔ اس کی صحت اب بہتر تھی۔ اس نے کپڑے بھی بدلے تھے اور بال بھی بنے ہوئے تھے۔ چہرے پر گزرے بخار کے کچھ آثار کے ساتھ سنجیدگی بھی تھی۔ مگر پھر بھی ماہم کو یوں لگا تھا جیسے اسے دیکھ کر اس نے مسکرانے کی بھی کوشش کی تھی۔ اس کی طبیعت کو بہتر ہوتا دیکھ کر آپی آج بیٹے کے پاس اسپتال چلی گئی تھیں۔
وہ سامنے کھڑی مسلسل انگلیاں چٹخا رہی تھی جیسے کوئی چھوٹی بچی اپنی ٹیچر کے سامنے کھڑی ہو۔ اس کی گھبراہٹ لوٹ آئی تھی جبکہ وہ بڑی فراغت سے اس کے صبیح چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ جس کا رنگ اس کی نظروں کی تپش کے ساتھ، ساتھ بدلتا جا رہا تھا، سرخ ہوتا جا رہا تھا۔
''آپ کو کچھ چاہیے؟'' بڑی دیر بعد اسے سوال سوجھا تھا۔
''نہیں، کچھ نہیں۔ یہاں بیٹھو۔'' اس کا موڈ خوشگوار تھا اور چہرے پر ایک نرم سا تاثر تھا۔ وہ پاس رکھے صوفے پر ٹک گئی تھی۔
''میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ بیماری کے دوران تم نے میرا بہت خیال رکھا۔'' ماہم تے چونک کر اسے دیکھا۔ آج تو اس کے تیور ہی بدلے ہوئے تھے۔
''ہر وقت میرے آس پاس رہیں۔ حتیٰ کہ میرے خوابوں میں بھی آگئیں۔''
''جھوٹ۔'' وہ دل ہی دل میں اس کی بات سن

کر بولی تھی۔ خوابوں میں تو وہ لارین کو پکارتا پھرتا تھا۔ اس نے خود سنا تھا۔

''عجیب بات ہے تم ایک عرصے سے میرے گھر میں ہو لیکن تم سے میری پہلی ملاقات خواب میں ہی ہوئی۔'' وہ اس کے دل کی کیفیت سے بے خبر کہہ رہا تھا۔''خواب میں ہی پہلی بار میں نے تمہیں دل کی آنکھ سے دیکھا، پہچانا اور یہ بھی جانا کہ وہ تم ہو جسے خدا نے میرے لیے منتخب کیا ہے۔'' اسے شاید تمہید کی عادت نہیں تھی اسی لیے فوراً دل کی بات زبان پر لے آیا تھا۔

وہ بہت کچھ کہہ رہا تھا۔ ماہم کو پتا ہی نہیں چلا کب اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ اسے خود پر غصہ آ رہا تھا وہ کیوں اس کے سامنے ہمیشہ بے بس ہو جاتی تھی۔ چھوٹی سی بیوقوف بچی بن جاتی تھی۔

''کیوں رو رہی ہو؟'' اس نے اپنی بات روک کر پوچھا تھا۔ مگر آنسوؤں نے اس کی آواز بند کر رکھی تھی۔

''ماہم کیوں رو رہی ہو؟'' اس کی آواز میں سابقہ تحکم لوٹ آیا تھا۔

''وہ دراصل مجھے لگتا تھا۔'' وہ آنسوؤں کی برسات کو ضبط کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''مجھے لگتا تھا آپ مجھ سے کبھی بات نہیں کریں گے، نہ ہی کبھی میری طرف دیکھیں گے۔''

''مت روؤ۔'' اس کی بات پر وہ بہت تکلیف سے بولا تھا اور پہلو بدلا تھا۔

''میرے دل پر پہلے ہی بہت بوجھ ہیں۔ ان میں اضافہ نہ کرو۔'' ماہم نے فوراً آنسو صاف کر لیے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ فرات عالی بخت اس کی وجہ سے کبھی کوئی تکلیف محسوس کرے۔

''بعض اوقات انسان کی زندگی میں کوئی حادثہ ایسا ہوتا ہے جو اس کے دل و دماغ کے ہر راستے پر آ کر بیٹھ جاتا ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم کر دیتا ہے۔ میں بھی ایک ایسے ہی سانحے کا شکار ہو گیا تھا۔ میں بے بس ہو گیا تھا۔ مجھے لگتا تھا میں لارین کی موت کا ذمے دار ہوں۔ وہ میری وجہ سے مر گئی۔ اب میرا زندگی اور اس کی خوشیوں پر کوئی حق نہیں۔'' وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکائے کہہ رہا تھا۔

''آپ اس طرح کیوں نہیں سوچتے کہ اللہ نے لارین کو ایک خاص مقصد کے تحت دنیا میں بھیجا تھا۔'' وہ بھی ہمت کر کے بولی تھی ....'' جب وہ مقصد پورا ہو گیا تو اللہ نے اسے واپس بلا لیا۔ پھر جس طرح کی وہ تھی یہ دنیا اس کے رہنے کے قابل نہیں تھی۔ اس کا چلے جانا ہی بہتر تھا۔''

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو شاید یہی سچ ہے۔ مگر کاش اس کے ذمے دار ہم نہ ہوتے، میں نہ ہوتا۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا تھا۔ لارین جہاں بھی تھی بہت خوش تھی، پُرسکون تھی۔ اس کے چہرے پر چھائی ازلی اداسی دور ہو چکی تھی۔ خواب میں اس نے یہی دیکھا تھا اور اسی بات نے نہ صرف اس کے دل پر سے بوجھ ہٹا دیا تھا بلکہ اس کا احساسِ جرم بھی کم ہو گیا تھا۔

''میں نے تمہیں بہت دکھ دیے حالانکہ اس سارے قصے میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔'' وہ آہستہ سے کہہ رہا تھا۔

''کیا تم ناراض ہو مجھ سے؟''

''نہیں، نہیں۔'' وہ اس کی بات سن کر کسی چھوٹی سی بچی کی طرح جلدی جلدی سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ بالکل بھی نہیں، کبھی بھی نہیں تھی۔'' وہ ہر قیمت پر اسے یہ یقین دلانا چاہ رہی تھی کہ وہ اس سے ناراض ہونے کا گناہ کبھی کر ہی نہیں سکتی۔ وہ بہت قناعت پسند تھی۔ اس کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ وہ ایک چھت تلے اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اسے دیکھ لیتی تھی، اس کی آواز سن لیتی تھی، اس کی زندگی مکمل تھی۔

☆☆☆

اس صبح کا منظر بالکل خواب جیسا تھا بہت خوب صورت اور اتنا ہی ناقابلِ یقین۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اسے گھر کے کسی حصے سے مسلسل کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ''شاید آپی واپس آ گئی ہیں۔'' اس

نے بستر پر لیٹے، لیٹے اندازہ لگایا تھا۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد اس کا رخ باورچی خانے کی طرف تھا۔ مگر اندر کا منظر اس کی توقعات کے بالکل برعکس تھا۔ اس نے دیکھا نیلے رنگ کا ایپرن پہنے عالی بخت کچن میں مصروف تھا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ ناشتا قریباً تیار تھا اور بڑی نفاست کے ساتھ میز پر لگا ہوا تھا۔ پین کیکس بہت نرم اور خوب پھولے ہوئے لگ رہے تھے۔ ان کی تو حسرت ہی رہی تھی کہ اس کا پین کیک روٹی نہ بنے مگر ہر دفعہ نتیجہ ایک ہی ہوتا۔ میز پر تلے اور ابلے ہوئے دونوں طرح کے انڈے بھی موجود تھے۔ بریڈ نہ جلی ہوئی تھی نہ سوکھی ہوئی۔ وہ اس کی تیاریوں کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ یہ سارا اہتمام یقیناً اسی کے لیے کیا گیا تھا۔ اور اگر جو اسے پراٹھے پسند ہوتے تو یہ اونچی ناک والا خود پسند فرات عالی بخت کچن میں کھڑا اس کے لیے پراٹھے بناتا کیسا لگتا؟ یہ سوچ کر ہی اسے ہنسی آگئی تھی۔

''او تم جاگ گئیں۔'' وہ اسے دیکھتے ہی بولا۔

''آؤ یہاں بیٹھو۔'' اس نے میز کے ساتھ موجود کرسی پیچھے کھسکائی تھی۔ وہ اسے باقاعدہ پروٹوکول دے رہا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ اس کے سامنے پُرتکلف ناشتا سجا تھا اور فرات عالی بخت اس کی آزمائش بنا اس کے قریب کھڑا تھا۔ اس کی توجہ، اس کی خوشبو، اس کی شخصیت کا طلسم اس کی ذات کو تہ و بالا کر رہے تھے۔ وہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ کر بھی یقین نہیں کر پا رہی تھی۔

''چائے پیو گی یا کافی؟ میں دونوں ہی بہت اچھی بناتا ہوں۔'' کرسی پر اس کے بیٹھتے ہی اس نے بڑے پروفیشنل انداز میں پوچھا تھا۔ داؤد کی جگہ ہوٹل میں کام کرنے کا تجربہ آج اس کے کام آ رہا تھا۔

''میں خود بنا لیتی ہوں۔'' ماہم کو سخت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

''نہیں آج کا ناشتا میری طرف سے ہے اور اس کی تمام تیاری بھی میرے ذمے ہے۔'' وہ اسے اٹھتے دیکھ کر جلدی سے بولا تھا۔

''آپ میری صلاحیتوں پر کہیں شک تو نہیں کر رہیں؟'' اس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ایک دفعہ مجھے خدمت کا موقع دیں پھر کوئی فیصلہ کریں۔ تو پھر چائے یا کافی؟''

''کافی۔'' ماہم کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

آج وہ کئی دنوں کے بعد اپنے دفتر جا رہا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی پورچ میں کھلنے والی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی جہاں سے وہ ہمیشہ اسے گاڑی میں بیٹھتے اور پھر جاتے ہوئے دیکھتی تھی۔ وہ گاڑی کے پاس پہنچ چکا تھا، سیاہ پینٹ اور آسمانی رنگ کی شرٹ پہنے بال جمائے وہ جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی جیسے دن بھر کے لیے اس کا ایک، ایک نقش حفظ کر کے رکھنا ہو۔ عین اسی وقت اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور شاید مسکرایا بھی تھا۔ جیسے اسے معلوم ہو کہ وہ کھڑکی میں کھڑی اسے دیکھ رہی ہے۔ ماہم کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ اسے کیوں لگ رہا تھا کہ اس کی مسکراہٹ جیسے تمام رازوں سے پردہ اٹھا رہی ہے۔ تو کیا وہ ہمیشہ سے جانتا تھا کہ وہ یہاں سے اسے دیکھتی ہے؟ نہیں، وہ نہیں جانتا تھا۔ اس نے خود کو تسلی دی۔ تو پھر مسکرایا کیوں تھا؟ نہیں، وہ نہیں مسکرایا تھا۔ یہ میرا وہم ہے۔ وہ خود کو طرح، طرح کے جواز دے رہی تھی مگر اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ لگتا تھا ایک، ایک کر کے اس کے سارے راز کھل جائیں گے۔ کئی دن پہلے بھی جب وہ دروازے کے کی ہول سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اچانک چھاپا مارا تھا۔ اور وہ اسے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے پائی تھی۔

صبح جاتے ہوئے وہ اسے کہہ گیا تھا کہ شام کو وہ باہر جائیں گے۔ اور پھر اپنے وعدے کے مطابق وہ جلدی گھر آ گیا تھا۔ ماہم تیار تھی اس نے بہت سوچ بچار کے بعد ہلکے سبز رنگ کے جوڑے کا انتخاب کیا تھا اور اس پر ایک سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔ وہ اسے لے کر گاڑی میں آ بیٹھا تھا اور پھر سب سے پہلے وہ شناختی کارڈ کے دفتر گئے تھے۔

"آپ کا نیا شناختی کارڈ بہت ضروری ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"مگر کس لیے؟" وہ سمجھی نہیں تھی۔ "میرے پاس تو کارڈ ہے۔"

"شاید آپ کو علم نہیں ہے۔" وہ گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے بولا تھا۔ "آپ کا اسٹیٹس بدل چکا ہے۔" اس نے جیسے کوئی نئی اطلاع دی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اس کی حیثیت تسلیم کر چکا ہے۔ ماہم کے دل پر ٹھنڈک سی پڑی تھی۔

تصویریں بن چکی تھیں۔ ڈیسک پر موجود لڑکی اس کا فارم پُر کر رہی تھی۔

"ماہم......" اس کے پوچھنے پر اس نے اپنا نام بتایا تھا۔

"پورا نام؟"

"پورا نام کیا بتائے؟" وہ تذبذب کا شکار تھی۔ بقول فرات کے "اس کا اسٹیٹس بدل چکا تھا۔ نام بھی بدلنا چاہیے یا نہیں؟"

"ماہم عالی بخت۔" وہ یک دم آگے بڑھ کر بولا تھا۔ اور فرات کی آواز نے جیسے اسے اس کی زندگی کا حسین ترین گیت سنایا تھا۔ وہ ساری زندگی بھی یہ نام سنتی رہتی تو بیزار نہ ہوتی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی جسارت نہیں کی تھی۔ کہیں یہ لمحہ، یہ آواز، یہ نام کائنات کے ریکارڈ میں سے غائب نہ ہو جائے۔ اگر یہ خواب ہے تو یہ حسین خواب کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ آج کل وہ سخت وہمی ہو رہی تھی۔

دفتر سے واپسی پر اسے کوئی دوست مل گیا تھا اور وہ اس سے باتوں میں لگا تھا جبکہ وہ گاڑی میں آ کر بیٹھ چکی تھی مگر اس کی نظریں مسلسل باہر کھڑے عالی بخت پر تھیں جیسے وہ ایک لمحے کے لیے بھی اسے نظروں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتی ہو۔ جیسے اس کے کھو جانے کا خوف ہو۔ شام کو گھر آنے کے بعد اس نے کپڑے تبدیل کیے۔ اب وہ ہلکے بھورے رنگ کے شلوار قمیص میں ملبوس تھا اور پاؤں میں سیاہی مائل پشاوری چپل تھے۔ ہوا سے اس کے بال اڑ کر بار، بار اس کے ماتھے پر بکھر رہے تھے۔ ماہم کی نظریں مسلسل اسی پر جمی تھیں۔

آج وہ اپنے آپ پر رشک کرتے نہیں تھک رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ تھا، اس کا ہم سفر تھا۔ اس کی پوری زندگی کا ساتھی تھا۔ جس کے التفات کی ایک نظر پانے کے لیے سیرافینا حلیل زندگی سے گئی تھی۔ آج وہ صرف اسے دیکھتا تھا اور جیسے دیکھتا تھا اسے زمین آسمان کی گردش رکتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اگرچہ کبھی، کبھی وہ پہلے کی طرح اجنبی اور لاتعلق ہو جاتا تھا مگر پھر بھی وہ بہت زیادہ بدل چکا تھا۔ اسے اپنی خوش نصیبی پر ناز تھا۔ ایک پکے کاغذ پر اس کے نام کے ساتھ اس کا نام لکھا تھا بلکہ اب تو دو پر لکھا تھا۔ نکاح نامہ اور شناختی کارڈ، دونوں اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ ان کا تعلق اٹوٹ ہے۔ فرات عالی بخت کو جس حیا اور جس وفا کی تلاش تھی وہ اسے مل چکی تھی۔ اس کی تلاش ختم ہو گئی تھی۔

گھر آنے کے بعد شام کو وہ ماہم سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے خواتین کو تحفہ دینے کا کوئی تجربہ نہیں۔" وہ جیسے ہی نالائقی کا اعتراف کرتے ہوئے بولا تھا۔

"امی، بہنوں کو بھی میں پیسے دے دیتا تھا کہ اپنی پسند کی چیز لے لیں لیکن آج پہلی دفعہ میرا دل کیا کہ میں کچھ خریدوں...... تمہارے لیے۔" اس نے بازو لمبا کر کے سائڈ ٹیبل پر سے ایک ڈبا اٹھا کر اس کے سامنے رکھا جو اس نے معلوم نہیں کس وقت خریدا تھا۔ اس کے کہنے پر ماہم نے اس کا دیا ہوا پیکٹ کھولا تھا ایک بہت ہی خوب صورت پیکنگ میں پرفیوم تھا۔

"کیسا لگا؟" اس نے فوراً پوچھا تھا۔

"اچھا! بہت اچھا۔" وہ بھرپور خوشی سے بولی تھی۔ وہ اس کے لیے کنکر پتھر بھی لے آتا تب بھی وہ اتنی ہی خوش ہوتی۔

"تمہیں چوڑیاں بہت پسند ہیں کیا؟" اب اس کی توجہ اس کی کلائی کی درجن بھر سیاہ اور سرخ چوڑیوں پر تھی۔

"جی۔" اس نے سر ہلایا۔ معلوم نہیں مگر کیوں اسے فرات عالی بخت کی توجہ ہر بار نہ سمجھ میں آنے والی کیفیات سے دوچار کر رہی تھی۔ اسے اپنا آپ اجنبی لگ

digest library.com

رہا تھا۔ تبھی اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی درجن بھر چوڑیوں پر ایک انگلی پھیری تھی۔ اور اسے لگا تھا کمرے کی ہر چیز اس کے گرد گھوم رہی ہے۔ شاید نہیں، چیزیں نہیں گھوم رہی تھیں، وہ خود جھوم رہی تھی۔ بلکہ شاید ساری دنیا ہی گھوم رہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس کے دماغ نے بالکل کام کرنا چھوڑ دیا تھا حالانکہ اس نے اس کی چوڑیوں پر ایک انگلی ہی تو پھیری تھی۔

☆☆☆

انہیں برزبن آئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور وہ پورے ہفتے سے ادھورے کام نمٹاتا پھر رہا تھا یا بچھڑے دوستوں سے ملاقاتیں ہو رہی تھیں۔ اب آپی اور ثبات بھائی کے ساتھ بھی اس کا رویہ ٹھیک تھا۔ وہ ثبات بھائی کے گھر پر ہی رہ رہے تھے۔ روانگی سے پہلے امی بھی ان سے ملنے آئی تھیں۔

''اب اپنے بابا سے بھی راضی ہو جاؤ۔'' انہوں نے اس سے کہا تھا۔

''دیکھو ہم نے جو کچھ بھی کیا ہو سکتا ہے غلط ہی کیا ہو مگر صرف اور صرف تمہاری محبت میں کیا۔ تم ہم ماں باپ کی مجبوریاں تب سمجھو گے جب تم خود باپ بنو گے۔'' اس نے ان کی باتوں کا کوئی جواب تو نہیں دیا تھا مگر ماہم جانتی تھی اچھا وقت اب دور نہیں تھا۔

یہاں آکر اس کی پرانی یادیں پھر سے تازہ ہو گئی تھیں۔ اس نے داؤد کو یاد کیا تھا۔ اگرچہ وہ اس کے ساتھ مستقل رابطے میں تھا لیکن ملاقات ہوئے جیسے ایک زمانہ ہو گیا تھا۔ اس پر اب اپنے پورے خاندان کی ذمے داری تھی۔ آسٹریلیا سے جانے کے کچھ عرصے کے بعد اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس کی واپسی کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ یوں پاکستان کا جدی پشتی، سچا سپاہی دنیا چھوڑ گیا تھا۔ داؤد نے بتایا تھا کہ موت سے عین پہلے بھی وہ پاکستان ہی کی باتیں کر رہے تھے جو اُن کا اور ان کے آباؤ اجداد کا خواب تھا۔ خواب جو کبھی نہیں مرتے۔ پاکستان ایک نظریہ تھا جسے ہمیشہ زندہ رہنا تھا۔ انہوں نے کہا تھا پاکستان زمین کے کسی ٹکڑے، علاقے یا کچھ لوگوں کا نام نہیں ہے۔ پاکستان ایسا خواب ہے ایک ایسا نظریہ ہے جو مر سکتا ہے نہ ختم ہو سکتا ہے، ان شاء اللہ۔ دشمن کی نظر میں ہم صرف مسلمان ہیں اور پاکستانی ہیں۔ بنگالی، بلوچی، پنجابی، سندھی اور پٹھان نہیں۔ یہ لفظ ہمیں تقسیم کرنے کے لیے اور ناجائز فائدے اٹھانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ کبھی دشمنوں کی طرف سے اور کبھی نادان دوستوں کی طرف سے۔ قومیت، لسانیت، صوبائیت یہ سارے بدبودار گٹر ہیں۔ انہیں نوجوان نسل سے پوری امید ہے کہ وہ ان گٹروں کے قریب سے بھی نہیں گزریں گے۔

وہ ایک عرصے سے حارث نضال سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر یہ صرف ایک کوشش ہی تھی جو کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں صرف اتنی اطلاع ملی تھی کہ جس آخری جگہ اسے آخری بار رپورٹنگ کرتے ہوئے دیکھا گیا تھا وہاں پر اسرائیلی بمباری کے نتیجے میں کئی عمارتیں گر گئی تھیں پھر اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اس کو اسرائیلی فوجی اغوا کر کے لے گئے تھے جبکہ کچھ کا خیال تھا کہ وہ وہیں کہیں کسی عمارت کے ملبے تلے موجود تھا شاید زندہ یا پھر شاید......

اس نے آخری بار جاتے ہوئے کہا تھا اگر میری موت کی اطلاع ملے تو مجھ پر رونا نہیں مسکرانا۔ فرات نے اپنا عہد نبھایا تھا وہ آج تک اس پر رویا نہیں تھا کیونکہ وہ آج تک کبھی اس کی موت کا یقین ہی نہیں کر پایا تھا۔

☆☆☆

سارے ضروری کام کرنے کے بعد اب وہ فارغ تھا اور ماہم کو مختلف جگہوں پر گھماتا پھر رہا تھا۔ ''کیا لارین یہیں دفن ہے۔'' اسی دوران ایک دن وہ قبرستان کے سامنے سے گزر رہے تھے تب ماہم نے پوچھا۔ اور فرات نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''کیا میں لارین کی قبر پر جا سکتی ہوں؟'' گزرتے، گزرتے اچانک ہی ماہم کو خیال آیا تھا اور

اس نے پوچھ لیا تھا۔ فرات نے بغیر کچھ کہے گاڑی قبرستان کے دروازے کی طرف موڑ لی تھی اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ لارین کی قبر پر پہنچ چکے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے لارین جہاں دفن تھی اس جگہ کا راستہ اس کے دل پر بنا ہوا تھا۔ اس کی قبر ڈھونڈنی ہی نہیں پڑی تھی۔ وہ فوراً اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ گئے تھے۔ ماہم نے ہاتھ اٹھا کر اس کے لیے دعا کی تھی۔ اس دوران اس کی نظر قبر پر موجود پھولوں پر پڑی تھی۔ کچھ پھول تو بالکل تازہ تھے جیسے کسی نے آج ہی رکھے ہوں۔

"یہ پھول یہاں کس نے رکھے ہوں گے؟" وہ پوچھ بیٹھی تھی کیونکہ لارین کی ماں اب تک اسپتال میں تھی باپ اور بھائی جیل میں۔ لیکن پوچھتے ہی اسے سمجھ آ گئی تھی۔ فرات کے جواب کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ ظاہر ہے یہ پھول اس نے ہی رکھے تھے اس کے سوا کون تھا جو لارین کی قبر کو پھولوں سے سجاتا۔ شاید وہ یہاں روز آتا تھا، صبح شام آتا تھا۔ وہ اداس ہو گئی تھی۔ اس کا دل چاہا اس قبر میں لارین کے بجائے وہ ہوتی تو فرات کی یہ ساری محبت، یہ سارے پھول اس کے ہوتے ہیں مگر عجیب بات یہ تھی اسے لارین سے کوئی حسد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ لارین انجیل سچ مچ انجیل بن چکی تھی اور فرشتوں سے کیا حسد کرنا۔

دعا کے بعد واپس آ کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے دیکھا ماہم کا چہرہ اترا ہوا تھا مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔ ابھی کل کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تازہ تھا۔ وہ لارین کی قبر پر شاید آخری بار آیا تھا پھر اس کی واپسی قریب تھی۔ اس نے وہاں بیٹھ کر وہ ساری باتیں اس سے کی تھیں جو اس کی زندگی میں نہیں کہہ پایا تھا۔ وہ ساری تکلیف، وہ ساری اذیت جو اس نے چپ چاپ اپنے اندر اتار لی تھی کہہ ڈالی تھی۔ دکھ اور اذیت کے جن صحراؤں میں وہ تنہا ننگے پیر چلا تھا ان صحراؤں کی کہانی بھی اس نے سنائی تھی اور ادھوری محبت کے قصے بھی۔ اس کے دل پر سے بوجھ ہٹ گیا تھا۔ اس نے خواب میں اسے امن، محبت اور سکون کے اسی جزیرے پر دیکھا تھا جس کی اسے ہمیشہ سے تلاش تھی۔ اس کا خواب جھوٹا نہیں تھا۔ اس بات کا اب اسے یقین آ گیا تھا وہ جہاں بھی تھی خوش تھی، بہت خوش۔

"یہاں ہر جگہ تمہاری یادیں بکھری ہیں۔" وہ دل ہی دل میں لارین سے مخاطب تھا۔ "یہاں رہ کر میں خود کو کبھی ان یادوں سے سے نہیں نکال پاؤں گا اور مجھے نئے رشتے اور نئی ذمے داریاں آواز دے رہی ہیں۔ میں چاہوں یا نہ چاہوں ان سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ مجھے زندگی کی طرف لوٹنا ہو گا مگر میں یہ بھی جانتا ہوں میں جب تک زندہ ہوں اور میری سانسیں چل رہی ہیں تمہاری یاد میرے دل سے لگی قطرہ، قطرہ پگھلتی رہے گی، آنسو بہاتی رہے گی۔" وہ وہاں بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا تھا۔ کہیں پڑھے ہوئے کچھ لفظ اسے بہت یاد آ رہے تھے۔

رات اور دن کی مسافت میں
صدی آن بسی
زرد رنگوں میں اٹی سرد ہوا
بھٹکے ہوئے سائے کے مانند چلی آہستہ
پیڑ کی چھال میں جو رویا بھرم سبزے کا
ٹھہرا ٹھہرا سا لگا لمحۂ ویراں ہر سو
دکھ کی ایک، ایک گھڑی چمکی، چلی آہستہ
جب بھی ٹکرا کے تیری یاد سے غم پلٹا ہے
دل کی دیوار سے
لگ، لگ کے
ہر ایک شام ڈھلی
آہستہ

☆☆☆

سمندر بہت پُرسکون تھا۔ ہلکورے لیتا، ساحل پر پھیلتا پھر سمٹتا۔ ہوا میں خوشگوار ٹھنڈک تھی۔ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اس کی کرنیں پانی کو انوکھے رنگ دے رہی تھیں۔ پرندے قطار اندر قطار رزق کی تلاش میں اڑے جا رہے تھے۔ پاؤں کے نیچے ٹھنڈی ریت اسے بہت سکون دے رہی تھی۔ سارا منظر بہت خوب صورت بھی تھا اور مکمل بھی۔ یہ ساحل، اس پر طلوع ہوتی صبح،

digest library.com

ٹھنڈی ہوا، نیلے سمندر پر چہچہاتے سفید پرندے اور ان سب سے بڑھ کر اس حسین منظر میں ساحل پر بھاگتا دوڑتا فرات عالی بخت۔

سب کچھ خواب جیسا تھا۔کبھی، کبھی وہ سخت.... بے یقین ہو جاتی۔اسے اس خواب سے ڈر لگنے لگتا۔کہیں اس کی آنکھ کھل نہ جائے۔کہیں وہ سب کچھ کھو نہ دے۔ مگر پھر جب وہ اسے دیکھ کر مسکراتا اس سے بات کرتا اس کے سارے اندیشے کہیں دور چلے جاتے۔اس زندگی کا اور اس کی خوب صورتیوں کا یقین آنے لگتا۔

کچھ دیر بعد وہ بھی اس کے سامنے آبیٹھا تھا۔اس کی سانس تیز تھی اور رنگ سرخ۔اس کی نظریں ماہم پر جمی تھیں۔جتنا عرصہ اس نے اسے نظر انداز کیا تھا اب وہ اسے اتنا ہی زیادہ دیکھتا تھا اور گزرے وقت کی تلافی کرتا تھا۔

''کل قبرستان سے واپسی پر تم کچھ اداس تھیں۔'' سانسیں بحال ہونے پر وہ بولا تھا۔

''نہیں تو......'' وہ انگلی سے ریت پر لکیریں بناتے ہوئے بولی تھی۔وہ آج بھی اس کی موجودگی میں سخت نروس ہو جاتی تھی۔

''وہ جا چکی ہے۔'' وہ دور کہیں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''لیکن تم موجود ہو۔'' اب وہ چہرہ موڑے اسے ہی غور سے دیکھ رہا تھا۔

''میری زندگی میں، میرے گھر میں اور میرے دل میں بھی۔اور یہ سب تمہارا کمال ہے۔کیونکہ تم نے محبت، ایثار اور صبر جیسے ہتھیاروں سے میرے غصے اور نفرت کو شکست دے دی۔میرے لوٹ آنے کی ایک وجہ تمہاری وفا اور محبت بھی ہے۔'' ماہم نے دیکھا اس کے چہرے پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ تھی اور گال پر قاتل گڑھا۔اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کے پاس کسی طرح کا کوئی ہتھیار بھی ہے۔وہ تو بس اتنا جانتی تھی کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے۔اس کے پاس رہنے میں زندگی ہے اور اس سے دور موت۔

''میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ یقین سے کہہ رہا تھا۔''کیونکہ تم نے مجھے نہیں چھوڑا۔تم نے صبر کے ساتھ میری خامیوں کو برداشت کیا اور میری خوبیوں کے ظاہر ہونے کا انتظار کیا۔تم نے مجھے اور میرے ساتھ بے تعلق کو ہر چیز سے اہم سمجھا۔ایسا ہی ہے ناں؟'' وہ اسے جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز، اس کا اقرار سننا چاہتا تھا۔

''ہوں۔'' وہ اسی طرح گھٹنوں پر سر رکھ کے مسکرائی تھی۔اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت آج بھی نہیں تھی۔

''تو تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی تھی!'' اچانک الفاظ کے ساتھ اس کا لہجہ بھی بدل گیا تھا۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔'' اس نے بے نیازی سے جواب دیا تھا۔

''تو پھر چھپ، چھپ کر دیکھتی کیوں تھیں؟''

اُف تو وہ جانتا تھا، ہمیشہ سے جانتا تھا۔اسے تو پہلے ہی شک تھا کہ اس کے سارے راز جان چکا تھا۔یہ سوچ کر ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔وہ بہت کچھ بول رہا تھا۔وہ ساری باتیں کہہ رہا تھا جو آج سے پہلے کبھی نہیں کہی تھیں۔وہ ایک سُرور کی کیفیت میں سن رہی تھی۔اس کا ایک، ایک لفظ دل میں اتار رہی تھی۔ ہاں وہ وہی تو تھا جسے اس نے اس قدر شدت سے چاہا تھا کہ اپنا آپ بھلا دیا تھا۔یہ وہی تو تھا جسے اس نے ہزاروں بار خوابوں میں دیکھا تھا۔وہ بدل گیا تھا صرف اور صرف اس کے لیے بدل گیا تھا۔وہ خود پر جتنا بھی ناز کرتی کم تھا۔وہ جو اسے آسمان کی طرح اونچا اور آسمان ہی کے جتنا دور لگتا تھا۔آج وہی آسمان اپنے سارے سورج، چاند، ستاروں سمیت اس پر جھک آیا تھا۔

اس خوب صورت کہانی ''ساحل'' کا بظاہر تو اختتام ہو گیا ہے مگر اس کے ذریعے پھیلایا گیا خوب صورت پیغام کسی نہ کسی انداز میں آگے پھیلتا رہے گا، ان شاء اللہ۔

خمیازہ

فرحت جبیں

DigestNovels.com
Digest Novels Lovers Group ❤️❤️

میں نے آج اسے دیکھا تھا اور زندگی جیسے پھر سے پچھتاوا بن کر سلگنے لگی۔ بہت سال پہلے کیے گئے اپنے فیصلے پر ایک بار پھر سے دل کیا کہ رو دوں اور ایسا روؤں کہ پھر میرے پاس بہانے کو آنسو نہ بچیں۔

وہ خوشبوؤں میں بسی، تک سک سے تیار ہوئی اپنی گاڑی سے نکل رہی تھی۔ میں نے اسے سات سال پہلے... اسی کی شادی پر دیکھا تھا۔ پہلی بار اور آخری بار......اب سات سال بعد پھر سے دیکھ رہی تھی۔ وہ

اب بھی پہلے جیسی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ اسٹائلش اور دلکش جتنی وہ شادی پر تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر اس کا ڈرائیور تھا۔

''تو ارسلان اتنی ترقی کر چکا ہے۔'' میں جانتی تھی کہ وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکا ہے لیکن اتنے سالوں بعد پہلی بار اب اس کی خوشحال زندگی اور ترقی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ پوری فیملی اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتی تو میرے اندر جلتا الاؤ جیسے اور بھی بھڑکنے لگتا۔ یہ وہ مقدر تھا جو میرا تھا اور جسے میں نے اپنے ہاتھوں خود تباہ کیا تھا۔ اپنی تقدیر خود لکھنا چاہی تھی اور اپنی تدبیر سے ایسی تقدیر چنی تھی کہ جس کا احساسِ زیاں اب تک نہیں جاتا تھا اور شاید کبھی جاتا بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

ارسلان میرا تایا زاد اور وہ کزن تھا جس سے میں سب سے زیادہ چڑتی تھی۔ عمر میں مجھ سے دو سال ہی بڑا تھا لیکن اس کی ذہانت اور قابلیت میرے لیے وبالِ جان بن گئی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے میرے گھر میں ایک ہی بات دُہرائی جاتی کہ ''ارسلان کو دیکھو، ارسلان سے سیکھو۔'' اس سے سیکھنا اور دیکھنا تو دور کی بات میں اس پر تھوکنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ بچپن سے ہی میں اس سے چڑتی تھی اور یہ بات امی، ابا جانتے تھے پھر بھی انہوں نے تایا کے ارسلان کا رشتہ لانے پر مجھ سے پوچھے بغیر ہاں کر دی تھی۔ امی میرا کوئی اعتراض سننے پر آمادہ نہیں تھیں۔ ان کے لیے میری ناپسندیدگی اہم تھی نہ ہی پسند...... بھلا کوئی اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا بھی کرتا ہے جیسا میرے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ شادی میری تھی اور پسند ان کی۔ ان دونوں کے نزدیک یہ رشتہ ان کی بیٹی کے لیے بہترین تھا اور اس سے اچھا میرے لیے کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ میری کوئی مزاحمت کسی کام نہیں آنی تھی اسی لیے میں نے زیادہ احتجاج بھی نہیں کیا۔ باضابطہ طور پر نہ سہی لیکن میرا رشتہ ارسلان سے طے کر دیا گیا تھا۔ شاید وقت کے ساتھ میں اس رشتے کو قبول کر ہی لیتی اگر میری زندگی میں عدیل نہ آیا ہوتا۔

عدیل جسے میں پسند کرتی تھی بلکہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ وہی پسند جو ارسلان کا رشتہ آنے پر کہیں بیچ میں ہی رہ گئی تھی۔ عدیل اور میں ایک ہی اکیڈمی میں پڑھتے تھے اور وہیں ہماری محبت کا آغاز ہوا تھا۔ عدیل کو میں نے اپنی منگنی کا بتا دیا تھا۔ وہ مجھے تسلی دیتا رہا کہ وہ کچھ کرتا ہے لیکن وہ کیا کر سکتا تھا۔ وہ مالی طور پر مستحکم نہیں تھا اور اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں بھی وقت لگنا تھا۔ ویسے تو ارسلان بھی ابھی پڑھ رہا تھا لیکن ظاہر ہے کہ وہ گھر کا بچہ تھا اور ابا نے اپنے خون پر کسی راہ چلتے کو کبھی فوقیت نہیں دینا تھی وہ بھی جو ان کی بیٹی کی پسند ہو۔ میں نے بظاہر صبر کا گھونٹ پی لیا تھا لیکن اندر سے جیسے اس صبر نے میرے وجود میں زہر بھر دیا تھا۔ اب جو کچھ کرنا تھا مجھے خود ہی کرنا تھا۔ میرا ذہن دن رات اسی پر کام کرتا تھا کہ کچھ ایسا ہو جائے کہ مجھے ارسلان سے نجات مل جائے اور عدیل میرا مقدر بن جائے۔

ارسلان کی انجینئرنگ مکمل ہونے کی دیر تھی کہ تایا' تائی نے باقاعدہ منگنی کا شور ڈال دیا۔ امی، ابو کشمکش و پیچ میں مبتلا تھے۔ میرے اندر سے کوئی چلا رہا تھا کہ انکار کر دو لیکن میں انکار کچھ اس انداز سے کرنا چاہتی تھی کہ مجھ پر بات بھی نہ آئے اور یہ رشتہ بھی ختم ہو جائے۔

اس رات ابا دکان کے کام سے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے جب میں نے امی سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں رات کو امی کے کمرے میں گئی اور جاتے ہی میں نے رونا شروع کر دیا۔

''مجھے کچھ بتاؤ تو عارفہ ہوا کیا ہے؟'' امی میرے رونے سے پریشان ہو گئی تھیں۔

''مجھے ارسلان سے شادی نہیں کرنی امی...... آپ اس رشتے سے منع کر دیں۔'' میں نے روتے ہوئے کہا۔

''لیکن کیوں......؟ کوئی وجہ تو ہوگی...... ہم سب کتنا خوش ہیں اس رشتے سے...... پھر اب ایک دم کیا ہوا......؟'' اور امی کو کیا بتاتی کہ میں تو کبھی اس رشتے سے خوش تھی ہی نہیں۔

"ارسلان مجھ سے فون پر غلط باتیں کرتا ہے امی...... وہ اچھے کردار کا نہیں ہے۔" امی میری اس بات پر منہ کھولے حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ کوئی ارسلان کے لیے ایسے بھی کہہ سکتا ہے وہ بھی ان کی اپنی بیٹی......

"امی وہ مجھے کہتا ہے کہ میں رات میں چھت پر اس سے جا کر ملوں...... اس کے ساتھ وقت گزاروں تو وہ مجھ سے شادی کرے گا۔ مجھے میری عزت بہت پیاری ہے امی...... وہ میری عزت کا کسی طور محافظ نہیں ہے۔ آپ ایسے شخص کے پلے مجھے کیسے باندھ سکتی ہیں جسے اپنی خاندان کی اس لڑکی کی عزت کا پاس نہیں جس سے اس کی شادی ہونی ہے۔" میں نے بے تحاشا روتے ہوئے امی سے سب کہا تھا۔ امی سے تو کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ وہ اس قدر شاکڈ رہ گئی تھیں یہ سب سن کر...... بس انہوں نے مجھ روتی بلکتی کو گلے سے لگالیا تھا۔ اس سے زیادہ انہوں نے تسلی کے لیے کچھ نہیں کہا...... میری حمایت میں نہ ہی میری مخالفت میں۔ میں امی کے ذہن تک نہیں پہنچ سکی کہ انہوں نے میری بات کا یقین کیا بھی ہے یا نہیں...... کیا وہ اس رشتے کو ختم کرانے میں میری مدد کریں گی بھی یا اتنی بڑی بات کو دبا دیں گی۔ بس میں رو دھو کر امی کو اسی گومگو کی کیفیت میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

میرا لگایا الزام کیا قیامت ڈھائے گا یہ مجھ پر دو دن بعد تب کھلا جب ابا نے تایا اور ارسلان کو بلا کر صحن میں بٹھا رکھا تھا اور خود غصے میں اونچا، اونچا چلا رہے تھے۔ میں صحن میں کھڑے چلاتے ابا اور تایا کی آوازوں پر ہی اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔ ابا غصے سے میرے لگائے سارے الزامات تایا اور ارسلان کے منہ پر مار رہے تھے اور تایا غصے سے اس سب کی مخالفت اور بیٹے کی حمایت کر رہے تھے۔ ارسلان بالکل خاموش اور ساکت بیٹھا سب سن رہا تھا۔ اس لمحے مجھے اس پر بہت ترس آیا لیکن یہ ترس کھانے کا وقت نہیں تھا۔ اگر اس وقت میں اس پر ترس کھانے بیٹھ جاتی تو ساری زندگی پھر خود پر ترس کھاتی رہتی۔

"یہ اس قدر گرے ہوئے کردار کا مالک ہوگا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنے گھر کی عزت کو ایسے...... بے عزت کرے گا اور ایسے انسان کو میں اپنی بیٹی دے دوں یہ کبھی نہیں ہوسکتا......" ابا کے لہجے میں ان لوگوں کے لیے حقارت در آئی تھی۔

"تم بولتے کیوں نہیں ارسلان......؟ کیا تم نے یہ سب کہا ہے؟" تایا اب کی بار ارسلان کی جانب مڑے تھے۔ وہ اس سے صفائی چاہتے تھے۔

"مجھ سے خدا کی قسم لے لیں جو میں نے کبھی عارفہ کو ایسا میسج یا کال کی ہو میں نے تو کبھی اس سے

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں گھر بیٹھے حاصل کریں
جاسوسی، ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 3000 روپے
بیرون ممالک کے لیے زر سالانہ 50,000 روپے
بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں
رابطہ:
مرزا ثمر عباس
0301-2454188
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی
مین کورنگی روڈ۔ کراچی

digest library.cim

بات ہی نہیں کی جب سے یہ رشتہ طے ہوا ہے۔'' وہ اپنی صفائی دے رہا تھا۔ اس خدا کی قسمیں کھا رہا تھا جس سے وہ خوف کھاتا تھا اور میں بے خوف ہو چکی تھی۔

''تو میری بیٹی کیا جھوٹی ہے......؟ اس کے آنسو جھوٹے ہیں؟'' ابا غصے سے پھنکارے تھے۔

''آپ بلائیں عارفہ کو...... ہمارے سامنے وہ یہ سب الزام دُہرائے جو وہ آپ لوگوں کے سامنے لگاتی رہی ہے۔'' تایا بھی ابا سے کسی طور کم نہیں چلا رہے تھے۔

اپنا نام سن کر مجھے اپنی سانس رکتی محسوس ہوئی جو الزام میں نے امی کے سامنے روتے ہوئے اتنی آسانی سے لگا دیا تھا۔ وہ سب کے سامنے دُہرانا کتنا مشکل تھا مجھے اب پتا چل رہا تھا۔ ابا نے غراتے ہوئے مجھے آواز دے ڈالی۔

میں کپکپاتی ہوئی ٹانگوں سے باہر سب کے سامنے گئی تھی۔

اب جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ مجھے مزید ہمت پیدا کر کے اسی الزام پر ڈٹے رہنا تھا۔ بس تھوڑی سی ہمت دکھانا تھی، تھوڑا سا اور بے خوف اور بے رحم ہونا تھا اسی میں میری بقا اور اس رشتے سے نجات تھی۔

''بتاؤ سب کو یہ تمہیں کیا کہتا رہا ہے؟'' مجھے سر جھکائے دیکھ کر ابا نے سوال کیا تھا۔

''یہ...... یہ مجھ سے غلط مطالبے کرتا ہے۔ مجھ سے اکیلے میں رات کو ملنے کا کہتا ہے...... اپنے ساتھ......''

اس سے آگے میری زبان نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور میں منہ چھپا کر رو دی تھی۔ ابا نے آگے بڑھ کر مجھے گلے لگا لیا تھا اور خونبار نگاہوں سے ارسلان کو گھورنے لگے۔ میرے رونے پر تایا بھی کچھ کمزور پڑ گئے تھے۔ انہوں نے ارسلان کو گھور کر دیکھا جیسے اس سے اس سب کی جواب طلبی چاہتے ہوں۔

''یہ جھوٹ بول رہی ہے۔ ابو جی مجھ سے قسم اٹھوالیں۔ میں اتنی گری ہوئی بات نہیں کر سکتا۔'' وہ تایا کے آگے بے بسی سے چلایا تھا۔ عورت کے جھوٹے آنسوؤں نے ایک مرد کی سچائی کو نگل لیا تھا۔ اب اسے کس نے سننا تھا مجھے سننے کے بعد......؟

''خبردار جو میری بچی کو جھوٹا کہا...... میں زبان کھینچ لوں گا تمہاری......'' ابا جارحانہ انداز میں اسے تنبیہ کرتے ہوئے چلائے تھے۔

''ہمیں ایسی جگہ رشتہ نہیں کرنا بھائی صاحب جہاں میری بچی کو ایسے بے عزت کیا گیا ہو...... یہ اس کی عزت کا رکھوالا ہونا چاہیے تھا۔ الٹا اس کی عزت کو نیلام کر رہا ہے۔ میری عزت کا راہزن بن رہا ہے۔ مجھے ایسے گھر میں اپنی بیٹی نہیں دینا۔ برائے مہربانی چلے جائیں یہاں سے اس سے پہلے کہ میں آپ کی عمر اور رشتے کا لحاظ کھو دوں......'' تایا کچھ دیر خاموش کھڑے رہے اور پھر اسی خاموشی سے گھر کی دہلیز پار کر گئے۔ ارسلان بھی ان کے ساتھ تھا۔ میرے اندر ایک گونہ سکون اتر آیا تھا۔

آہستہ آہستہ سارے خاندان میں بات پھیل گئی کہ میرا اور ارسلان کا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ وجہ ابا اور تایا میں سے کوئی بھی بتانے کو تیار نہیں تھا سو بات انہی دو گھرانوں میں دفن ہو گئی تھی۔ اس دن کے بعد سے دونوں خاندانوں میں بات چیت بند ہو کر رہ گئی تھی لیکن مجھے اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ میرا تو مقصد پورا ہو چکا تھا۔

☆☆☆

عدیل سے میں بارہا کہہ چکی تھی کہ وہ اپنے والدین کو ہمارے ہاں بھیجے...... لوہا گرم تھا، چوٹ کارگر ثابت ہوتی۔ بیٹی کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔ ایسے میں فوراً سے کہیں اور سے رشتہ آجانا ماں، باپ کے لیے ڈھارس کا کام دیتا ہے لیکن عدیل تھا کہ پس و پیش کا شکار تھا۔ تبھی پھوپی کی زبانی پتا چلا کہ ارسلان کا رشتہ تائی کی بھانجی سے طے ہو گیا ہے۔ اس دن میں نے دیکھا تھا کہ امی کی آنکھیں روئی، روئی سی تھیں اور ابا کی کمر مزید جھک گئی تھی۔ جیسے یہ خبر ان کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھی۔ اور کچھ عرصے کی خاموشی کے بعد جو خبر مجھ پر قیامت بن کر گزری تھی وہ عدیل کی فون کال تھی جس میں اس نے بتایا تھا کہ اس کے گھر والے کسی بھی ایسی لڑکی سے اس کی شادی کے لیے آمادہ نہیں ہیں جو سراسر ان کے بیٹے کی پسند ہو...... اس کی امی اپنی برادری میں ہی اس کا رشتہ ڈھونڈ رہی تھیں۔

''میں نے تمہارے لیے اتنا سب کیا اور تم اپنے

گھر والوں کے سامنے میرے لیے کھڑے نہیں ہوسکے۔''

''میں مجبور ہوں...... امی خاندان سے باہر میری شادی پر نہیں مان رہیں...... میں ان کے خلاف جا کر تم سے شادی نہیں کرسکتا۔''

''جب محبت کی تھی تب یہ سب کیوں نہ سوچا عدیل؟''

''مجھے نہیں پتا تھا کہ امی اس طرح اپنی بات پر ڈٹ جائیں گی۔ مرنے مارنے کی دھمکیاں دینے لگ جائیں گی تم سے شادی کر کے میں اپنی ماں کا دل نہیں توڑ سکتا۔ میں خوش نہیں رہ پاؤں گا۔''

میں نے عدیل کی بہت منتیں کیں...... اس کے کیے وعدے یاد دلائے لیکن وہ ہر کمزور مرد کی طرح اپنی مجبوریوں کے رونے روتا رہا۔ یہ تھی میری اور میری محبت کی اوقات...... یہ دکھ جیسے میری جان کو ہی لگ گیا۔ میں بالکل خاموش اور چپ ہوکر گئی اور امی، ابا کو لگتا تھا کہ میں نے ارسلان سے رشتہ ٹوٹنے کو اتنا دل پر لے لیا ہے کہ میں خاموش ہو کر رہ گئی ہوں...... اب میں انہیں کیا بتاتی کہ میری زبان پر تالا کیوں لگ گیا ہے۔

انہی دنوں ابا کی کزن بانو پھوپھو اپنے بیٹے کا رشتہ میرے لیے لائی تھیں۔ ابا نے حالات اور میری حالت کے پیش نظر یہ رشتہ قبول کرلیا تھا۔ امی کو بھی یہی لگتا تھا کہ شادی ہی وہ واحد حل ہے جو مجھے اس صدمے سے باہر لاسکتا ہے۔ یوں میری شادی امجد سے ہوگئی جو ایک پرائیوٹ ادارے میں ملازم تھا۔ میری شادی پر تایا کی ساری فیملی اپنے سارے شکوؤں اور گلوں کو بھلا کر آگئی تھی۔ امی کے نزدیک یہ ان کا بڑا پن تھا۔

امجد سے شادی جتنی آسان ثابت ہوئی تھی اس کے ساتھ زندگی گزارنا کہیں گنا مشکل ثابت ہورہا تھا۔ ان کے گھر کے حالات مجھے اس گھر میں رہ کر پتا چلنا شروع ہوئے تھے۔ امجد کی تنخواہ اتنی بھی نہیں تھی کہ اس میں مہینہ گزر سکے، کچھ جوڑنا تو الگ بات تھی۔ میں ایک بہتر زندگی سے بدتر زندگی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ مہینے کے آخر میں وہ ادھار مانگ کر گھر کا خرچا چلاتے تھے۔ میں کس منہ سے اب اپنے ماں باپ سے شکوہ کرتی کہ انہوں نے مجھے کس انسان سے بیاہ دیا تھا جو میری بنیادی ضروریات بھی پوری نہیں کرسکتا تھا۔ جس منہ سے کسی بے گناہ پر الزام لگائے تھے اب وہ جیسے ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا تھا۔ جس شادی کو وہ میرے لیے بہتر سمجھتے تھے اسی نے مجھے مزید خاموش کردیا تھا۔ لیکن یہ شادی سے کہیں زیادہ میرے اندر کا وہ پچھتاوا تھا جو مجھے چین سے رہنے نہیں دیتا تھا۔ ارسلان کی اچھی نوکری، ترقی کی خبریں مجھ تک پہنچ ہی جاتی تھیں اور وہ دن کیا اس جیسے سارے دن ہی میرے اندر کی آگ میں جلتے بلتے گزرتے تھے۔ جیسی زندگی میں گزار رہی تھی اب ویسی ہی میری اولاد کو بھی گزارنا تھی۔

میری شادی کے ایک سال بعد ہی ارسلان کی شادی تھی۔ میں نے اس کی شادی میں شرکت کی تو نہ جانے کیوں مجھے اپنی کی گئی زیادتی اور بھی بری طرح یاد آنے لگی۔ شادی بے حد دھوم دھام سے کی گئی تھی۔ ارسلان اور اس کی بیوی ایک آئیڈیل جوڑے کے مانند اسٹیج پر بیٹھے تھے۔ وہ ہنس رہے تھے، مسکرا رہے تھے، ایک ساتھ بے حد خوش تھے۔ میرے اندر سے آواز ابھری کہ یہ تو میری جگہ ہونا تھی جہاں آج ارسلان کی بیوی ہانیہ بیٹھی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے ارسلان کا موازنہ امجد سے کیا تو مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ ارسلان ہر لحاظ سے امجد سے بہتر تھا لیکن یہ سب تو میں نے اپنے ہاتھوں ہی کھویا تھا، وہ بھی عدیل کے لیے جو اتنی آسانی سے مجھے آدھے راستے میں ہی چھوڑ گیا تھا۔ بہتر کو چھوڑ کر میں نے اپنے لیے کیا چنا تھا......؟ پھر ساری زندگی میرا یہ پچھتاوا اور اندر کی آگ بجھ نہ سکی۔ میں نے سات سال اسی پچھتاوے کی نذر کردیے اور آج ہانیہ کو ایک شاندار گاڑی سے ہنستے مسکراتے دو پیارے بچوں کے ساتھ نکلتے دیکھ کر میرا دل پکار اٹھا تھا کہ یہ اس صبر کا پھل ہے جو ارسلان جیسے بے گناہ نے اپنے اوپر لگنے والے بے بنیاد الزام کی صورت کیا تھا اور میں اسی لگائے گئے الزام کا خمیازہ اتنے سالوں سے بھگت رہی ہوں اور آگے بھی معلوم نہیں کب تک بھگتتی رہوں گی۔ میں اپنا دنیاوی تو کیا روحانی سکون بھی کھو چکی تھی۔

سلسلے وار ناول

آزمائش محبت کی اور حوصلہ وفاداری کے لیے بنیادی شرط ہے، پیار کی کٹھن راہوں اور الفت کے خاردار راستوں پر چلتے ہوئے وفا کی منزلوں کو سر کرنا، اور محبت کی معراج تک پہنچنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ انسان کو قدم قدم پر اپنا حوصلہ آزمانا پڑتا ہے، آزمائش کے تپتے ہوئے ریگزاروں سے گزرنے کے دوران اگر حوصلہ ہی ساتھ چھوڑ جائے تو لوگ مر بھی جاتے ہیں لیکن کچھ خوش قسمت ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اگر مر بھی جائیں تو ان سے وابستہ تعلق اور رشتے ان کے بعد بھی سلامت رہتے ہیں اور کچھ حرماں نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو اپنی زندگی میں ہی رشتوں کو مرتا، بدلتا اور پرایا ہوتے دیکھتے ہیں اور محبتوں کا تعلق جب کچے دھاگے میں پروئی ہوئی مالا کی طرح ٹوٹتا ہے تو لوگ بظاہر مرتے تو نہیں، مگر زندہ بھی نہیں رہتے، بس اپنے ان کہے دکھوں کا بوجھ اپنے شانوں پر اٹھائے کسی بے جان لاشے یا کسی بے چین روح کی طرح ہمارے ارد گرد بھٹکتے پھرتے ہیں بظاہر وہ عام لوگوں کی طرح ہنستے ہیں مسکراتے ہیں، خوش دکھائی دینے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم ان کی زندگی کی چمک سے محروم آنکھوں کے باوجود اور ان کے مصنوعی بلند قہقہوں کے باعث ان جیتی جاگتی، چلتی پھرتی زندہ لاشوں نما لوگوں کو پہچان نہیں پاتے، اور اگر پہچان بھی لیں تو ان کے بے روح وجود میں دوبارہ زندگی کی رعنائیاں بھرنے سے قاصر رہتے ہیں، اور جو ایسا کرجائیں تو وہی دراصل محبتوں کو امر کرنے اور امر ہونے کا ہنر جانتے ہیں۔

ایک خط جو تو نے کبھی لکھا ہی نہیں
میں روز بیٹھ کے اس کا جواب لکھتا ہوں

digest library.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

مرحا کی اچانک موت سب کے لیے صدمے کا باعث بن جاتی ہے۔ کل جس گھر میں شادی ہونا تھی آج اس گھر میں میت میں آنے والوں کے لیے انتظامات ہو رہے تھے۔ عتیق شارٹ کٹ سے دولت کمانے کے چکر میں غلط لوگوں کا ساتھی بن گیا اور نشہ آور اشیا یونیورسٹیوں میں سپلائی کرنے لگا۔ اب اس کا پلان اپنے بندے کو بدرالدین کے گھر ڈرائیور بنا کر رکھنے کا تھا تا کہ اسے معلوم ہو کہ ان بہنوں کی سرگرمیاں کیا ہیں۔ شاہ [illegible] حاجرہ سے کہتے ہیں کہ مرحا کی اچانک موت نے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ مولوی صاحب کی باتوں میں سچائی تھی۔ فیصل عاتکہ سے عتیق کے بدرالدین کے گھر سے غائب ہونے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو وہ بیٹے کی طرف داری کرتی ہیں۔ ازنا اور زونی بدرالدین کے ساتھ [illegible] اسپتال جاتی ہیں۔ امجد میاں آسیہ کی دیکھ بھال کے ساتھ، ساتھ نرس سے بھی چکر چلا رہے تھے کہ جب آپا ٹھیک ہوں گی تو وہ اس سے شادی کر لیں گے۔ عافیہ کی طلال سے منگنی ٹوٹ جاتی ہے۔ عاتکہ عتیق سے اس کی مصروفیت کا پوچھتی ہیں تو وہ اپنے بزنس کا بتاتا ہے۔ عتیق کا [illegible] ہوا آدمی بدرالدین کے گھر آتا ہے اور وہ اسے ڈرائیور رکھ لیتے ہیں۔ ممتاز، حاجرہ کو فون کر کے اپنے کیے کی معافی مانگتی ہے کہ اس [illegible] کا دیا تھا اور اپنی بربادی کی کہانی سناتی ہے تو حاجرہ اسے مرحا کی موت کا بتاتی ہے۔ زونا ٹیرس پر کھڑے ہو کر ایک طرف اشارہ کر [illegible] اس کے پاس جا رہی ہوں۔ ازنا اسے بہت مشکل سے سنبھالتی ہے تو وہ ایک شیطانی مسکراہٹ لیے اس کی طرف بڑھتی ہے۔

اب آگے پڑھیے..

قسط نمبر 26

”پلیز زونی آپی...... میں تو آپ کی بہن ہوں ازنا...... پلیز ایسا نہ کریں۔“ ازنا زور سے دائیں بائیں سر جھٹکتے ہوئے چلّا رہی تھی۔ اور ہاتھ پاؤں پٹخ رہی تھی۔

اس کے چیخنے چلّانے سے ہی زونی کی آنکھ کھلی تھی اور اس نے فوراً اٹھ کر کمرے کی لائٹ آن کر دی تھی۔

”ازنا...... کیا ہوا...... آنکھیں کھولو...... دیکھو میں تمہاری زونی آپی تمہارے پاس ہوں......“

زونی نے ازنا کے گال تھپتھپا کر اسے جگاتے ہوئے کہا تو ازنا نے ڈرتے، ڈرتے آنکھیں کھول دیں اور زونی کو خود پر جھکے ہوئے دیکھا تو سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”کیا ہوا...... کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا تھا کیا؟“ زونی نے پیار سے اس کے بال سنوارتے ہوئے پوچھا۔

”وہ...... آپ...... چڑیل...... نہیں نہیں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، مجھے پاپا کے پاس جانا ہے۔“ ازنا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپتے ہوئے کہا۔ وہ زونی کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھی۔

”ٹھیک ہے، چلو میں لے چلتی ہوں......“ زونی نے اس کے چپل بیڈ کے نزدیک کرتے ہوئے کہا اور پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا ہونے میں مدد دینے لگی۔

ازنا کے ہاتھوں میں اب بھی ہلکی سی لرزش تھی جو کہ زونی کو بھی محسوس ہو رہی تھی۔ زونی اسے تھام کر پہنچے پاپا کے بیڈ روم تک لے گئی پھر دروازہ ناک کیا اور انہیں پکارنے لگی۔ چند لمحوں میں ہی پاپا نے دروازہ کھول دیا اور انہیں اس طرح دیکھ کر حیران رہ گئے۔ پھر پیچھے ہٹتے ہوئے انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔

اتنی دیر میں حاجرہ بھی جاگ گئی تھی اور تجسس بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”پاپا! ازنا نیند میں بہت ڈر گئی تھی اور وہ آپ کے پاس آنا چاہتی تھی۔“ زونی نے بتایا تو وہ ازنا کو اپنے پاس بیڈ پر لے گئے اور چھوٹے بچوں کی طرح اسے ساتھ لٹا کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اسے بہلانے لگے اور ڈر لگنے کا سبب پوچھنے لگے۔

ازنا کو اپنا خواب بتاتے ہوئے بھی خوف آ رہا تھا مگر جب اس نے بتایا تو زونی اور پاپا ہنسنے لگے۔ اور ہنسی مذاق کی

digest library.com

ایسی باتیں کرنے لگے جن سے ازنا کا دھیان بٹ جائے۔ جبکہ حاجرہ سر پر دوپٹا رکھے قرآنی آیات اور کچھ مخصوص سورتیں پڑھ کر ازنا پر دم کرنے لگی تھیں۔ پھر اس نے کمرے میں پڑی ٹیبل پر رکھی پانی کی بوتل پر بھی دم کیا اور اپنے ہاتھوں کو اس پانی سے نم کر کے ازنا کے چہرے اور بالوں پر پھیرنے لگی۔

زونی ابھی تک صوفہ چیئر پر بیٹھی تھی۔ حاجرہ نے ایک طرف ہٹ کر اس کے لیے جگہ خالی کر دی تھی۔

''زونی بیٹا! آپ بھی اِدھر آ جائیں......اپنے پاپا کے پاس......'' اس نے زونی کو پکارا۔

''تھینک یو......میں اِدھر ہی ٹھیک ہوں......آپ آرام سے ریسٹ کریں''۔ زونی نے تکلف سے کام لیا۔

''اِدھر آ کر لیٹ جاؤ، ازنا کے ساتھ۔ میں تو بس نماز فجر کے لیے اٹھنے ہی والی تھی۔'' حاجرہ نے بیڈ سے نیچے اترتے ہوئے کہا تو زونی اٹھ کر بیڈ پر آ گئی۔

پاپا نے ساتھ لگا کر ازنا کو بچوں کی طرح تھپکا تو تھوڑی ہی دیر میں اس کے خراٹے گونجنے لگے تھے۔

ازنا کی طرف سے بے فکر ہوئی اور اِک عجیب سے سکون اور تحفظ کا احساس ہوا تو وہ بھی کچھ لمحوں میں گہری نیند میں چلی گئی۔

نماز فجر کے بعد بدرالدین چائے ضرور پیتے تھے اور حاجرہ اس وقت کسی ملازم کو بے آرام کیے بغیر خود ہی دو کپ چائے بنا لاتی تھی۔ کیونکہ بدرالدین کے ساتھ اسے بھی علی الصباح چائے کی عادت پڑ چکی تھی۔

آج ان کے بیڈ روم میں کیونکہ دونوں بچیاں سوئی ہوئی تھیں اس لیے وہ دونوں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر چائے پینے لگے۔

''میں بہت حیران ہوں کہ ازنا نیند میں کیسے ڈر گئی۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔'' بدرالدین نے کہا۔

''جی......اس نے شاید کوئی زونی سے متعلق ڈراؤنا خواب دیکھ لیا تھا۔ تبھی وہ نیند سے جاگنے کے باوجود بھی زونی سے ڈر رہی تھی۔'' حاجرہ نے کہا۔

''حالانکہ زونی تو جان چھڑکتی ہے اس پر...... مجھے لگتا ہے کہ مرحا کی موت کا ان بچیوں نے بہت گہرا اثر لیا ہے۔ پھر ان کی ماں بھی موت وزیست کی کشمکش میں ہے تو اس بات سے بھی بچیاں ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ ہیں۔ اور انسان کی پریشان کن سوچیں ڈراؤنے خواب کا روپ دھار لیتی ہیں۔'' بدرالدین نے خوابوں کا انسان کی سوچ سے جڑا نفسیاتی تعلق تلاش کیا۔

''ہو بھی سکتا ہے مگر ہمارے اردگرد جو بھی پچھلے کچھ عرصے سے واقعات پیش آ رہے ہیں وہ غیر معمولی اور عقل سے ماورا ہیں۔ ہمیں ان کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔'' حاجرہ نے کہا تو بدرالدین چونک گئے۔

''ذرا کھل کر کہیے......کیا بتانا چاہتی ہیں آپ......؟''

جواباً حاجرہ نے ممتاز کے فون آنے پر اس سے ہونے والی ساری گفتگو بدرالدین کے گوش گزار کر دی اور ساتھ ہی نکاح خواں مولوی صاحب کی کہی ہوئی باتیں اور ان کی جادو کے اتار سے متعلق نصیحت بھی سنا دی۔

''اوہ تو یہ بات ہے......کاش مجھے آپ پہلے ہی بتا دیتیں تو کچھ سدباب کرا لیتے۔'' بدرالدین نے حسرت سے کہا۔

''جی بس آپ سے اتنی تفصیلی بات چیت کا موقع ہی نہیں ملا......اور پھر مجھے یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں آپ میری کسی بات کو غلط نہ سمجھ لیں......'' حاجرہ نے کہا۔

''نہیں حاجرہ......میں آپ کی نیچر سمجھ گیا ہوں اس لیے آپ کی کسی بات کو نیگٹو نہیں لیتا۔ آپ کھل کر مجھ سے اپنی ہر بات شیئر کر لیا کریں۔'' بدرالدین نے حاجرہ سے نرم لہجے میں کہا اور کچھ سوچنے لگے۔

''آسیہ کے بارے میں تو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ شروع سے ہی تعویذ گنڈوں کو ہر مسئلے کا حل سمجھتی

تھیں اور دوسروں پر جادو کراتی تھیں مگر اپنے انتقام و حسد میں وہ اتنا آگے بڑھ جائیں گی، یہ بات میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بہر حال آپ آج ہی شاکر بھائی سے رابطہ کر کے کہیں وہ مولوی صاحب کو گھر لے آئیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ کتنے پانی میں ہیں۔ آیا کہ اگر واقعی کسی وجہ سے گھر پر بداثرات موجود ہیں تو اُن کا خاتمہ کیا جا سکے۔"

بدرالدین نے حاجرہ سے کہا تو وہ فوراً ہی موبائل اٹھا کر شاکر بھائی کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ابھی وہ سو رہے ہوں گے، انہیں بے آرام نہ کریں۔" بدرالدین نے حاجرہ کو سمجھایا۔"

"ہمارے ہاں سب نماز فجر باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں اس لیے شاکر بھائی بھی یقیناً جاگ رہے ہوں گے بلکہ وہ نماز کے بعد نزدیکی پارک میں چہل قدمی کے لیے بھی جاتے ہیں۔" حاجرہ نے کہا اور اسی دوران شاکر بھائی نے حاجرہ کی کال اٹھالی تھی۔

حاجرہ نے شاکر بھائی کو ازنا کے ڈرنے والی بات بتائی اور ان سے التجا کی کہ جتنا جلد ہو سکے مولوی صاحب سے رابطہ کر کے انہیں گھر لے آئیں تا کہ بچیوں پر حفاظتی دم کرایا جا سکے اور بدعملیات کا تدارک کرایا جائے۔

شاکر بھائی نے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ شام تک لازمی مولوی صاحب کا پتا کر کے ضرور انہیں حاجرہ کے گھر لے آئیں گے۔

"چلو یہ بھی اچھا ہو گیا۔" بدرالدین نے ایک گہری سانس لے کر کہا پھر اچانک کچھ یاد آیا تو بولے۔

"ایک اور بھی قاری صاحب ہیں جنہوں نے بچیوں کو قرآن شریف پڑھایا تھا۔ میں انہیں بھی کال کرتا ہوں تا کہ وہ آ کر ازنا کو دم کر جائیں۔"

"یہ بھی اچھی بات ہے۔" حاجرہ نے کہا اور چائے کے سپ لینے لگی۔

☆☆☆

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ عافیہ کے سسرال والوں نے رشتہ توڑ دیا ہے اور منگنی کی انگوٹھی واپس کر دی ہے۔ ہائے سچ مجھے تو بڑا ہی افسوس ہوا۔" عارفہ بیگم نے اپنے شوہر اور بطور خاص بیٹے (عارف) کو اطلاع دی۔

"کون عافیہ.....؟" عارف نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے تعجب سے پوچھا۔

"ارے وہی بچی جو حاجرہ کی چھوٹی بہن ہے اور جس نے زونی اور مرحا کے انکار پر تم سے نکاح کی حامی بھر لی تھی۔ اسی نیکی کے جذبے کی سزا ملی ہے بیچاری کو....." عارفہ نے عارف کو یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"اوہ اچھا.....وری سیڈ نیوز....." عارف نے تاسف سے سر ہلایا۔

"ہاں.....یہ تو واقعی بہت برا ہوا بیچاری کے ساتھ.....حالانکہ اس سارے معاملے میں اس لڑکی کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔" عارفہ کے شوہر نے کہا۔

"ہاں.....اس کا نہیں مگر ہمارا کچھ دوش تو بنتا ہے کہ ہم نے بھی بدرالدین کی بیٹیوں کے ڈرامے میں آ کر عین وقت پر اس بچی کو ٹھکرا دیا کہ جب وہ نکاح کے لیے راضی تھی۔ مگر پھر مرحا نے بہنوں کی باتوں میں آ کر اچانک سے انٹری دے دی کہ وہ نکاح کے لیے آ رہی ہے ورنہ تو آج عافیہ جیسی بردبار اور سلیقہ مند لڑکی اس گھر کی بہو ہوتی....."

عارفہ کے لہجے میں پچھتاوا بول رہا تھا۔

"امی اب اس بات کا ذکر جانے بھی دیں.....قسمت کے لکھے کو بھلا کون مٹا سکتا ہے.....جو ہو گیا سو ہو گیا....."

عارف کے لہجے کی تلخی کو عارفہ کے ساتھ ان کے شوہر نے بھی محسوس کیا مگر وہ خاموش رہے مگر عارفہ چپ نہ رہ سکیں۔

"میں تو سمجھتی ہوں کہ دکھوں کے ازالے اور پچھتاوے کو مٹانے کا وقت کبھی نہیں گزرتا، بس جب بھی احساس ہو جائے تو انسان کو واپس پلٹ کر ہاتھ بڑھا دینا چاہیے اور کسی کے زخموں پر ناسور بننے سے پہلے مرہم رکھ دینا چاہیے۔"

عارفہ نے دونوں باپ بیٹے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا مگر وہ دونوں خاموش تھے۔

"عارف بیٹا!" عارفہ نے براہ راست بیٹے کو مخاطب کیا تھا۔ وہ اپنے خیالوں سے چونک کر ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

”عافیہ کو ہماری وجہ سے دکھ ملا ہے تو میں چاہتی ہوں کہ اس دکھ کا مداوا بھی ہم ہی کریں۔“

”میں سمجھا نہیں......امی، آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟“ عارف نے حیران ہو کر ماں کی طرف دیکھا۔

”صاف لفظوں میں کہوں تو میں عافیہ کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں......“ انہوں نے کہا اور امید بھری نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھنے لگیں۔

ماں کی بات پر عارف سٹپٹا سا گیا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

”میری پیاری امی فی الحال تو میرے آفس جانے کا وقت ہوا چاہتا ہے اور رہی آپ کی خواہش والی بات تو اس کے لیے میں سوچتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو عارفہ اسے گھور کر رہ گئیں۔

”ٹھیک ہے بیٹا! تم ابھی آفس جاؤ...... تمہیں دیر ہو رہی ہے، یہ معاملات تو چلتے ہی رہیں گے۔“ عارفہ کے شوہر نے بیٹے (عارف) کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو وہ بریف کیس اٹھائے دونوں کو سلام کر کے اور خدا حافظ کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

کوئی بھی عورت اپنے مرد کے معاملے میں بے حد حساس ہوتی ہے۔ اس کے رویّے اور برتاؤ میں ذرا سا بھی فرق آ جائے تو بیوی کے غیبی حساس انٹینے فوراً سے ازدواجی حالات کے موسمی بدلاؤ سے آگاہ کر دیتے ہیں اور وہ اپنے شوہر کے معمولاتِ زندگی میں غیر معمولی تبدیلیوں کو بھی نوٹ کرنے لگتی ہے جیسے کہ ان دنوں حسنہ شاہانہ کر رہی تھیں۔

امجد میاں چوبیس گھنٹوں میں سے صرف چند گھنٹوں کے لیے اسپتال سے گھر آتے تھے اور بچوں کے ساتھ تھوڑا سا ٹائم گزارنے کے بعد نیند پوری نہ ہونے کی شکایت کرتے ہوئے کمرے میں سونے چلے جایا کرتے مگر حسنہ جب بھی کسی کام سے اندر جاتیں تو وہ سونے کے بجائے موبائل پر مصروف نظر آتے اور جیسے ہی حسنہ قریب آ کر بیٹھتیں تو وہ فوراً آنکھیں موند کر نیند کا غلبہ طاری ہونے کی اداکاری کرنے لگتے۔ شدید تھکن کا رونا رونے کے باوجود وہ اپنی خوش لباسی پر اور اپنی شخصیت کو متاثر کن بنانے پر زیادہ وقت صرف کرنے لگے تھے۔ آفٹر شیو لوشن اور پرفیوم کا استعمال بڑھ گیا تھا۔ اب وہ بیوی بچوں کے ساتھ کے بجائے تنہائی میں زیادہ وقت گزارنا پسند کرنے لگے تھے، حسنہ بی جونہی اِدھر اُدھر ہوتیں تو وہ فوراً ہی کوئی پرانا رومینٹک گیت دھیمے سُروں میں گنگنانے لگتے۔

حسنہ بی سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی کچھ کہہ نہیں سکیں کیونکہ ان کے پاس شک کرنے کا بظاہر کوئی جواز موجود نہیں تھا۔ اگر ہواؤں میں بات کرتیں تو امجد میاں کا رویّہ مزید خراب ہو جاتا اور وہ انہی کو دوش دیتے اور کوئی بہانہ کر کے کچھ دیر کے لیے بھی گھر میں نظر نہ آتے۔

”یہ سب میری اپنی وجہ سے ہے۔ میں نے بچوں میں پڑ کر اپنے حلیے کا ستیاناس مار لیا ہے۔ یہ سب میری خود سے غفلت کا نتیجہ ہے۔“ عام خواتین کی طرح حسنہ بی اپنے میاں کی غفلت کا ذمے دار خود کو ٹھہراتیں اور بلاوجہ کا غصہ بچوں پر اتارتیں اور معمولی شرارتوں پر بھی انہیں دھنک کر رکھ دیتیں۔

پھر ایک دن ان کے جی میں جانے کیا سمائی کہ وہ نزدیکی بیوٹی پارلر جا کر جدید انداز میں اپنے بال ترشوا آئیں صرف یہی نہیں بلکہ انہیں فیشن کلر کا ٹچ بھی دلوا آئیں تا کہ ان کی لک چینج ہو جائے، اسی پر بس نہیں چلا تو مارکیٹ جا کر جدید طرز کے سلے ہوئے ملبوسات اٹھا لائیں تا کہ انہیں پہن کر خود بھی ماڈرن لگیں۔

پھر جب وہ بڑے شوق سے تیار ہو کر شوہر کے سامنے آئیں تو انہوں نے حیران نظروں سے انہیں دیکھا اور زیرِ لب مسکرا دیے۔

”دیکھو میں نے کلر بھی کروایا ہے بالوں میں اور نیا ہیئر اسٹائل بھی۔ بتاؤ میں کیسی لگ رہی ہوں؟“ حسنہ نے

digest library.com

تعریف کی امید پر اُن کی طرف دیکھا۔
''بتاؤ ناں تمہیں میرے سر کی قسم......؟''
''بتادوں......؟''انہوں نے پوچھا تو حسنہ نے اثبات میں بے صبری سے سر ہلایا۔
''بالکل پرنچی مرغی لگ رہی ہو......'' اتنا کہہ کر وہ زور، زور سے ہنسنے لگے اور حسنہ بی کی خواہشوں پر جیسے پانی پڑ گیا۔
وہ بالکل رو دینے کو تھیں اور ضبط کی کوشش میں ان کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ امجد میاں کا گلا ہی دبا دیں مگر وہ تو حسنہ بی کے جذبات سے بے خبر ہنستے ہی چلے جا رہے تھے۔

☆☆☆

شاکر بھائی حسبِ وعدہ نمازِ مغرب کے بعد مولوی صاحب کو حاجرہ کے ہاں لے آئے تھے مولوی صاحب کے ہمراہ ان کا ایک شاگرد بھی تھا جو ایک تھیلا سنبھالے ہوئے تھا۔ اس تھیلے میں وہ سب اشیا تھیں جو مولوی صاحب کے کہنے پر شاکر بھائی نے کسی پنسار اسٹور سے انہیں خرید کر دی تھیں۔
آتے ہی سب سے پہلے مولوی صاحب نے ازنا اور زونی کو سامنے بٹھا کر دم کیا پھر بدرالدین کو ہدایت دی کہ تمام نوکروں کو گھر کے ایک کمرے میں جمع کر کے منع کر دیں کوئی بھی کمرے کا دروازہ کھول کر اس وقت تک باہر نہ آئے کہ جب تک خود مولوی صاحب نہ کہیں۔
اس کے بعد انہوں نے ٹی وی لاؤنج میں سب کو ایک فرشی دری بچھا کر دائرے کی صورت بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر انہی کی ہدایت پر ان کے شاگرد نے بیٹھے ہوئے افراد کے اردگرد فاصلہ رکھ کر ایک بڑا سا دائرہ کھینچ دیا اور کچھ پڑھ کر دائرے کے چاروں طرف پھونک مار کر انگشتِ شہادت سے حصار قائم کیا۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے ان سب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔
''اب چاہے گیٹ پر کوئی آئے، فون کی گھنٹی بجے یا موبائل پر کال آئے، کسی نے جواب نہیں دینا۔ اور اگر کوئی دائرے سے باہر آ کر بے شک جتنا مرضی پکارے یا بات کرے اس کی طرف بالکل بھی توجہ نہیں کرنی، نہ اس سے مخاطب ہونا ہے۔''
یہ ہدایات دینے کے بعد مولوی صاحب نے اپنے سامنے ایک پیتل کی کٹوری میں دہکتے کوئلوں پر حرمل اور لوبان ڈالا، کوئلے ایک دم بھڑک کر مزید سرخ ہو گئے۔
اس کے ساتھ ہی مولوی صاحب زیر لب قرآنی آیات کا ورد کرنے لگے۔
فضا عجیب گھٹن زدہ اور بدبودار سی ہو گئی تھی۔
ماحول پر چھائی خاموشی میں اِک خوف شامل تھا۔
زونی اور ازنا دونوں سخت مضطرب سی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یہاں سے اٹھ کر دائرے کو توڑتی ہوئی باہر بھاگ جائیں مگر وہ دونوں بدرالدین اور حاجرہ کے درمیان بیٹھی ہوئی تھیں جنہوں نے پوری طاقت سے ان دونوں کو تھام کر اپنے ساتھ لگا رکھا تھا۔ اور حاجرہ کے ساتھ شاکر بھائی بیٹھے تھے۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر حاجرہ کو مدد دے سکیں۔ اسی دوران کمرے کی چھت کے ساتھ رینگتی ہوئی چھپکلی پٹ سے زمین پر گری اور اپنی چھوٹی، چھوٹی آنکھوں سے دائرے میں بیٹھے لوگوں کو گھورنے لگی۔
کالی، موٹی خوفناک سی چھپکلی دیکھ کر ازنا کے حلق سے چیخ نکلتے، نکلتے رہ گئی تھی۔ حاجرہ نے اسے اپنے ساتھ لگا کر آنکھیں موندنے کا اشارہ کیا تھا۔ رفتہ، رفتہ چھپکلی کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئیں اور وہ تیزی سے آگے دائرے کی طرف بڑھنے لگی۔

مولوی صاحب کی پڑھائی میں بھی تیزی آنے لگی تھی۔ کوئلوں کا دھواں مزید تیزی سے پھیلنے لگا تھا۔ لوبان کی خوشبو تیز تر ہوگئی تھی۔

دائرے کے قریب پہنچ کر چھپکلی اچانک رک گئی پھر وہ دائرے کے اطراف گھومنے لگی جیسے دائرے کے اندر جانے کا راستہ تلاش کررہی ہو۔ مولوی صاحب نے کچھ زور سے پڑھ کر "یا مشکل کشا" کا ایک نعرہ بلند کیا ہی تھا کہ اچانک کہیں سے ایک کالی بلی دوڑتی ہوئی آئی اور چھپکلی کو منہ میں دبا کر واپس غائب ہوگئی۔

مولوی صاحب نے پیشانی پر آیا ہوا پسینہ پونچھتے ہوئے اپنا ورد جاری رکھا اور دھیرے سے جیسے کسی نادیدہ ہستی سے مخاطب ہوئے۔

''اس گھر اور گھر کے افراد پر جادو ہے یا جو کچھ بھی...... بہرحال جو چیزیں بھی مسلط کی گئی ہیں انہیں سامنے حاضر کیا جائے اور اگر کسی نے جادو ٹونا کیا ہے تو اس ہستی کو بھی ظاہر کیا جائے۔'' ابھی ان کی بات مکمل ہوئی ہی تھی کہ یک دم آسیہ کی آواز آئی۔

''زونی...... ازنا...... میری بچیاں...... ہائے یہاں کیا ہورہا ہے...... کیوں کررہے ہو آپ سب ایسا......؟ زونی، ازنا اِدھر آؤ مما کے پاس......'' مما کی آواز پر زونی اور ازنا نے حیران ہوکر اُدھر دیکھا تو لاؤنج کے دروازے پر مما (آسیہ) نظروں میں محبت کے دیپ جلائے اور بانہیں پھیلائے انہیں اپنی طرف بلا رہی تھیں۔

''مما...... آپ......'' بے ساختہ ازنا کے لبوں سے نکلا تھا اور وہ اپنی مما کے پاس جانے کے لیے خود کو چھڑانے لگی مگر بدرالدین نے اسے اور بھی زور سے اپنے ساتھ چمٹا لیا تھا۔

''زونی...... آؤ گی نہیں اپنی مما کے پاس...... دیکھو...... میں ٹھیک ہوچکی ہوں...... مجھے اسپتال سے چھٹی ہوگئی ہے...... زونی...... ازنا میں تمہیں لینے آئی ہوں...... چلو میرے ساتھ......'' آسیہ نے پیار سے چمکارتے ہوئے کہا اور آگے بڑھنے لگیں۔

''ہمیں مما کے پاس جانا ہے...... پلیز ہمیں چھوڑ دیں......'' دونوں نے خود کو چھڑانے کے لیے زور لگایا مگر بدرالدین اور حاجرہ نے بھی انہیں روکنے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کردی۔ مولوی صاحب کی پڑھائی میں اور بھی شدت آرہی تھی۔

''بیٹھی رہیں...... یہ آپ کی مما نہیں ہے......'' مولوی صاحب کے ساتھ بیٹھے ان کے شاگرد نے دھیمے لہجے میں ان دونوں لڑکیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو وہ حیران ہوکر اسے دیکھنے لگیں۔

''بدرالدین...... تم مجھے میری بیٹیوں سے جدا نہیں کرسکتے...... میں آج انہیں ساتھ لے کر ہی جاؤں گی۔'' آسیہ دائرے کے قریب آکر پھنکاری۔

''اگر تو آسیہ ہی ہے تو ہمت کر...... اندر آکر لے جا کے دکھا ان بچیوں کو......'' مولوی صاحب نے بظاہر نظر آنے والی آسیہ کی طرف ہوا میں پھونک مارتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ مگر پھونک مارتے ہی آسیہ ایک سیاہ ناگن میں بدل گئی تھی جو دائرے کے باہر کنڈلی مارے غصے سے پھنکار رہی تھی۔

آسیہ کی جگہ ناگن کو دیکھ کر دونوں بچیوں کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ بڑے بھی دل تھامے ہوئے تھے۔

''اچھا...... تو یہ تو ہے......؟'' مولوی صاحب ناگن سے مخاطب ہوئے۔

جواب میں ناگن کی پھنکار کے ساتھ ہوا میں کچھ شعلے بلند ہوئے جو دائرے تک تو آئے مگر فوراً ہی سرد پڑ گئے۔

مولوی صاحب سر جھکائے زیرِلب کچھ پڑھتے رہے اور پھر ایک پھونک ماری تو اچانک ہی کمرے میں عجیب سفید دھواں سا بھر گیا اور اس دھوئیں کی لپیٹ میں آکر ارد گرد کا ہر منظر دھندلا گیا تھا۔ پھر جب چند لمحوں بعد یہ دھواں ختم

ہوا تو کمرا پہلے جیسا روشن اور صاف تھا۔ اب وہاں کوئی آسیہ تھی اور نہ ہی کہیں وہ سیاہ ناگن کنڈلی مارے بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر سب نے سکون کی سانس لی تھی۔

پھر مولوی صاحب کے شاگرد نے ان کے اشارے پر ایک دم شدہ بوتل کے پانی سے اپنی انگلیاں تر کرتے ہوئے بجھتے ہوئے کوئلوں پر چھینٹا مارا تو وہ یک دم بھڑک کر جلنے لگے تھے۔ اور ان کی تپش اتنی تیز تھی کہ سب کو یوں لگ رہا تھا کہ وہ دائرے کے اندر بیٹھے جل بھن کر کوئلہ ہو جائیں گے مگر یہ سب چند لمحوں کے لیے تھا۔ پھر جب کوئلوں پر لوبان پڑا تو اُن کی تپش نہ ہونے کے برابر رہ کر ہر سو بھینی بھینی سی مہک پھیل گئی تھی۔

مولوی صاحب کے وظیفے میں اور بھی شدت آ گئی تھی اور ان کا شاگرد بھی اس وظیفے کی پڑھائی میں ان کے ساتھ شامل تھا۔

digest library.com

اچانک مولوی صاحب وظیفہ کرتے رک گئے اور چونک کر سر اٹھایا جیسے کسی کی موجودگی کو محسوس کر رہے ہوں۔ پھر کسی نادیدہ ہستی سے مخاطب ہو کر سلام کیا تو انہیں فوراً ہی ان کے سلام کا جواب ملا تھا۔ اس بات نے مولوی صاحب کو حوصلہ دیا اور وہ یوں مخاطب ہوئے کہ ”جناب! میں اللہ کا ایک عاجز بندہ ہوں اور اپنے رب کے کرم سے ہی اس کی خلقت کا ادنیٰ خادم ہوں اور آج میں یہاں شیطانی مخلوق کے ستائے ہوئے اس کمزور و بے بس خاندان کی مدد کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں تاکہ انہیں ابلیسی طاقت کے پنجے سے نجات دلا سکوں اور اس سلسلے میں آج مجھے قدم، قدم پر آپ کی رہنمائی اور مدد کی ضرورت پڑے گی، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کے لیے آپ میرا ساتھ دیں گے۔“

مولوی صاحب نے ایسی ہستی کو مخاطب کرتے ہوئے مؤدبانہ گزارش کی تھی اور فوراً ہی جواب ملا تھا۔ ”ان شاء اللہ“ اور اس جواب نے مولوی صاحب کے چہرے پر اطمینان کی چمک بکھیر دی تھی۔ وہ انہی نادیدہ ہستی کے مشکور ہوتے ہوئے التجا کرنے لگے کہ ”بدرالدین کے گھرانے پر جن آسیبی طاقتوں کا راج ہے انہیں کیفرِ کردار تک پہنچانے میں نہ صرف ان کی (مولوی صاحب کی) مدد کی جائے بلکہ ان شیطانی طاقتوں کو ایسی کڑی سزا دی جائے کہ وہ آئندہ کبھی بے گناہ اور معصوم انسانوں کو اپنا نشانہ نہ بنا سکیں مگر اس سے پہلے وہ یہ بھی معلوم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں کہ یہ شیطانی آسیبی بدرالدین صاحب کے گھرانے پر کیوں اور کیسے مسلط ہوئے؟“ مولوی صاحب کی اس التجا کی دیر تھی کہ دائرے کے سامنے دھپ کی آواز کے ساتھ زرد کپڑوں میں ملبوس ایک بدشکل بدہیت، لمبے بالوں اور نوکیلے ناخنوں والی عورت نما مخلوق، موٹے رسوں میں جکڑی آ گری۔ جیسے کسی نادیدہ ہاتھوں نے اسے دائرے کے آگے لا پٹخا ہو...... اور وہ بری طرح چیخ وپکار مچا رہی تھی۔

”یہ کون ہے؟“ مولوی صاحب نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

”یہ خود بتائے گی...... بس آپ سوال کرتے جائیں۔“ جواب ملا تھا۔

”کون ہے تو؟“ مولوی صاحب نے براہِ راست عورت سے سوال کیا۔

”پہلے میری بندشیں کھول کر مجھے آزاد کر...... پھر تیرے سوال کا جواب دوں گی۔“ عورت نے غصے سے جواب دیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس پر کوئی اَن دیکھا تازیانہ برسا تھا۔ جس کے ساتھ ہی وہ رونے پیٹنے اور منتیں ترلے کرنے لگی تھی کہ اسے معاف کر دیا جائے، اب وہ ہر بات کا صحیح جواب دے گی۔

اس بار مولوی صاحب نے سوال دُہرایا تو وہ مخلوق بغیر حیل وحجت سب بتانے لگی تھی۔

”بس یوں سمجھ کہ میں بھٹکی ہوئی آتما اور ابلیس کی پیروکار ہوں اور بدی کے کاموں میں پیش پیش رہتی ہوں، نیکی سے میرا کوئی سمبندھ نہیں ہے۔“

”تیرا مسکن تو ویرانوں اور بیابانوں میں ہے پھر تو نے یہاں اس گھر میں کیوں ڈیرا ڈال لیا؟“ مولوی صاحب

نے پوچھا۔
''میں یہاں خود اپنی خوشی سے نہیں آئی تھی بلکہ مجھے یہاں بھیجا گیا تھا۔'' عورت نے تنک کر جواب دیا۔ اور ساتھ میں رسوں سے آزاد ہونے کے لیے بھی زور آزمائی کرنے لگی۔
''کس نے بھیجا یہاں تجھے؟'' مولوی صاحب کے سوال پر اس نے ہندو عاملہ کا نام بتا دیا تھا مگر جب مولوی صاحب نے پوچھا کہ اسے یہاں کس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا تو وہ جواب دینے میں لیت ولعل سے کام لینے لگی اور اصرار کرنے لگی کہ پہلے اسے آزاد کیا جائے تو بعد میں وہ جواب دے گی۔ مگر مولوی صاحب بھی اس کی کمزوری سے واقف تھے اس لیے کچھ پڑھ کر اس پر پھونکا تو وہ چیخنے چلاتے ہوئے انہیں وظیفے سے منع کرنے لگی اور دوبارہ سیدھی طرح سارے سوالوں کے جوابات دینے پر آمادہ ہوگئی اور بتانے لگی کہ کس طرح ایک جادوگرنی عاملہ نفس وحسد کے مارے لوگوں سے منہ مانگے دام وصول کر کے ان کی جائز و ناجائز خواہشات کو پورا کرنے کے لیے شیطانی عملیات کا سہارا لیتی ہے اور اس مقصد کے لیے وہ آتشی و شیطانی مخلوق کے علاوہ بری آتماؤں (بدروحوں) کو بھی اپنے جاپ (منتر) اور چلہ کشی کے ذریعے قابو کر کے ان سے اپنے کام نکلواتی ہے۔ اور اسی طرح مجھے بھی اس نے شمشان گھاٹ کے ذریعے قابو کر کے اپنے بس میں کیا اور اب میں اس کی داسی (غلام) ہوں جو وہ کہتی ہے میں وہی کرتی ہوں...... اور اسی نے مجھے ایک عورت کی خواہش پر یہاں بھیجا تھا۔ کیونکہ اس عورت نے اپنے کام کے بدلے دیوی جی کو منہ مانگی رقم دی تھی۔ اور مزید رقم دینے کا بھی وعدہ کیا تھا۔''
''کیا نام تھا اس عورت کا؟'' مولوی صاحب نے پوچھا۔
''یہ بتانے کی مجھے اجازت نہیں ہے۔ میں منت کرتی ہوں کہ اس بات کو راز ہی رہنے دیں۔ نام سے کیا فرق پڑتا ہے چاہے کچھ بھی ہو۔'' عورت نے مولوی صاحب سے التجا کی تو وہ بھی فساد برپا ہونے کے خیال سے خاموش ہوگئے اور نام جاننے پر اصرار نہیں کیا مگر یہ سوال ضرور کیا۔
''وہ عورت آخر یہ سب کروا کے آخر چاہتی کیا تھی؟''
''وہ ایک حاسد عورت تھی اور اپنی تقدیر کی منکر بھی...... اسی لیے وہ اس گھر کے مکینوں کو بھی خوش نہیں دیکھنا چاہتی تھی، وہ... الدین اور حاجرہ کے بیچ جدائی کی خواہش مند تھی، وہ اس گھر میں ہر وقت فساد اور لڑائی جھگڑا چاہتی تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس گھر میں کبھی راحت وسکون کا کوئی لمحہ آئے، اسے تو بس اس گھر میں ہر وقت کا سوگ چاہیے تھا اور اسی راکھشس کی کامناؤں کو پورا کرنے کے لیے مجھے اس مخلوق نے ساری تفصیل سچائی کے ساتھ بیان کرنے کے بعد استدعا کی تھی کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔''
''اگر تو راہِ راست پر آنے کا وعدہ کرے اور آج عہد کرے کہ آئندہ کبھی بے گناہ اور معصوم لوگوں کو نہیں ستائے گی تو میں تجھے معاف کرتے ہوئے آزاد کرنے کے بارے میں سوچ سکتا ہوں۔'' مولوی صاحب نے کہا۔
''نہیں اذانِ فجر تک اسی دائرے میں انتظار کرنا ہوگا......'' مولوی صاحب نے اطلاع دی۔ اور زیرِ لب کچھ پڑھتے گئے۔ پھر نیم بے ہوش زونی اور ازنا کی طرف پھونکا تو کچھ ہی دیر میں وہ دونوں جیسے گہری نیند سے آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی تھیں۔
''سوری...... پتا ہی نہیں چلا اور میں اچانک سو گئی تھی۔'' ازنا نے شرمندگی سے کہا۔
''اور میں بھی......'' زونی نے دیکھا کہ وہ ابھی تک حاجرہ کی آغوش میں تھی تو فوراً اٹھ کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی اور ندامت بھرے انداز میں بولی تھی۔
''چلیں اچھا ہوگیا، یقیناً اب آپ دونوں بہتر فیل کر رہی ہوں گی۔'' پاپا نے کہا۔
''یہ سب میرے استاد جی کا کمال ہے، ورنہ اگر آپ حالتِ بیداری میں ہوتیں تو ان مناظر کی تاب نہیں لا سکتی تھیں

جو ہم نے یہاں دیکھے..... اسی لیے آپ دونوں کو سلا دیا گیا تھا۔'' مولوی صاحب کے شاگرد نے براہ راست زونی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو زونی حیران رہ گئی۔ اور بس دھیرے سے سر ہلا دیا۔

مولوی صاحب سب سے بے خبر ابھی تک اپنی پڑھائی میں معروف تھے۔

''یہ تو نے اپنا چمتکار دکھا کر اچھا نہیں کیا مولبی (مولوی) تو نے میرے بیروں کی ہتھیا کری ہے، میں انتقام لوں گی۔'' ایک زنانہ آواز نزدیک ہی کہیں تیز سرگوشی کی صورت ابھری تھی جسے سبھی نے سنا تھا۔

''میں نے جو بھی کیا اپنے رب کے حکم سے کیا، تو نے ایک مظلوم اور بے گناہ گھرانے پر اپنے سفلی اور کالے علم سے ظلم ڈھایا اور میں نے اس ظلم کا خاتمہ کر دیا، میرا پروردگار دلوں کے بھید بہتر جانتا ہے اور بے شک ہر شے کو لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے..... طاقت کا سرچشمہ صرف اللہ سبحانہ کی ذات ہے۔'' مولوی صاحب نے بڑے سکون سے جواب دیا اور سر جھکائے ہوئے دوبارہ اپنی تسبیح میں مشغول ہو گئے۔

قریب کی مسجد سے اذانِ فجر کی صدا بلند ہوئی تو مولوی صاحب نے اپنی تسبیح روک دی۔ اس وقت ان کے چہرے پر گہرا اطمینان جھلک رہا تھا۔ جیسے کسی ان دیکھی جنگ میں انہیں فتح حاصل ہوئی ہو۔ انہوں نے دائرے میں موجود سب افراد کی طرف پھونک ماری۔ پھر ہاتھ اٹھا کر اپنے رب سے کچھ دعا کی اور اس کے بعد اپنے شاگرد کو حفاظتی دائرے سے باہر جانے کا حکم دیا۔ جسے ان کا شاگرد بلا چون وچرا... بجا لایا تھا۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے سب کو دائرے سے باہر آنے کے لیے کہا اور خود بھی کچھ ورد کرتے ہوئے اٹھ گئے۔ اور سب کو نماز فجر کی ادائیگی کا حکم دیا۔ اور خود بھی وضو کر کے لاؤنج میں ہی مصلیٰ بچھا لیا۔ شاکر بھائی، بدرالدین اور مولوی صاحب کے شاگرد نے بھی نماز فجر لاؤنج میں مولوی صاحب کے پیچھے ہی ادا کی تھی۔

نماز کی ادائیگی کے بعد حاجرہ سب کے لیے چائے لے آئی۔ اور اب ناشتے کا پوچھ رہی تھی۔ چائے تو مولوی صاحب نے قبول کی مگر ناشتے کے لیے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ وہ سخت تھکن کا شکار ہیں اس لیے اب نماز ظہر تک اپنے حجرے میں جا کر آرام کریں گے۔

بدرالدین اور شاکر بھائی نے ان کی معذرت قبول کرتے ہوئے انہیں چائے کے بعد رخصت ہونے کی اجازت دے دی تھی۔

بدرالدین نے مولوی صاحب کو چلتے وقت ایک لفافہ دیا جس میں کثیر رقم موجود تھی مگر مولوی صاحب نے یہ لفافہ لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا وہ اس رقم کے بدلے اپنی نیکی ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ اس نیکی کا اجر انہیں صرف اپنے رب کی رضامندی کی صورت میں چاہیے اور اسی کے لیے وہ رب سے دعا گو ہیں۔

مولوی صاحب کے مسلسل انکار پر بدرالدین نے یہ لفافہ ان کے شاگرد کو یہ کہہ کر زبردستی تھما دیا کہ اس رقم کو مسجد میں سہولیات کے حصول اور اس کی تزئین و آرائش پر خرچ کیا جائے ناچار شاگرد کو لفافہ تھامنا ہی پڑا تھا۔

شاکر بھائی بھی مولوی صاحب کے ساتھ ہی اٹھ گئے تھے۔

''شاکر بھائی، آپ تو ناشتا کر کے جائیں۔'' حاجرہ نے کہا تو بدرالدین نے بھی حاجرہ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے انہیں روکنا چاہا۔ مگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر لی کہ مولوی صاحب کو لائے وہ ہیں تو انہیں واپس چھوڑنا بھی ہوگا۔ اس لیے وہ ناشتا کرنے پھر کبھی آجائیں گے۔ مجبوراً انہیں بھی مولوی صاحب کے ساتھ ہی رخصت کرنا پڑا تھا۔

مولوی صاحب کے جانے کے بعد حاجرہ نے ملازموں کو بلا کر ناشتا بنانے اور روزمرہ کے معمولات کے مطابق کام کرنے کو کہا اور اپنے بیڈروم میں آگئی۔ مگر اس سے پہلے بدرالدین اور خود حاجرہ نے اپنے سامنے والے بیڈروم

میں زونی اور ازنا کو آرام کرنے کا کہہ دیا تھا اور وہ دونوں اس وقت وہیں جا کر لیٹ گئی تھیں۔ اپنے بیڈروم میں نہیں گئیں۔

digest library.com

بدرالدین اور حاجرہ کچھ دیر بچیوں کے پاس رہے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد جب وہ دونوں سونے لگیں تو وہاں سے اٹھ کر اپنے بیڈروم میں آ گئے تھے۔

حاجرہ نے آگے بڑھ کر بیڈروم کی کھڑکیوں کے پردے ہٹا دیے تھے۔

باہر ہر طرف چمکیلی صبح کی روشنی پھیل چکی تھی۔

درختوں پر پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں گویا کانوں میں رس گھول رہی تھیں۔

حاجرہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آج کا دن ہمیشہ سے کچھ زیادہ ہی اجلا، اجلا اور روشن سا ہے۔

اب پتا نہیں یہ حاجرہ کا وہم تھا یا حقیقت کہ اس سے پہلے دن کی روشنی کے باوجود یا رات کو گھر کی تمام لائٹس آن کرنے کے بعد بھی ہر طرف اِک مٹیالے سے اندھیرے کی چادر تنی رہتی تھی۔ جیسے فضا میں ہر طرف اِک نادیدہ سا غبار یا دھواں چھایا ہوا ہو۔ اچھے بھلے بلبوں، ٹیوب لائٹس کی روشنی خود بخود پھیکی پڑ جاتی تھی۔ جنہیں گاہے بگاہے تبدیل کرانا پڑتا تھا یا پھر گھر کے کچھ حصوں میں لگے بلب خود بخود فیوز ہو جایا کرتے تھے مگر انہیں تبدیل کرنے کے باوجود وہ اگلے روز دوبارہ آن ہونے سے انکاری ہو جایا کرتے۔ مگر آج گھر میں عجیب روشنی اور الگ سی رونق محسوس ہو رہی تھی اور یقیناً یہ بدعملیات کے گندے اثرات کے زائل ہونے کے باعث تھا۔

ابھی حاجرہ کھڑکی سے باہر نظر آنے والے لان میں کھلی دھوپ اور پرندوں کی چہچہاہٹ سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ سائڈ ٹیبل پر رکھے بدرالدین کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

حاجرہ نے دیکھا تو بدرالدین کمرے میں موجود نہیں تھے، شاید واش روم گئے ہوئے تھے موبائل تھا کہ مسلسل بجے جا رہا تھا۔

حاجرہ نے سوچا کال اٹینڈ کرلے مگر پھر کچھ سوچ کر رک گئی۔ اسی اثنا میں بدرالدین نے آ کر جلدی سے کال اٹینڈ کر لی تھی۔

”ٹھیک ہے، ہم بس ابھی پہنچے سمجھو.....“ اتنا کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔ حاجرہ نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

”وہ......آسیہ.......میں بچیوں کو جگاتا ہوں جا کر.......آپ جا کر پلیز گاڑی اسٹارٹ کیجیے.......ہمیں ابھی اسپتال کے لیے نکلنا ہوگا۔“ بدرالدین نے حاجرہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

”سب خیریت ہے ناں.......بچیوں نے تو ابھی ناشتا بھی نہیں کیا۔“ حاجرہ فکرمندی سے بولی۔

”بس دعا کریں کہ خیریت ہی رہے۔“ اتنا کہہ کر بدرالدین بچیوں کو جگانے چل دیے تھے۔ اور حاجرہ چابی اٹھا کر گاڑی اسٹارٹ کرنے چلی گئی۔

زونی ابھی جاگ رہی تھی۔ اور بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ جبکہ ازنا کی آنکھ بس ابھی لگی ہی تھی مگر پاپا کی آواز پر وہ بھی فوراً اٹھ بیٹھی تھی۔

اسپتال جانے کا سن کر وہ فوراً ہی اسی طرح پاپا کے پیچھے باہر چلی آئی تھیں۔

ڈرائیونگ سیٹ پر حاجرہ موجود تھی۔ بدرالدین دونوں بچیوں کو تسلیاں دیتے اور ان کا حوصلہ بڑھانے کی باتیں کرتے ہوئے حاجرہ کے برابر والی سیٹ پر آ بیٹھے۔ تب حاجرہ نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ دورانِ ڈرائیونگ وہ بھی بدرالدین کے ساتھ بچیوں سے تسلی بخش باتیں کرتی رہی تھی۔

اسپتال جا کر معلوم ہوا کہ آسیہ کی نبضیں دھیرے، دھیرے ڈوب رہی ہیں اور دل کی دھڑکن بھی رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہے۔
دونوں بچیاں بے صبری سے ماں کے پاس پہنچی تھیں۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ ایسے میں نرس شگفتہ انہیں حوصلہ دے رہی تھی، مگر ضبط کا دامن ہاتھوں سے چھوٹے جا رہا تھا۔

''حاجرہ! اگر میں آپ سے آج یہ ریکوئیسٹ کروں کہ آپ اپنا دل بڑا کرتے ہوئے آسیہ کے پاس جائیں اور ایک بار ان کے کان میں کہہ آئیں کہ آپ نے ان کی جانب سے آپ کے ساتھ ہونے والی ہر زیادتی اور یہاں تک کہ ان کے کرائے گئے جادوٹونے کے لیے بھی انہیں معاف کر دیا تو...... آپ کا ردِعمل کیا ہوگا؟''

اتنا کہہ کر بدرالدین سوالیہ اور متجسس نظروں سے حاجرہ کی طرف دیکھنے لگے۔

حاجرہ نے چند لمحوں کے لیے سوچا اور آئی سی یو کی طرف قدم بڑھا دیے۔

ازنا اور زونی حاجرہ کو آتا دیکھ کر کچھ حیران ہوئیں مگر پھر نظر انداز کر دیا۔ حاجرہ سیدھی آسیہ کی جانب بڑھی۔ چند لمحوں کے لیے اس کا سر دونوں ہاتھوں میں لیے رکھا اور پھر جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''آسیہ! میں نے خود کے ساتھ ہونے والی ہر زیادتی کے لیے آپ کو معاف کر دیا۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر آپ کو اس جادوٹونے کے لیے بھی معاف کرتی ہوں جو آپ نے مجھ پر اور میرے گھر کو برباد کرانے کے لیے کرایا۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھ سے متعلق کسی زیادتی یا مجھ پر کرائے گئے جادو کے بارے میں آپ سے کوئی پُرسش یا سوال نہ ہو اور جیسے میں نے آپ کو ہر زیادتی کے لیے معاف کیا ویسے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے اور آپ پر، ہر معاملے میں آسانی اور اللہ کی بخشش و رحمت ہو، آمین۔''

اتنا کہنے کے بعد حاجرہ جیسے اندر آئی تھی ویسے ہی خاموشی سے باہر چلی گئی۔

حاجرہ کے باہر جانے کے بعد چند ڈاکٹرز اندر آئے اور باقی سب کو وہاں سے باہر جانے کے لیے کہا۔

اور اس کے بعد ڈاکٹرز کی طرف سے آسیہ کی موت کی باقاعدہ تصدیق کر دی گئی۔ کسی اندرونی انفیکشن کی وجہ سے آسیہ کا پیٹ پھولنا شروع ہو گیا تھا۔ اور منہ سے پانی باہر آنے لگا تھا۔ مگر چہرے پر حد درجہ سکون و اطمینان تھا۔

میت کی حالت کی بنا پر اسپتال سے جلدی تدفین کے انتظامات کر دیے گئے تھے۔

زونی اور ازنا ماں کی دائمی جدائی پر پچھاڑیں کھا رہی تھیں مگر حاجرہ اور بدرالدین انہیں سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

آسیہ کی موت کی خبر سن کر سبھی اکٹھے ہو گئے تھے جن میں عارفہ پھپو اور عاتکہ پھپو بھی شامل تھیں۔

☆☆☆

عارف نے ازنا کی مدد سے طلال کا فون نمبر حاصل کیا اور اسے ایک ریسٹورنٹ میں ملنے کے لیے کہا۔

جب عارف سے طلال ملنے کے لیے آیا تب عارف نے اپنا مکمل تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ ''وہ دراصل وہی بدقسمت لڑکا ہے جو بدرالدین کی چھوٹی بیٹی مرحا سے شادی کا خواہش مند تھا مگر وہ نہیں ہو سکی اور رشتہ اس کی بڑی بہن سے طے پایا تھا مگر اسے جب معلوم ہوا کہ اس کی چھوٹی بہن اسے پسند کرتی ہے تو بڑی نے شادی کے عین وقت پر منع کر دیا جبکہ نکاح کے لیے بارات دلہن کے ہاں پہنچ چکی تھی۔ ایسے میں خاندان کی عزت بچانے کے لیے حاجرہ ممانی نے اپنی بہن کو دلہن بنانے کی حامی بھر لی تو وہ بھی زبردستی کی شادی کے لیے تیار ہو گئی تھی جبکہ وہ تو اپنے منگیتر یعنی آپ (طلال) سے محبت کرنے لگی تھی اور اس سارے معاملے میں اس کا کوئی قصور بھی نہیں تھا۔ اس لیے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا آپ کی منگیتر سے کبھی کوئی واسطہ یا تعلق نہیں تھا اس لیے آپ انہیں اتنی بڑی سزا نہ دیں اور ان سے رشتہ نہ توڑیں۔'' عارف نے ساری بات بتا کر التجا کی تھی۔

''رشتہ تو ختم بھی ہو چکا دوست......! اب تو صرف جلتے ہوئے خوابوں کا دھواں باقی ہے۔'' طلال نے افسردہ

لہجے میں اطلاع دی۔

''افسوس ہے۔'' عارف نے کہا۔

''مگر سچ کہوں تو اب بھی کچھ نہیں بگڑا، صبح کا بھولا اگر شام کو واپس لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو سرزمینِ دل میں دوبارہ پھول کھلا سکتے ہیں۔'' عارف نے امید بھری نظروں سے طلال کی طرف دیکھا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ میری Ex fiancee سے آپ کو اتنی ہمدردی کیوں محسوس ہو رہی ہے؟'' طلال نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''جی بالکل...... وجہ یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ محض شک کی وجہ سے ایک بے گناہ لڑکی کی زندگی اس کا اچھا رشتہ اور لوگوں پر اس کا امیج خراب ہو، جو جرم اس نے کیا ہی نہیں تو اس کی سزا ناحق اسے کیوں ملے؟'' عارف نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''سوری اگر میں کچھ جذباتی ہو گیا ہوں تو...... مگر میری بھی دو بہنیں ہیں، اگر خدانخواستہ کبھی ان کے ساتھ بھی یہ معاملات پیش آئے ہوتے تو...... اندازہ لگا سکتا ہوں کہ ان کے ساتھ ہماری پوری فیملی کتنے کرب سے گزرتی...... بس اسی لیے۔'' خود پر ضبط کی کوشش میں عارف زبردستی مسکرا دیا تھا۔

طلال نے چند لمحوں تک عارف کی جانب دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ عارف کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''میں شرمندہ ہوں کہ میں نے جلد بازی میں شاید کچھ غلط فیصلہ کر ڈالا، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کروں گا مگر مجھے لگتا ہے کہ اب دیر ہو چکی ہے۔'' طلال نے کچھ سنجیدہ اور کچھ افسردہ لہجے میں کہا۔

چائے آ گئی تو دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے اور پھر ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔

☆☆☆

وقت بہت بڑا مرہم ہے، یہ بڑے سے بڑا زخم مندمل کر کے دل سے صدموں کا بوجھ کم کر دیتا ہے۔

مرحا سے دائمی جدائی اور اپنی ماما (آسیہ بی) کی وفات نے اگرچہ زونی اور ازنا کو گم صم کر دیا تھا مگر پھر وہ رفتہ رفتہ نارمل ہونے لگی تھیں اور معمولاتِ زندگی کی طرف واپس لوٹنے لگی تھیں۔ اور سچ تو یہ تھا کہ انہیں زندگی کی رونقوں کی طرف واپس موڑنے اور تلخ حقائق کا سامنا کرنے اور مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ عطا کرنے میں جہاں... بدرالدین کا بڑا کمال تھا وہیں حاجرہ کا بھی کچھ نہ کچھ کردار پسِ پردہ ضرور تھا۔ وہ دونوں بچیوں کی معمولی ضروریات کا بھی بہت خیال رکھتی تھی اور اکثر اصرار کر کے بدرالدین کو انہیں باہر لے جانے گھمانے پھرانے کے ہمراہ وقت گزارنے اور بچیوں کو باپ سے اپنے دل کی باتیں کرنے کا موقع دیا کرتی تھی تاکہ دونوں بیٹیوں کے دلوں پر چھایا غبار چھٹ سکے۔ اگرچہ بدرالدین اسے بھی ساتھ لے جانے پر اصرار کرتے مگر وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹال جایا کرتی...... کیونکہ وہ باپ، بیٹیوں کے درمیان مخل ہونا نہیں چاہتی تھی۔

صرف یہی نہیں بلکہ حاجرہ نے آسیہ بی کے گزر جانے کے بعد بھی ان کے ایصالِ ثواب کے لیے ختم قرآن کا اہتمام بڑی باقاعدگی سے کیا۔ اور ہمیشہ اپنی سوتن کے لیے اچھے کلمات ادا کیے اور ان کا ذکر احترام سے کیا جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ حاجرہ اور بچیوں کے درمیان تناؤ کم ہونے لگا اور وہ حاجرہ سے دوستانہ رویہ رکھنے لگی تھیں یہاں تک کہ آسیہ کے چالیسویں کے بعد تو بدرالدین کی دونوں بیٹیاں حاجرہ سے کافی گھل مل گئی تھیں۔ اور حاجرہ بھی ہر جگہ انہیں ساتھ رکھتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر میکے جاتی تو بھی انہیں ساتھ لے جاتی کیونکہ وہاں عافیہ سے ان دونوں کی بے حد دوستی تھی۔ تینوں مل کر خوب گپیں لگاتی تھیں۔

☆☆☆

"آج طلال میرے آفس آئے تھے مجھ سے ملنے کے لیے" کھانا کھاتے ہوئے شاکر بھائی کو اچانک یاد آیا تو وہ بتانے لگے۔

"طلال......؟ مگر وہ اب کیا کہنے آئے تھے؟" امی نے تیوری پر بل ڈال کر پوچھا۔

"وہ منگنی توڑنے والے فیصلے پر نادم ہیں......" شاکر بھائی نے بتایا۔

"ہائے......اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت......" دادی نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"ابھی چڑیوں نے پورا کھیت نہیں چگا دادی! بھلائی کا کوئی راستہ نکل سکتا ہے۔" بھابی نے کہا۔

"ہاں جی...... میں تو کہتی ہوں کہ اپنی عافیہ جی کی جوڑی تو بجتی ہی طلال بھائی کے ساتھ ہے۔ کتنے ہینڈسم ہیں وہ...... مجھے تو بہت اچھے لگتے ہیں۔" رانی شاکر بھائی کو پانی کا گلاس پکڑاتے ہوئے چہکی۔

"اچھا تو تمہاری کرادوں شادی ان ہینڈسم سے...... اگر اتنے ہی اچھے لگتے ہیں تو......" عافیہ ساری گفتگو سنتی ہوئی جانے کہاں سے اچانک اُدھر آنکلی تھی اور آتے ہی رانی کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"توبہ، توبہ عافیہ جی! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ...... میرے لیے تو وہ بھائی جیسے ہیں، شادی تو آپ کی ہوگی اُن سے۔" رانی اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی تھی۔

"اونہہ...... اُن سے شادی کرتی ہے اب میری جوتی......" عافیہ نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا تو، تو میں، میں شروع کردی ہے تم دونوں نے" دادی نے غصے سے رانی اور عافیہ کو جھڑکا۔

"چلو تم کچن میں جاؤ رانی...... جا کر اپنا کام کرو...... اور عافیہ تم بھی زبان کو لگام دو اور شاکر کو اپنی بات مکمل کرنے دو......" دادی نے ڈانٹا تو رانی بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف چل دی اور عافیہ منہ بسور کر ایک طرف بیٹھ گئی تھی۔

پاکیزہ کے باذوق قارئین کے لیے خوشخبری

کون خوابوں کے پار رہتا ہے

خوابوں، خیالوں اور تخیلات کی دنیا ہمیشہ ہی مسحور کن لگتی ہے۔ سنہرے اور روپہلے خوابوں پر نہ کسی کو اختیار ہے اور نہ ہی کوئی قدغن لگ سکتا ہے۔ امنگوں، آرزوؤں کی تکمیل میں تخیلاتی دنیا کبھی معاون ہوتی ہے تو کبھی انسان مایوس بھی ہوجاتا ہے۔ مگر یہاں مایوسی بھی آگے بڑھنے میں معاون ثابت ہو تو منزل تک پہنچنا آسان ہوجاتا ہے۔

حسین داستاں اور خوابوں کی تعبیر ...... ایسے ہی تو بنتی ہے ایک دلکش تحریر

مایہ ناز، قلمکار، ہر دلعزیز ناول نگار محترمہ

افشاں آفریدی

کے ماہرانہ انداز بیان کا ایک اور دلکش، حسین و پرلطف قسط وار ناول

جلد ہی ماہنامہ پاکیزہ کے صفحات کی زینت بننے جا رہا ہے

''ہاں تو شاکر...... تم کچھ کہہ رہے تھے۔'' امی نے پوچھا۔

''جی بس یہی بتا رہا تھا کہ وہ اپنے فیصلے پر ندامت کا اظہار کر رہے تھے اور رشتہ قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ساتھ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اگر ہم ان کی یہ غلطی معاف کر دیں تو اُن کی امی شادی کی تاریخ نئے سرے سے مقرر کرنے کے لیے بات بھی کر لیں گی۔'' شاکر بھائی نے بتایا تو دادی اور امی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگیں۔

''تم کیا مشورہ دو گے؟'' اچانک امی نے شاکر بھائی سے پوچھا۔

''اتنی جلدی میں کچھ مشورہ نہیں دے سکتا، صرف اتنا کہوں گا کہ اب ہمیں فیصلے کا اختیار صرف عافیہ کے حوالے کر دینا چاہیے، وہ سمجھدار ہے، اس سارے معاملے کی روشنی میں اپنی زندگی کا خود فیصلہ کر سکتی ہے۔'' شاکر بھائی نے کہا۔

''اور میرا فیصلہ یہ ہے کہ مجھے اب ان صاحب سے ہرگز بھی شادی نہیں کرنی جو میرے حالات کی نوعیت اور میری مجبوریوں کو نہ سمجھ سکے اور مجھ پر بے وفائی کا الزام لگا کر ایک دم سے اجنبی ہو گئے۔ ایسے متلون مزاج انسان پر بھروسا کیا ہی نہیں جا سکتا اس لیے میری جانب سے انکار ہے۔'' عافیہ نے فوراً ہی دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

''پھر بھی میری نصیحت یہی ہے عافیہ کہ تم کچھ ٹائم لو اور اس کے بارے میں اچھی طرح غور و فکر کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرو...... اور پھر ہمیں بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا تا کہ طلال کو حتمی فیصلے سے آگاہ کیا جا سکے۔'' شاکر بھائی نے عافیہ سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

digest library.com

''شاکر بھائی! آپ جتنی بار بھی پوچھیں گے تو میرا جواب یہی ہوگا۔'' عافیہ نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے عافیہ! ہم اس بارے میں پرسوں بات کریں گے۔'' شاکر بھائی نے کہا اور ہاتھ دھونے کے لیے اٹھ گئے۔

☆☆☆

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو عرشان! میں اب یوں تم سے نہیں مل سکتی......'' ازنا نے موبائل کان سے لگائے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''آخر کیوں؟ ملے بغیر ہم بھلا آئندہ کا لائحہ عمل کیسے طے کریں گے۔'' عرشان کی آواز میں جھنجلاہٹ کا عنصر صاف نظر آ رہا تھا۔

''دیکھو عرش! ہم بہنوں کی وجہ سے پاپا کی اپنے خاندان میں پہلے ہی بہت سُبکی ہو چکی ہے۔ میں اب اپنی وجہ سے پاپا کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ میرا کزن عتیق اس سے پہلے بھی ایک بار ہمیں ریسٹورنٹ میں دیکھ چکا ہے۔ میری پھپو نے اس کی وجہ سے گھر آ کر میری اسٹیپ مدر کی کافی انسلٹ بھی کی تھی۔ وہ تو شکر ہے کہ انہوں نے معاملہ رفع دفع کر دیا اور پاپا تک بات نہیں پہنچائی ورنہ بڑی گڑبڑ ہو جاتی۔'' ازنا نے بتایا۔

''ہاں بتایا تو تھا تم نے......'' عرشان نے کہا۔

''اچھا...... بس ایک بار مل لو...... پھر تو جلد ہمارا رشتہ ہی طے ہو جائے گا تو تمہارا خوف بھی دور ہو جائے گا......'' عرشان نے ضد کی۔

''مگر ملنا کیوں ضروری ہے بس سیدھا اپنی امی کو پاپا کے پاس رشتے کے لیے بھیجو...... بات ختم......'' ازنا نے سمجھایا۔

''ملنا بہت ضروری ہے...... کیوں؟ اس کا جواب تمہیں مل کر ہی معلوم ہوگا......''

عرشان کی آواز میں شوخی و خوشی کا عنصر غالب تھا۔

''اچھا کوشش کروں گی......'' ازنا نے دھیرے سے کہا تھا۔

''ہاں پلیز...... مجھے تمہیں سرپرائز دینا ہے۔'' عرشان پُرجوش تھا۔

''ٹھیک ہے...... کہا ناں کہ کوشش کروں گی۔ مگر وعدہ نہیں کر سکتی۔'' اتنا کہہ کر ازنا نے کال بند کر دی تھی۔

☆☆☆

زونی وقت گزاری کے لیے یونہی اپنا موبائل اسکرول کر رہی تھی کہ اچانک اسکرین پر عارف کے میسج کا نوٹیفیکیشن دیکھ کر حیران رہ گئی۔

اتنے عرصے بعد عارف نے اسے بھلا کیوں میسج کیا تھا! وہ سوچ میں پڑ گئی۔

اگر عارف کا میسج پہلے کبھی آیا ہوتا تو شاید اس کی خوشی کی انتہا نہ رہتی اور اس کا دل بے طرح دھڑک اٹھتا مگر آج اس کے اندر کوئی ہلچل نہیں تھی۔

اس نے قدرے توقف کے بعد عارف کا میسج کھولا تو لکھا تھا۔

''غم سے غم کا سودا کرنا ٹھیک نہیں......
آؤ سکھ سے سکھ کو تولیں بہتر ہے
دیکھو تم اس سرد رویے کو چھوڑو
اِک ہی راہ کو دونوں ہولیں بہتر ہے
تم مجھ کو چھوڑ کے جانے کی بات کرو
اور ہم تم کو کچھ نہ بولیں بہتر ہے؟
ہیں جس، جس کے دل میں نفرت کی گرہیں
سارے گر وہ کھل کھولیں بہتر ہے''

کسی نا معلوم شاعر کی شاعری کو عارف نے اپنے اظہارِ دل کا ذریعہ بنالیا تھا اور زونی سے مخاطب تھا۔

اس شاعری سے تو صاف ظاہر تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے زونی کا ہاتھ تھامنا چاہتا تھا مگر آج اس کے اس واضح پیام نے زونی کے دل کو گدگدایا تھا نہ اس کی دھڑکنوں کو تیز کیا تھا بلکہ الٹا اس پر عجب سی بیزاری طاری ہونے لگی تھی۔

اس نے موبائل کی اسکرین آف کر کے بے دلی سے بستر پر اچھال دیا۔ اور اپنی آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چن کر خود ضبط کے مراحل سے گزرنے لگی۔

☆☆☆

فون پر امجد میاں کی کال دیکھ کر بدرالدین نے فوراً کال پک کی تھی۔

سلام دعا کے بعد وہ فوراً اپنے مطلب کی بات پر آ گئے۔ اور انہوں نے بدرالدین کو اطلاع دی کہ ان کی بہن آسیہ نے مرنے سے پہلے اپنی وصیت میں اپنے شوہر کی طرف سے ملنے والی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائداد سمیت اپنا سارا بینک بیلنس اپنے بھائی امجد میاں کے نام کر دیا تھا۔ اور تمام ضروری کاغذات پر دستخط بھی کر دیے تھے۔

''اُمید ہے کہ آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا...... میں نے آپ کو اطلاع دینا مناسب سمجھا اس لیے کال کر لی۔'' امجد میاں نے پُراعتماد لہجے میں اطلاع دی تھی۔ جواباً بدرالدین چند ثانیے تک خاموش رہے تھے۔

''شاید آپ کو انجانے میں سرپرائز دے دیا میں نے...... معذرت چاہتا ہوں......'' امجد میاں کی آواز میں بے پروائی تھی، انداز مؤدبانہ مگر لہجہ تمسخرانہ تھا۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ سب مجھے بہت پہلے سے معلوم تھا مگر میں اب تک مصلحتاً خاموش تھا۔ اس لیے سرپرائز دینے والی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں البتہ میرے پاس آپ کے لیے ایک بہت بڑا سرپرائز ضرور موجود ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہم کسی جگہ طے شدہ وقت پر اپنے، اپنے وکیل کے ہمراہ ملاقات کر لیتے ہیں......'' بدرالدین نے بے حد پُرسکون انداز میں جواب دیا۔

ہم ساون اور صاحب جی

شادی کے بعد قصے کہانیوں میں پڑھے ہوئے نئے نویلے جوڑوں کے ساون منانے کے انداز کیا یاد آئے ہم بھی پلان ترتیب دینے لگے کہ کیسے ساون منایا جائے۔ جب ساون کی پہلی بارش کے آثار نظر آئے تو شفقات صاحب سے لاڈ سے فرمائش کی کہ" آج کام پر مت جائیں۔"

"کیوں؟" وہ غصے سے بولے۔ "خیر تو ہے۔"

جب ہم نے اپنا مدعا بیان کیا تو باقاعدہ دانت پیس کر بولے۔

"بیوقوف عورت ہر وقت کتابی دنیا میں رہتی ہے...... ایسے چونچلے قصے کہانیوں میں ہی اچھے لگتے ہیں۔ حقیقی دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔" وہ تو ہمارا اَمنا سا دل توڑ کر چلے گئے۔

ہم کافی دیر اکیلے بیٹھے جب رو، رو کر تھک چکے تو اٹھے گھر کے کام کاج سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ موسلا دھار بارش برسنے لگی..... جلدی سے کرسی میز دروازے کے ساتھ رکھی..... اور خود کچن میں جا کر ایک چولھے پر لیمن گراس کا قہوہ بنانے کے لیے پانی رکھا اور خود پکوڑوں کا آمیزہ بنانے لگے۔ تھرماس میں لیمن گراس قہوہ، ایک بڑی پلیٹ میں پکوڑے، ہری چٹنی اور پاکیزہ رسالہ لے کر آن بیٹھی ابھی ایک دو پکوڑے ہی کھائے ہوں گے میاں جی کو گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ ان کے لیے اپنی کرسی خالی کر کے دوسری کرسی رکھی۔

"مطلب.....؟ میں سمجھا نہیں آپ کی بات....." امجد کچھ پریشان سے ہو کر بولے۔

"میں سمجھا دوں گا جب آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوگا......" بدرالدین نے ٹھہرے، ٹھہرے انداز میں جواب دیا اور کال بند کر دی..... چند لمحوں تک وہ کچھ سوچتے رہے اور پھر اپنے ایڈووکیٹ کو کال ملانے لگے۔

☆☆☆

"بس یہیں روکو......" عارفہ بیگم نے سرکاری ای ٹائپ کوارٹرز میں سے ایک صاف ستھرے کوارٹر کے آگے جا کر گاڑی رکوا دی تھی۔

"مجھے کچھ یاد تو پڑتا ہے کہ بدرالدین کا رشتہ لے کر ہم اسی جگہ آئے تھے۔" عارفہ بیگم نے زیرِ لب خود کلامی کی۔ اور ڈرائیور کو دروازے کی گھنٹی بجانے کے لیے کہا۔

شاکر بھائی نے آ کر دروازہ کھولا تھا۔

قیمتی گاڑی سے اتر کر دروازے کی جانب بڑھتی عارفہ بیگم کو یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر شاکر بھائی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

"آپ؟" بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا تھا۔

"اندر آنے کے لیے نہیں کہیں گے؟" سلام کے بعد عارفہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی..... کیوں نہیں..... تشریف لائیے......" شاکر بھائی نے پیچھے ہٹ کر عارفہ بی کو راستہ دیا اور خود امی، دادی اور بیگم کو پکارنے لگے۔

وہ تینوں شاکر بھائی کی آواز پر صحن میں چلی آئی تھیں۔ اور اپنے سامنے مسکراتی ہوئی عارفہ بی کو کھڑے دیکھ کر

''آہا گرما گرم پکوڑے...... ''لیکن قہوے کو دیکھتے ہی ان کا منہ بن گیا۔ بولے۔'' بھلا قہوے اور پکوڑوں کا کیا جوڑ...... جاؤ چائے بنا کر لاؤ۔''

میں جلدی سے ان کے لیے چائے بنا کر لائی۔ سوچا مل کر پکوڑے کھاتے ہوئے ساون منائیں گے لیکن یہ کیا؟ جب میں کچن سے باہر آئی تو پکوڑوں کی خالی پلیٹ جیسے میرا منہ چڑا رہی تھی...... پکوڑوں پر فاتحہ پڑھتے ہوئے ٹھنڈے قہوے کو چھوڑ کر گرما گرم قہوہ پیالی میں انڈیلا...... ابھی ایک چسکی ہی لی تھی کہ صاحب جی بولے۔'' جلدی قہوہ پیو...... کہیں بارش نہ رک جائے۔'' تو میں خوشی کے مارے ایک دو گھونٹ میں ہی سارا قہوہ پی گئی۔ شاید ان کو احساس ہو ہی گیا ہے جو یوں چھٹی کر کے گھر آ گئے۔ شاید مجھے باہر لے جانے کا پروگرام ہوگا۔ چلو کھیتوں میں ہی سہی اب آئے گا ساون منانے کا مزہ...... لیکن یہ کیا......؟ انہوں نے بڑی چٹائی اٹھا کر صحن میں بچھائی اور اس پر ایک بڑا ڈبل کمبل رکھا اور بولے جلدی سے کمبل دھو لو بارش کے کھلے پانی میں اچھی طرح صاف ہوگا اور ذرا جلدی ہاتھ چلانا کہ سارے کمبل دھونے ہیں...... ساتھ کے ساتھ اپنا ساون بھی منا لو جی بھر کر۔'' تو یہ سن کر ہمارے خوابوں کا تاج محل دھڑام سے گرا ہم برستی بارش کے ساتھ مل کر زار و قطار آنسو بہاتے ہوئے چپ چاپ کمبل دھونے لگے جبکہ برستی بارش کے ساتھ ہماری آنکھوں سے بہنے والے ساون سے بے نیاز شفقات صاحب کرسی پر بیٹھے چائے کی چسکیاں بھرتے ہوئے یقیناً ساون سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

نرگس نسیم صابہ موہڑہ، چکوال

حیران و پریشان رہ گئی تھیں۔ پھر حواس بحال کرتے ہوئے انہیں اندر لاؤنج کی جانب لے چلیں۔ عافیہ نے آج کپڑے دھونے کے لیے مشین لگائی ہوئی تھی...... اور اب وہ دھلائی سے فراغت کے بعد صحن دھو کر وائپر لگا رہی تھی۔

دونوں پائنچے چڑھائے، بالوں کی چوٹی گوندھے وہ عارفہ کو بے حد پیاری لگی تھی۔ اس کی چوٹی سے بال نکل کر اس کے صبیح چہرے کا طواف کر رہے تھے۔ وہ عارفہ کو سرسری انداز میں سلام کرنے کے بعد دوبارہ اپنے کام میں جت گئی تھی۔ عارفہ اندر جا کر بڑے آرام سے دادی کے تخت کے پاس پڑے بید کے صوفے پر ٹک گئی تھیں۔

بھابی! انہیں بٹھا کر فوراً کچن کی طرف دوڑی تھیں تا کہ ان کے لیے چائے پانی کا انتظام کر سکیں۔

دادی نے فوراً اپنا تخت سنبھالا اور پاندان ایک طرف سرکا کر عارفہ کی طرف متوجہ ہو گئیں جو موبائل پر ڈرائیور کو مٹھائی و فروٹ کے ٹوکرے اندر لانے کا حکم جاری کر رہی تھیں۔

امی بھی تجسس بھری نظروں سے عارفہ کی طرف دیکھ رہی تھیں...... جن کے چہرے پر اک مہربان سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

ڈرائیور نے چند منٹوں میں سامنے رکھی میز پر فروٹ کی باسکٹس مٹھائی کے ٹوکرے اور ڈرائی فروٹ کی ٹوکریوں کے ڈھیر لگا دیے تھے۔

''ان سب کی بھلا کیا ضرورت تھی...... آپ نے ناحق تکلف کیا......'' امی نے عارفہ سے کہا تو اُن کے چہرے کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

''یہ تکلف نہیں بلکہ خوشی کے موقع کی ایک چھوٹی سی رسم ہے، بھلا کسی کے گھر اس کی بیٹی کا ہاتھ مانگنے خالی تھوڑا ہی جاتے ہیں۔ یہ سب تو شگن کا حصہ ہے۔'' عارفہ بی نے کہا تو امی اور دادی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔

''بیٹی کا ہاتھ مانگنے......؟ میں کچھ سمجھی نہیں......'' دادی نے کہا تو عارفہ ہنس پڑیں۔

”جی ہاں......! میں اپنے عارف کے لیے عافیہ کا رشتہ لینے آئی ہوں......امید ہے کہ آپ لوگ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ ویسے بھی مجھے معلوم ہوا تھا کہ عافیہ کی منگنی ختم ہوگئی ہے تو سوچا میں اپنا دامن پھیلا دوں......ہوسکتا ہے کہ عافیہ کے نصیب میں میری بہو بننا لکھا ہو......“ عارفہ نے کہا تو امی، دادی اور شاکر بھائی سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے۔ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ عارفہ کو اُن کی بات کا کیا جواب دیں۔ چند لمحوں کے لیے خاموشی چھاگئی تھی۔

”دراصل حاجرہ نے جس طرح بدرالدین کے ہاں سارے معاملات سنبھالے اور آپ کی تمام فیملی نے جس طرح سے ہمارا مشکل وقت میں ساتھ دینے کی کوشش کی اس بات نے ہمارا دل جیت لیا ہے۔ اپنوں کی مخلصی کی پہچان کٹھن وقت میں ہی ہوا کرتی ہے اور خاندانی و باوقار لوگ ہی رشتے نبھانے کا ہنر جانتے ہیں اور آپ لوگوں نے خود کو ثابت بھی کردیا۔ جو ہوا شاید قدرت نے نصیب میں اسی طرح لکھا تھا۔ عافیہ مجھے بے حد پسند ہے اور ہماری خوش نصیبی ہوگی اگر وہ عارف کی دلہن بن کر ہمارے گھر آجائے۔“ عارفہ نے کہا اسی لمحے سامنے سے گزرتی عافیہ کو عارفہ نے آواز دے کر پکارا اور اپنے پاس بٹھالیا۔ پھر اپنا پرس کھول کر ایک مخملیں ڈبیا سے ڈائمنڈ رنگ نکال کر بغیر کچھ سوچے جلدی سے اس کی انگلی میں پہنادی تھی۔

یہ سب اتنی عجلت میں ہوا کہ عافیہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور گھر کا کوئی فرد بھی کچھ کہہ نہیں سکا۔ وہ سب دیکھتے ہی رہ گئے۔

digest library.com

”اس جرأت کے لیے معذرت چاہتی ہوں اور آپ سب سے اس رشتے کے بابرکت ہونے کی دعا کے لیے ہاتھ بلند کرنے کی التجا کرتی ہوں......“

اتنا کہہ کر خود عارفہ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھادیے تھے اور سبھی کو ان کی تقلید کرنی پڑی تھی۔

بس ایک عافیہ ہی تھی جو حیران نظروں سے ٹکر ٹکر سب کی طرف دیکھے جارہی تھی۔

☆☆☆

”جی بدرالدین صاحب! کہیے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟ گھر میں سب خیریت ہے ناں؟ ہماری دونوں بیٹیاں تو ٹھیک ہیں؟ گھر میں پھر تو کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا؟“

سلام و دعا کے بعد مولوی صاحب نے ایک ہی سانس میں کئی سوالات پوچھ ڈالے تھے۔ جواباً بدرالدین نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور ان کی دعاؤں سے سب کچھ معمول کے مطابق ہے اور دوبارہ کوئی دشواری نہیں ہوئی تو مولوی صاحب نے اطمینان کا اظہار کیا اور بدرالدین کو دونوں بچیوں کے رشتے جلد از جلد طے کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے ان سے دوبارہ ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو بدرالدین کو بھلا کیوں اعتراض ہوتا۔ چنانچہ اسی ہفتے انہوں نے مولوی صاحب کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے ڈالی تھی۔

وہ جانتے تھے کہ مولوی صاحب کی آمد بے مقصد نہیں ہوسکتی مگر ان سے پوچھنا بھی مناسب نہیں تھا، اس لیے وہ بس ان کی آمد کے منتظر تھے۔

☆☆☆

امجد میاں بغل میں ایک کالے رنگ کا بریف کیس دبائے چوروں کی طرح اپنے ہی گھر میں چپکے سے داخل ہوئے تھے مگر سامنے سے آتی ہوئی حسنہ شاہانہ نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتیں امجد میاں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بیڈروم میں اپنے پیچھے آنے کے لیے کہا۔

''کوئی ہے تو نہیں......'' امجد میاں نے محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔
''گھاس کھا کر آئے ہو کیا! اور کون ہوگا بھلا گھر میں میرے اور بچوں کے سوا......؟'' حسنہ نے شوہر کو ڈپٹتے ہوئے پوچھا۔
''اوہو...... میں ملازماؤں کی بات کر رہا ہوں...... ورنہ تم تو ہو ہی...... تمہیں کہاں جانا ہے بھلا......'' بریف کیس ابھی تک امجد میاں کی بغل میں دبا تھا۔ اور وہ ماتھے سے پسینہ پونچھ رہے تھے۔
''وہ اوپر اپنے کمرے میں ہیں اور منی اور گڈو کارٹون دیکھ رہے ہیں......'' حسنہ نے بتایا تو امجد نے بریف کیس بیڈ پر رکھا اور اٹھ کر بیڈ روم کا دروازہ مقفل کر دیا۔
حسنہ کی سوالیہ نظریں بریف کیس پر جمی تھیں...... دروازہ لاک کر کے امجد میاں آئے اور نمبر گھما کر بریف کیس کھول دیا اور حسنہ بی کی چیخ نکلتے، نکلتے رہ گئی...... سامنے بریف، میں پانچ ہزار روپے والے نوٹوں کی بے شمار گڈیاں موجود تھیں بلکہ پورا بریف کیس ہی ان نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اتنی دولت دیکھ کر حسنہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔
''یہ اتنے سارے نوٹ......؟ یہ پیسے کہاں سے آئے......؟'' حسنہ نے سرگوشی کے انداز میں سوال کیا۔
''مجھے بدر الدین کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے، اس سے پہلے کہ وہ کوئی قانونی کارروائی کرتے میں نے پلازہ کی چھ دکانیں فروخت کر دی ہیں پورے تیس کروڑ میں۔'' امجد میاں نے جوش بھرے انداز میں بتایا۔
''ت...... تی...... س...... ک...... روڑ......'' ممانی بے ہوش ہوتے ہوتے بچی تھیں۔
''حوصلہ کرو...... جانو! ابھی تو یہ صرف پندرہ کروڑ ہیں، باقی کے پندرہ کروڑ تو دوسرے بریف کیس کے اندر گاڑی کی ڈگی میں پڑے ہیں۔ ابھی وہ بھی نکال لاتا ہوں...... پھر ہو جائیں گے پورے تیس کروڑ......'' امجد میاں نے ہنستے ہوئے بتایا۔
''تو بینک میں جمع کرا دیتے ناں......'' حسنہ نے کہا۔
''اگر بینک میں جمع کراتا تو ایف بی آر والے میرے پیچھے پڑ جاتے کہ بتاؤ اتنا روپیہ کدھر سے آیا جبکہ تم تو آفس میں معمولی سے کلرک ہو...... ایک نیا مقدمہ کھڑا ہو جاتا'' امجد میاں نے جواب دیا۔
''تو بتا دیتے کہ مرنے سے پہلے بہن نے جائداد ہمارے نام کر دی تھی۔ اس میں کیا بڑی بات تھی۔'' حسنہ نے حسبِ عادت جرح کی۔
''اس میں بھی کئی قانونی پیچیدگیاں بھگتنی پڑتیں خیر تم نہیں سمجھو گی...... میں دوسرا بریف کیس بھی نکال کر لاتا ہوں...... اتنی دیر میں تم اسے کسی الماری میں چھپا دو......'' امجد میاں نے کہا۔
''تعجب ہے اتنا کیش تمہیں ان لوگوں نے کیسے دے دیا'' حسنہ کا یہ جملہ سن کر امجد نے انہیں عجیب نظروں سے گھورا۔
''ہائے اتنی دولت دیکھ کر تو میری آنکھیں ہی نہیں رج رہیں...... کہیں یہ سب خواب تو نہیں ہے۔'' حسنہ کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔
''اری پگلو...... یہ خواب نہیں بلکہ خوابوں کو حقیقت کا روپ دینے کا وقت ہے۔'' امجد نے حسنہ کو پیار سے چمکارتے ہوئے کہا۔
''بس مجھے اب اس گھر میں نہیں رہنا...... یہ بہت پرانا اور چھوٹا ہے مجھے تو بدر الدین کی طرح کے بڑے سے لان والے گھر میں رہنا ہے۔'' حسنہ نے اٹھلا کر فرمائش جھاڑی۔
''اری فکر نہ کر...... بہت جلد ہم محل جیسے گھر میں شفٹ ہوں گے، نیا گھر، نیا فرنیچر، نئی جگہ اور...... پھر نئی گھر والی......'' بے ساختہ امجد میاں کی زبان سے نکلا تھا۔ حسنہ کی خواب دیکھتی آنکھیں یک دم چونکنا سی ہو کر امجد میاں کو بری طرح گھورنے لگی تھیں مگر وہ ان کی پروا کیے بغیر ہنستے ہوئے نوٹوں سے بھرا ہوا دوسرا بریف کیس لانے کے لیے کمرے

سے باہر چلے گئے تھے۔

☆☆☆

’’میں یہاں بور ہوگیا ہوں...... ابھی تک مجھے ڈرائیونگ کے لیے نہیں بلایا گیا...... صاحب خود گاڑی چلاتا ہے یا ان کا بیگم...... مجھے بس نمائشی طور پر رکھا گیا ہے۔ باقی میرا کوئی کام نہیں...... سارا دن کھاتے، چائے پیتے، موبائل چلاتے یا سوتے گزر جاتا ہے اور کوئی کام نہیں ہے...... امارا بات مانو تو ام کو واپس بولا لو...... (بلالو)‘‘ بندوق خان نے فون ملا کر عتیق سے کہا تھا۔

’’ارے خان ذرا دماغ استعمال کرو، ایسی نوکری تو نصیب والوں کو ملتی ہے کہ جس میں کوئی کام تو ہو نہیں مگر تنخواہ ڈبل ہو...... یوں سمجھو کہ تمہارا تو لاٹری نکل آیا کہ کھانے پینے اور صرف عیش کرنے کے اتنے پیسے مل رہے ہیں اور سب سہولتیں مفت میں۔ تو بس انجوائے کرو...... اور اس گھر کی لڑکیوں میں سے کوئی اگر تمہارے ساتھ گاڑی پر باہر جائے تو مجھے بتانا......‘‘ عتیق نے ہدایت دی۔

’’ٹھیک ہے...... ام فوراً بتائے گا......‘‘ بندوق خان نے کہا اور سلام کے بعد کال بند کردی۔

☆☆☆

موسم صبح سے ہی ابر آلود تھا۔ پھر کچھ دیر ہلکی بارش ہو کر تھمی تو ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ آسمان پر کالے سفید بادل ابھی تک آپس میں اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔

زونی نے اپنا کافی کا مگ اٹھایا اور لان میں بنی سنگ مرمر کی بینچ پر آ بیٹھی اور کافی کے ساتھ موسم انجوائے کرنے لگی۔ ساتھ میں اس کے ذہن کی اسکرین پر ماضی کے مناظر کسی فلم کی کہانی کی طرح چلنے لگے تھے۔ جب وہ مما اور پاپا کے ساتھ اپنی بہنوں کے ساتھ بارش انجوائے کرتی تھی۔ اکثر ایسے سہانے موسم میں پاپا ان سب کو لانگ ڈرائیو پر لے جایا کرتے تھے۔ کبھی وہ تینوں بہنیں برستی بارش میں نہانے اور کھیلنے کے لیے لان میں جایا کرتی تھیں تو دادی آسمانی بجلی کی گرج چمک سے خوفزدہ ہو کر انہیں فوراً اندر بلا لیا کرتی تھیں اور جب تک بادلوں کی گرج اور چمک بند نہ ہو جاتی تو وہ انہیں اپنے ساتھ چمٹائے بہ آواز بلند قرآنی آیات کا ورد کرتے ہوئے ہر طرف خیر و عافیت کی دعائیں کرتی رہتی تھیں۔ اور مما، پاپا کے لیے پیاز و ہری مرچوں کے پکوڑے بنوایا کرتی تھیں جو وہ املی کی چٹنی کے ساتھ بڑی رغبت سے کھایا کرتے تھے۔ اور دادی کو گڑ اور آٹے سے بنے گلگلے پسند تھے، اس لیے ان کے لیے گلگلے بنا کرتے تھے۔ وہ زمانے جانے کہاں چلے گئے تھے اور وہ سب پیاری ہستیاں بھی جانے کہاں جا کے چھپ گئی تھیں۔

’’کتنے جھوٹے ہوتے ہیں ہم سب، ہم ہمیشہ یہی سوچتے اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے پیاروں سے بچھڑ کر کبھی زندہ نہیں رہ پائیں گے، ہمارے اندر کسی عزیز از جان ہستی سے جدائی سہنے کا حوصلہ ہی نہیں تو پھر ہم ان کے بنا کیسے جی پائیں گے۔ مگر ہم جی لیتے ہیں...... وقت ہمیں تنہا بھی جینے کا ہنر سکھا دیتا ہے، ہر دم ہماری نظروں کے سامنے رہنے والی ہستیوں کے چہرے دور کسی نادیدہ دھند کے پار کہیں گم ہو جاتے ہیں اور ہم تن تنہا زندگی کے سفر میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔‘‘ کافی کا تلخ گھونٹ حلق سے اتار کر پل بھر کے لیے زونی نے آنکھیں موند لی تھیں۔

ذہن کا پردۂ اسکرین تبدیل ہوا تو نیا منظر یادوں کی چلمن سے جھانکنے لگا۔

’’لک چھپ جانا
مکئی کا دانا
راجے کی بیٹی آئی ہے......
آجا......‘‘ ان آوازوں میں ازنا، مرحا، عتیق کے علاوہ سب سے بلند صدا عارف کی ہوتی تھی۔

digest library.com

چھپن، چھپائی، اونچ نیچ کا پہاڑ اور برف پانی کا کھیل کھیلتے ہوئے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو اندازہ ہوا کہ چھپن، چھپائی کا کھیل بڑے ہونے کے بعد یوں حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے کہ ہماری زندگی کی اہم ہستیاں ایک دن کہیں دور جا کر ایسے چھپ جاتی ہیں کہ ہم لاکھ کوشش کے باوجود کبھی انہیں پھر ڈھونڈ نہیں پاتے اور وہ بس اک یاد بن جاتی ہیں اور زندگی وقت کے دھارے میں بہہ کر گویا اونچ نیچ کا پہاڑ بن جاتی ہے، کبھی بلندی اور کبھی کھائی..... بس خواہشیں ساری عمر انسان کے ساتھ اونچ نیچ کا پہاڑ کھیلتی رہتی ہیں، ہماری نامکمل اور ادھوری تمنائیں کبھی پتھریلی برف کا روپ دھار لیتی ہیں تو کبھی پانی بن کر آنکھوں میں ٹھہر جاتی ہیں۔ اسی کا نام زندگی ہے شاید۔

زونی کی پلکوں سے دو گرم آنسو ٹوٹ کر اس کے گالوں پر بکھر گئے تھے۔

تبھی گیٹ کھلا اور عارف کی گاڑی ڈرائیو وے میں آ کر رکی۔

زونی نے جلدی سے اپنی ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں پونچھ ڈالی تھیں۔

''یہ کیا......'' عارف گاڑی سے اتر کر سیدھا اسی کی طرف آ رہا تھا اس کے لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں میٹھی سی چمک کے ساتھ وہ بڑا سا فلاور بوکے اٹھائے زونی کی سمت بڑھ رہا تھا۔ زونی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی اور حیران نظروں سے عارف کو اپنی طرف آتا دیکھ رہی تھی۔

قریب آ کر عارف نے مسکرا کر سلام کیا اور پھولوں کا بوکے زونی کے سامنے سفید پتھر کی میز پر رکھ دیا اور خود سامنے والی بینچ پر ٹک گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی زونی بھی واپس اپنی جگہ بیٹھ گئی اور سوالیہ نظروں سے عارف کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''زونی......! بہت اچھا ہو گیا کہ تم مجھے سامنے ہی نظر آ گئیں ورنہ اپنے دل کی بات کہنے کے لیے مجھے کچھ دیر انتظار کرنا پڑتا......'' عارف نے کہا تو زونی الجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''دل کی بات......'' اس نے زیر لب دُہرایا۔

''ہاں......دل کی بات......'' عارف نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''زونی میں نے بہت سوچا ہے، راتوں کو جاگ کر خود سے لڑا ہوں۔ پھر اپنے بھرپور تجربے کے بعد مجھ پر یہ بھید کھلا کہ شاید اگر میں نے زندگی میں تمہیں کھو دیا تو میں دراصل اپنی ذات کا ایک مکمل حصہ کھو دوں گا اور پھر ساری زندگی ادھورا رہوں گا۔ میری ہستی تمام عمر بے نام و نشاں رہ جائے گی...... میں خود اپنے آپ کو گم کر بیٹھوں گا زونی......اس لیے پلیز مجھے ادھورا نہ چھوڑو اس سے قبل کہ میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں مجھے سنبھال لو...... مجھے اپنا لو...... میں تمہیں دل و جان سے چاہنے لگا ہوں زونی! تم ہی تو مرحا کی محبت کی جیتی جاگتی نشانی ہو، تمہیں کھو دیا تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا...... میں تم سے بے پناہ محبت کرنے لگا ہوں...... پلیز میرا اعتبار کر لو......! میری اجاڑ و بیابان زندگی کو اپنے پیار کے رنگوں سے گل و گلزار کر دو...... بولو زونی، بنو گی ناں میری دلہن......! تم اک بار ہاں کہہ دو تو میں ابھی ماموں جان سمیت سب کو اس رشتے پر راضی کر لوں گا...... کہو ناں زونی کہ دو گی میرا ساتھ......؟''

عارف نے میز پر دھرے زونی کے سرد ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے محبت پاش نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر سوال کیا تھا۔

اور زونی کا دل اس لمحے اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینہ توڑ کر باہر آ جائے گا...... اس کے چاروں اطراف جیسے رنگوں کی بہار رقصاں تھی۔

وہ اک خواب کے سے عالم میں بیٹھی رہ گئی تھی۔ کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے لب پھڑپھڑا کر رہ گئے تھے۔ سارے الفاظ ہی جیسے بند مٹھی کھلنے پر جگنو بن کر ہوا میں اڑ گئے تھے۔

(اس ناول کی آخری قسط اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیے)

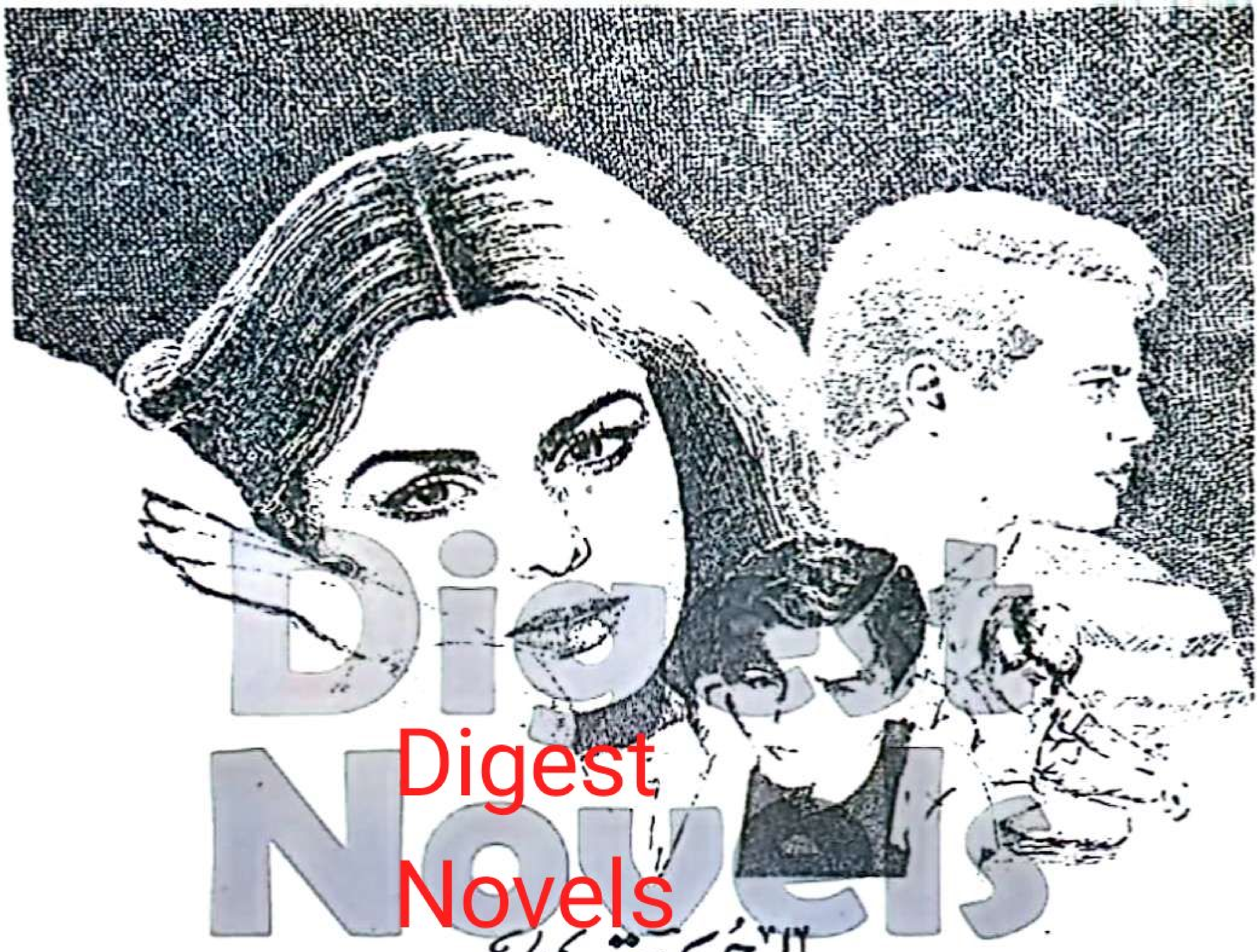

Digest Novels .com
Digest
Novels
Lovers
Group ❤❤

مجھے چرا کر وقت سے

ام ایمان

آج کی مصروف [illegible] زندگی اور اس کے تقاضوں پر [illegible] چشم کشا تحریر

''تائی امی! آپ بھی آجائیں...... ہمارے ساتھ ہی کھانا کھالیں۔'' صائمہ نے ذرا کی ذرا دروازے سے جھانک کر انہیں عجلت میں پکارا تھا اور اس کا جواب سنے بغیر یہ جا وہ جا...... عائشہ نے ایک نظر اپنے ساتھ رکھے استری شدہ کپڑوں کو دیکھا۔ اور دوسری نظر اپنے پاس دوسری طرف پڑے استری کے منتظر کپڑوں کو...۔ پھر سر جھٹک کر دوبارہ پہلے والے انہماک سے کپڑے استری کرنے لگی حالانکہ صائمہ کی

زبان سے لفظ کھانا سنتے ہی اسے یاد آیا کہ صبح بھی جلدی میں وہ چائے کے ساتھ ایک سوکھا پاپا ہی حلق سے اتار پائی تھی۔ سوچا تھا کہ دوپہر میں ایک ساتھ ہی اچھی طرح سے کھانا کھا لے گی کہ ہفتہ وار چھٹی پر اُن کی ساس کے حکم کے مطابق چاول، سالن اور میٹھا ضرور بنتا تھا ان کے دونوں بیٹے اور پھر ان کی اولادیں بھی چھٹی کے باعث گھر پر ہی ہوتی تھیں باقی رہی بہوئیں تو ان کا کیا ہے، ساسو ماں کے خیال میں دونوں اپنے، اپنے کام پر گھر سے زیادہ اچھا کھا پی لیا کرتی تھیں...... اور جہاں تک بات تھی سارہ کی جو عائشہ کی دیورانی تھی، اس کے بارے میں شاید یہ بات کسی حد تک ٹھیک بھی تھی کہ وہ عائشہ کی نسبت زیادہ ہوشیار تھی...... وقت اور حالات کے مطابق چلنا بھی جانتی تھی اور اپنا خیال رکھنا بھی...... کچن میں صبح کے وقت دونوں جیٹھانی، دیورانی اپنا اور اپنے بچوں اور شوہروں کا ناشتا اکٹھے بناتی تھیں...... ایک ہی ٹیبل لگتی تو ساس کے لیے دونوں ہی ناشتا بنالیا کرتیں۔ ہاجرہ بیگم کی مرضی ہوتی تو عائشہ کا بنا پراٹھا کھا لیتیں نہ دل کرتا تو سارہ کے سینکے توس اور آملیٹ لے لیتیں۔

''کیا کرتی ہو سارہ! آرام سے کھالینا، ایسے کیا ہی پیٹ بھرے گا تمہارا اور کیا ہی انرجی دے گا یہ ناشتا تمہیں......''

سلائس سینکنے کے دوران ہی سارہ یا تو چائے میں ڈبو کے دو نوالوں میں ہی سلائس کھا لیتی یا پھر بڑی...... بے تکلفی سے عائشہ کا بنا پراٹھا، اٹھا کر ناشتا بناتے، بناتے پتا نہیں کیسے کھا لیا کرتی تھی کہ اسے ایسے کھاتا دیکھ کر عائشہ کی نفیس اور سلیقہ مند طبیعت کو عجیب سی الجھن ہوتی تو وہ اسے ٹوک دیا کرتی تھی۔

''آرام اور عورت...... اونہہ......؟'' سارہ...... بڑا سا نوالہ نگلتے ہوئے طنزیہ کہتی اور پھر چائے کا بڑا سا گھونٹ بھرنے کے بعد کہتی...... ''بھابی...... آرام اور عورت دو متضاد چیزیں ہیں اور جو عورت اپنے آرام اور کھانے پینے کا خود خیال نہ کرے ناں تو کوئی دوسرا بھی نہیں کرتا...... چاہے وہ اس کی اولاد ہی کیوں نہ ہو، آجاؤ صائمہ! ناشتا لے جاؤ بیٹا، میں چائے نکال لوں......''

''ناشتا، چائے، باتیں اور نصیحتیں...... پتا نہیں سارہ ایک ساتھ سب کچھ کیسے کر لیتی ہے۔'' عائشہ اسے دیکھ کر حیرت سے سوچتی۔

''معاف کیجیے گا بھابی...... ہماری ساس اپنے بچوں اور پھر اُن کے بچوں کے کھانے پینے کا خیال رکھتی ہیں اور کوئی کسر رہ بھی جائے تو ہم ہیں ناں اپنے میاؤں کی بیویاں اور اپنے بچوں کی مائیں مگر بدقسمتی سے ہماری مائیں گزر چکی ہیں۔ ہمارے میاں ہوں، ساس یا بچے، سرسری طور پر ایک دو بار کھانے کا پوچھیں گے...... مگر ایک ماں کی طرح اس وقت تک بے چین ہرگز نہیں رہیں گے جب تک ان کے بچے کھانا نہ کھالیں......''

چائے کا تھرماس لے کر سارہ آملیٹ بناتی عائشہ کے نزدیک آئی تھی۔

''ہمیں اپنی مائیں خود بننا پڑتا ہے کیونکہ ہمیں اپنے بچوں کی مائیں بن کر انہیں کسی مقام تک پہنچانے کے لیے جینا ہے...... آپ اپنی آنکھوں کے حلقے دیکھیں اور ماند پڑتا رنگ جو آپ کو اپنے بچوں کی ماں تو بتا رہا ہے مگر آپ کی اپنی ماں نہیں بننے دے رہا...... ہم اپنے لیے وقت نہیں نکالیں گے تو وقت بھی ہمیں دھکا مار کر اس کے ساتھ چل پڑے گا جو اسے اہمیت دے گا......''

''اوہ...... ہوگیا اسکول کا ٹائم، اچھا بھابی...... میں چلتی ہوں...... مگر آپ میری باتوں کو سوچیے گا بھی اور پلیز ناشتا ضرور کر لیجیے گا جو روزانہ کی طرح آپ کہتی ہیں ابھی کر لوں گی اور وہ بھی پھر اگلے کبھی تک چلا جاتا ہے......''

سارہ نے ابھی کل ہی تو عائشہ کو ایک لمبا سا لیکچر دیا تھا اور شاید اس کی کہی گئی سب ہی باتیں درست تھیں...... واقعی عائشہ کے ناشتا لگانے تک اس کی گاڑی بھی اسے پک کرنے آچکی تھی اسے بالکل بھی ٹائم نہیں مل سکا تھا...... ناشتا کرنے کا نہ چائے پینے کا...... بریک ٹائم میں چائے کے ساتھ بسکٹ زہر مار کرتے اس نے دل میں سارہ کی باتوں پر عمل کرنے کا

سوچا تھا مگر......

☆☆☆

آج کا سارا دن کپڑے دھونے، استری کرنے اور کھانا بنانے میں گزرا تھا سو بستر پر لیٹتے ہی دن بھر کی تختہ بنی کمر نے بستر کا نرم وجود اپنانے سے احتجاج کے طور پر شدید درد کی صورت میں اظہار کیا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی کراہ نکل گئی تھی۔

''کیا ہوا بھئی؟'' سعد نے موبائل پر نظریں ٹکائے، سرسری سا دریافت کیا تھا۔

''کمر میں شدید درد ہو رہا ہے......'' وہ کراہ کر بولی تھی۔

''کوئی پین کلر لے لو...... اچھا مجھے ذرا جلدی جگا دینا، صبح ایک امپورٹنٹ میٹنگ ہے میری......'' سعد کے بے نیازی سے بولنے اور پھر کروٹ لے کر لیٹ جانے نے عائشہ کی آنکھوں کو پانیوں سے بھر دیا۔ وہ تو تھکن کے باعث کھانا بھی نہیں کھا پائی تھی اور صرف چائے پر ہی اکتفا کیا تھا اگلے چند منٹ میں سعد کے ہلکے، ہلکے خراٹوں نے بتایا کہ اب اسے جو کچھ کرنا تھا خود ہی کرنا تھا...... ہلکی سی کراہ کو لبوں میں ہی دبا کر وہ اٹھی پین کلر کی تلاش میں پورا کمرا چھان مارا وہ بھی اس احتیاط کے ساتھ کہ سعد کی نیند میں خلل نہ پڑے کہ سعد پُرسکون ماحول اور اندھیرے میں سونا پسند کرتا تھا اور ایک بار آنکھ کھل جاتی تو پھر اسے مشکل سے ہی نیند آتی...... سو زیرو والا بلب جلا کر وہ دروازہ بند کرتی بچوں کے کمرے میں آ گئی...... مگر علی اور عذیر کو گہری نیند میں دیکھ کر واپس ہولی کہ وہ جاگ بھی رہے ہوتے تو بھی اس کی بے چینی اور تکلیف کا علاج ان کے پاس نہیں تھا۔ کچھ سوچ کر وہ کچن کی طرف آ گئی...... وہاں سارہ گنگناتے ہوئے کافی پھینٹتی نظر آئی۔

''آ گئیں بھابی...... کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟ چہرہ بھی پیلا پڑا ہوا ہے......'' اس کی تکلیف شاید اس کے چہرے پر لکھی تھی...... اس لیے سارہ کافی کا مگ لیے، لیے اس کے قریب آ گئی۔

''کمر میں شدید درد ہو رہا ہے سارہ! کوئی پین کلر ہوگی......'' کمر پر ہاتھ رکھے، رکھے وہ کچن میں آ گئی اور ٹیبل کے گرد رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی، جی ٹیبلیٹ ہے...... میں دے دیتی ہوں آپ کو...... لیکن پہلے آپ کو دودھ گرم کر کے اس میں تھوڑی سی ہلدی ڈال دیتی ہوں...... وہ پی لیں سکون مل جائے گا۔'' سارہ نے کافی کا مگ کیبنٹ پر رکھا اور خود فریج کی طرف بڑھ گئی۔

''کاش مل ہی جائے ورنہ آرام، سکون جیسے لفظوں کو برتتے ایسے لگتا ہے کئی صدیاں بیت گئی ہوں...... بینک میں کلوزنگ چل رہی ہے کہ منتھ کے لاسٹ ڈیز ہیں...... اوپر سے دو تین دن آڈٹ کے ہیں تو کام کا سوچ، سوچ کر مجھے لگتا ہے کہ میرا دماغ بھی پھٹنے کو ہے...... جسم تو اب تھکا ہوا رہنے ہی لگا ہے......'' عائشہ تو سر سے پیر تک بیزار ہوئی بیٹھی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے بھابی! ایسی باتیں تو آج کل کی ساٹھ، ستر سالہ خواتین بھی نہیں کرتیں، ایسی مایوسی اور تھکن والی۔ جو آپ محض پینتیس، چھتیس سال کی عمر میں کر رہی ہیں...... مسز کرامت سے لے کر ساجدہ ممانی تک اور حرا چاچی سے اپنی ساس تک سب کو دیکھ لیں...... کوئی بھی نہیں، ایسی باتیں سوچیں گی تو سب کچھ اسی مایوسی کی دھند میں لپٹا نظر آئے گا...... اچھا سوچیں...... اچھا ہی ہوگا...... میں تو اس بات پر یقین رکھتی ہوں......''

''پتا نہیں سارہ! سب لوگ کیسے اتنے خوش، صحت مند اور فریش رہ لیتے ہیں، حالات چاہے کیسے بھی ہوں...... مجھ سے تو مینج نہیں ہو پا رہا...... ملازمہ تمہارے جیٹھ صاحب رکھنے نہیں دیتے...... اور دیکھا جائے تو ہے بھی نری ٹینشن...... امی ہیں تو ان کو نہ تو کسی کے ہاتھ کا کھانا پسند آتا ہے اور نہ ہی کسی اور کے دھلے کپڑے...... تمہارے سامنے ہی ہے سب کچھ......'' عائشہ حسبِ معمول یاسیت کا شکار تھی اور تھکاوٹ کا بھی۔

''حالات کم و بیش سب کے ایک ہی جیسے ہوتے

digest library.com

ہیں بھابی! بس حالات سے نمٹنے کا طریقہ ہر انسان کا مختلف ہوتا ہے...... ہماری ساس کو ہی دیکھ لیں...... کتنے سخت تھے ہمارے سسر...... ہم تو پھر دو ہیں، وہ تو اکیلی اس گھر کو سنبھالتی تھیں اور ابو جی (سسر) کے تو آخری کچھ سال بستر پر گزرے...... انہوں نے سنبھالا ناں...... اور یہ بھی دیکھیں کہ ان سے بڑھ کر خوش لباس اور خوش اخلاق شاید ہی کوئی ہوگا ہمارے خاندان میں...... اب بھی خوش باش رہتی ہیں، یہ تو نہیں کہ ان کو کچھ مسئلہ نہیں ہوتا ہوگا......''

''ہاں مگر وہ جاب...... نہیں کرتی تھیں...... خرچ بھی کھلا دیتے تھے ابو جی ان کو...... بس ذرا سخت تھے تو کیا ہوا...... ہماری طرح نہیں کہ جاب بھی کریں، گھر بھی سنبھالیں اور بچوں کو بھی...... اوپر سے کمر توڑ مہنگائی...... کہ دو، دو کمانے والے مختصر فیملی کو ہی پورا نہیں کر پاتے...... بلوں اور سبزی، گوشت میں ہی پورا ہو جاتا ہے سب...... خوش اخلاقی، مہنگائی نہیں اپنانے دیتی اور خوش لباسی کی حالات اجازت نہیں دیتے۔'' عائشہ نے اپنے سامنے رکھے مگ کو اٹھا کر ہلدی والے دودھ کا گھونٹ بھرا اور جلے دل کے پھپولے پھوڑے۔

''پھر بھی بھابی! میرا یہ ماننا ہے کہ صرف ایک سوچ کو بدلنے سے ہم اپنے پچاس فیصد حالات بہتر کر سکتے ہیں...... اور میں سمجھتی ہوں کہ ہر طرح کا وقت چونکہ ہم سب پر وارد ہوتا ہے تو ہمیں وقت کو صحیح استعمال کرنا چاہیے...... بس میرے کوڈ آف لائف یہ دو اصول ہیں...... جو میں نے اپنی امی سے سیکھے اور انہی پر چل کر میں اگر بہت خوش نہیں تو مطمئن ضرور ہوں...... اچھا ٹیبلٹ لاتی ہوں......'' سارہ اپنے مخصوص ہلکے پھلکے انداز میں کہتی وہاں سے چلی گئی۔ عائشہ حسب معمول گہری اور یاسیت بھری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

''اب بھلا سوچنے سے بھی حالات بدلے ہیں......'' وہ بڑبڑا کر باقی ماندہ دودھ ختم کرنے لگی۔

☆☆☆

''عائشہ! اٹھو بھی...... بہت نکمی عورت ہو تم......؟ میں نے جلدی جگانے کو کہا تھا اور تم خود بڑی سو رہی ہو مطلب بچے...... میں اور تم خود سب لیٹ ہونے والے ہیں آج...... او مائی گاڈ آٹھ بجے میں نے پہنچنا ہے اور 7:15 ہو رہے ہیں......'' سعد اس کو ہلا کر غصے میں جو کچھ منہ میں آ رہا تھا، بولے جا رہا تھا۔ 7:15 سن کر تو عائشہ خود ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔ کمر کا درد جو پین کلر لینے سے رات کوئی دو بجے کے قریب جا کر ختم ہوا تھا دُہری تکلیف سے دوبارہ جاگ اٹھا تھا مگر اس وقت کمر کی تکلیف سے زیادہ دماغ میں اٹھنے والا درد تھا جو اس وقت اچانک ہی عود آیا تھا۔

''ٹینشن نہ لیں...... بس تیار ہو کر ٹیبل پر آ جائیں...... میں نے بچوں کے ساتھ مل کر ناشتا بنا لیا ہے۔ بھابی آپ آ جائیں......'' سارہ کھلے دروازے سے اچانک نمودار ہوئی اور تیز، تیز بولتی چلی گئی۔

''تھینک یو سارہ! میری ٹینشن دور کر دی تم نے''

''آپ بھی مراقبے سے نکل کر باہر تشریف لے آئیں۔'' سعد اتنا کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ سعد کی بات سے زیادہ اس کے لہجے نے اسے تکلیف دی تھی۔

''بھابی...... طبیعت کچھ بہتر ہوئی؟'' سارہ...... اب اس کے قریب آ گئی تھی۔

''بہتر ہوں...... شکریہ سارہ......!''

''کوئی شکریہ وکریہ نہیں...... آپ جلدی سے ریڈی ہو جائیں...... ویسے بھی آپ کو فری ہو کر بتاؤں گی کہ ناشتا آج ہم سب نے مل کر بنایا تو مزہ بھی آیا اور جلدی بھی بن گیا...... آ جائیں جلدی سے۔''

''جلدی بھی...... اور مزہ بھی آیا...... بھلا کام کرتے ہوئے بھی مزہ آتا ہے......؟ پاگل ہے سارہ بھی......'' وہ کسلمندی سے کہتے ہوئے اٹھی اور دس منٹ میں تیار ہو کر ٹیبل پر تھی۔

''خدا حافظ امی......'' اسے دیکھ کر بچے کورس میں بولے تھے کہ وہ اسکول بیگ اٹھا کر باپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔

"خدا حافظ......!" اس نے مسکرا کر کہا اور خود ٹیبل کی طرف آ گئی جہاں سارہ بھی بیگ کو ٹٹولتی جانے کے لیے پر تول رہی تھی..... اسد بھائی بھی ٹیبل پر نظر نہیں آ رہے تھے۔ مطلب..... آفس جا چکے تھے۔ آہستہ سے سلام کرتی وہ ساس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہو گیا بھئی! یہ بھی کوئی عمر ہے ایسی بیماریاں پالنے کی...... ہمیں تو اس عمر تک نہ ہوئے یہ مسئلے...... جاب تمہاری افسروں والی ہے..... جسمانی مشقت کم ہے۔ گھر کا بھی میں حتی الامکان کوشش کرتی ہوں کہ کسی ایک پر بردن نہ آئے..... مل جل کر لیتے ہیں سب..... پھر بھی تمہارا یہ روز کا سر درد، کمر درد سمجھ سے باہر ہے میری....." سلام کے جواب کے بعد انہوں نے غور سے اس کے پژمردہ چہرے کو دیکھا تھا ہاجرہ بیگم کی صاف گوئی عائشہ کو آج کچھ زیادہ ہی کھلی تھی۔

"اچھا امی میں چلتی ہوں..... فریج میں کل والی بریانی اور تھوڑا سا چکن کا سالن رکھا ہے..... عذیر کو کہیے گا نکڑ والے ہوٹل سے روٹیاں لے آئے گا...... شام کو پھر دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے....." سارہ نے جانے کے لیے پر تولتے ہوئے تیز، تیز لہجے میں ساس کو ہدایات دیں۔

"نہیں بھئی ہوٹل سے کیوں..... میں ڈال لوں گی روٹیاں......"

"سارہ آج تم مجھے ڈراپ کر سکتی ہو بینک.....؟ میں پندرہ منٹ پہلے پہنچ کر کچھ ضروری ڈیٹا چیک کر لوں گی..... آج سے ہمارا آڈٹ اسٹارٹ ہے۔" پراپر ناشتا کرنے کی عادت کبھی تھی ہی نہیں، اس لیے عائشہ کو اپنے لیے پندرہ، بیس منٹ نکالنا عجیب سا لگا تو اس نے دو نوالے سلائس کے لے کر چائے کا کپ ادھورا چھوڑ دیا۔

"جی بھابی! ضرور..... میرے راستے میں ہی پڑتا ہے آپ کا بینک..... لیکن ناشتا تو کر لیتیں......" سارہ نے ہمدردی سے کہا۔

"بس کر لیا..... تم چلو گاڑی میں...... میں اپنا بیگ لے آؤں....." اس نے آہستہ سے کہا اور کھڑی ہو گئی۔

☆☆☆

"کیا کر رہی ہیں؟" دو بجے کے قریب اسے سارہ کی کال موصول ہوئی تھی۔

"کچھ خاص نہیں..... ابھی، ابھی کچھ میلو کر کے فری ہوئی ہوں..... سوچ رہی ہوں کل کا کچھ کام دیکھ لوں۔ دو تین دن بہت بزی گزرنے والے ہیں...... تمہیں بتایا تھا ناں..... تم بتاؤ کیسے کال کی؟" کرسی کی بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے کمر نے ایک بار پھر دہائی دی تھی جسے حسبِ معمول نظر انداز کرنے میں ہی عافیت تھی کہ درد بہر حال رات کی نسبت قابلِ برداشت تھا۔

"میں آ رہی ہوں آپ کی طرف...... یہاں سے ہم دونوں سیدھا پارلر چل رہے ہیں۔ حسن کی برتھ ڈے ہے شام میں..... اسی بہانے تھوڑی نوک پلک سنوار لیں گے اپنی..... ایسے تو کہاں ہی نکلنا ہوتا ہے..... آپ جلدی سے ہاف ڈے کی لیو لیں، میں بھی آدھے گھنٹے میں پہنچ رہی ہوں......" سارہ نے جلدی، جلدی میں خود ہی سارا پروگرام سیٹ کیا اور کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔

"نہیں سارہ پلیز مائنڈ مت کرنا، میں چاہنے کے باوجود بھی نہیں جا سکوں گی تمہارے ساتھ کہ کام ہی اتنا ہے، مجھے نہیں لگتا کہ میں اس ٹائم لیو افورڈ کر سکتی ہوں..... تم پلیز مجھے لینے مت آؤ...... میں جوائن کرتی ہوں شام کو تم لوگوں کو......"

کچھ لمحے کی سوچ کے بعد اس نے سارہ کو وائس نوٹ چھوڑا اور جیسے ہی اس کی طرف سے بلیو سائن آئے عائشہ نے موبائل سائلنٹ پر لگایا اور خود دوبارہ سے کام میں لگ گئی۔ شام کو نہ، نہ کرتے بھی وہ پورے، پورے وقت پر ہی پہنچی تھی گھر..... نتیجتاً نہ تو اسے برتھ ڈے فنکشن کے لیے کپڑے تبدیل کرنے کا موقع مل سکا تھا اور نہ ہی تیار ہونے کا۔

"کیا بات ہے عائشہ بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری..... بجھی، بجھی سی لگ رہی ہو......؟"

سارہ کی خالہ نے ہمدردی سے دریافت کیا تھا کہ ماں تو اس کے بچپن میں ہی گزر گئی تھی۔ اسے خالہ نے ہی پالا تھا۔ سعد کے لیے وہ اپنی بیٹی بیاہنے کی خواہاں تھیں مگر سعد نے عائشہ کو خود پسند کیا تھا۔

”جی آنٹی طبیعت ٹھیک ہے بس ذرا تھک گئی ہوں...... کام کچھ زیادہ تھا بینک میں......“ اس نے مُردنی سے جواب دیا کہ دن بھر کی مصروفیت میں وہ پارلر جانا تو دور لنچ بھی گول کر چکی تھی اور چار بجے کی ٹی بریک میں بیگ میں پڑے بسکٹ کے نکی پیک سے کام چلا لیا تھا اور اب کھانے کی خوشبو سے پتا چلا کہ سر درد اور متلی کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ وہ صبح کا ناشتا ہاجرہ کی باتوں کی وجہ سے اور دوپہر کا کھانا کام کی وجہ سے گول کر چکی تھی ...... سو جاتے ہوئے بھی تھوڑے سے کیک کے علاوہ اس سے کچھ چکھا ہی نہیں گیا اور مصروفیت کی وجہ سے وہ حسن کا گفٹ بھی نہیں لے سکی تھی۔ اس لیے بچے کے ہاتھ میں گفٹ کے لیے تین ہزار پکڑا کر معذرت کرتی اپنے کمرے کی طرف آ گئی مگر نصرت خالہ کی اپنے بارے میں کی جانے والی بات نے اس کے پاؤں من، من بھر کے کر دیے تھے۔

☆☆☆

”ارے! حمید انجم کی شادی گزر بھی گئی اور آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں......“ ڈریسنگ ٹیبل سے ہینڈ لوشن اٹھاتے ہوئے اس کی نظر سعد کے دیرینہ دوست کی شادی کے کارڈ پر پڑی تھی جس پر سعد کے ساتھ اس نے بھی جانا تھا۔ اور اب اس تاریخ کو گزرے تین دن گزر چکے تھے۔

”زبان سے تو بتایا تھا اور ریکوئسٹ بھی کی تھی کہ بارات میں نہیں تو کم از کم ولیمے پر میرے ساتھ ضرور چلنا وہ بیچارہ پورا ہفتہ روزانہ کی بنیاد پر کہتا رہا کہ بھابی کو بھی ساتھ لے کر آنا ہے۔ مگر تم پتا نہیں کس دنیا میں رہتی ہو اور شاید مجھ سے ہاتھ بندھوانے کی توقع کر رہی تھیں...... بٹ آئی ایم سوری میں مردوں کی اس قسم میں سے بالکل بھی نہیں ہوں۔ اور شاید اماں تمہارے بارے میں ٹھیک ہی کہتی ہیں اس لیے اگر تمہیں میری ضرورت نہیں ہے تو مجھے بھی ہرگز اپنی عزتِ نفس گنوانے کا شوق نہیں ہے۔ اس لیے تم اپنے راستے، میں اپنے راستے......“

سعد تو نہ جانے کب کا غبار اپنے اندر بھرے بیٹھا تھا سو اس کے عام سے سوال کے جواب میں اس پر وہ غبار نکالنے کے بعد کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔

عائشہ کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو آ گئے تھے۔

اس رات سعد پتا نہیں کب کمرے میں آیا کہ وہ انتظار کرتے، کرتے سو گئی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ ایک نئی عائشہ تھی...... فجر میں جسم کے ساتھ سر بھی دُکھ رہا تھا مگر آج اسے بہت کچھ نیا کرنا تھا جو اس کی زندگی اور رشتے میں لگتی دیمک جس کی ابھی شروعات تھی اس طرح سے کھرچنا تھا کہ وہ دوبارہ سے اس کی زندگی اور رشتوں کو کھوکھلا کرنے کے ارادے سے لگنا تو دور قریب سے بھی نہ پھٹکے...... سو فجر پڑھ کر حسبِ معمول سیپارے کا ایک صفحہ پڑھ کر ہاجرہ کے لگائے گئے پودوں کے پاس آ گئی جہاں چھوٹی سی کیاری میں لگے موتیے پھولوں کے ساتھ چار پانچ کھلے گلاب ہاجرہ کی محنت کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ کچھ سوچ کر اس نے ایک گلاب کا پھول بڑی احتیاط سے توڑا اور اپنے کمرے کی طرف آ گئی...... سعد کا منہ نیند میں بھی پھولا ہوا تھا جسے دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آئی۔

”سعد! اٹھ جائیں......“ اس کے چہرے سے نم گلاب لگاتے اسے خود بھی اچھا لگا تھا اور اندر جمی ہوئی کثافت چھٹتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

”ارے...... کیا سورج مغرب سے نکلا ہے آج؟“

سرخ رنگ کا کھلا ہوا پھول، اس کی مسحورکُن خوشبو اور سب سے زیادہ عائشہ کا مسکراتا ہوا چہرہ ان سب نے اس کے موڈ پر خوشگوار اثر ڈالا تھا۔

”جی نہیں! سورج مشرق سے ہی نکلے گا لیکن

"اپنے وقت پر...... نماز پڑھ لیں پہلے...... وقت نکل جائے گا۔" مسکرا کر کہتی وہ کچن کی طرف بڑھ گئی......

جس وقت وہ اپنا ناشتا بنا کر تسلی سے خود ناشتا کر کے چائے پی رہی تھی، سعد سیدھا کچن میں چلا آیا تھا۔

"آج یہ کایا پلٹ کیسے بھئی......؟"

"بس...... کایا اگر مثبت انداز میں پلٹے تو خوش ہو کر اس کو سراہتے ہیں اور شکر ادا کرتے ہیں، سوال نہیں پوچھتے ناشتا بناؤں......؟"

"ناشتا......؟" سعد نے سر کھجایا۔

"ارادہ تو نماز کے بعد تھوڑی دیر سونے کا تھا لیکن تمہارا فریش موڈ اور انداز آج اتنے عرصہ بعد دیکھا ہے تو نیند کی چھٹی اور آج میں تمہارے ساتھ یہیں ٹائم اسپینڈ کرتا ہوں۔ ناشتا تو سب ساتھ ہی کریں گے۔" سعد اس کے قریب چلا آیا۔

"تم دونوں جاگ گئے ہو...... آج جلدی نہیں اٹھ گئے...... خیر تو ہے......؟" ہاجرہ نماز ادا کر کے لان میں جا رہی تھیں کچن میں آوازیں سن کر وہیں آ گئی تھیں۔

"جی اماں! ابھی نماز پڑھ کے آیا تو عائشہ کو جلدی اٹھے دیکھ کر چائے کا موڈ بن گیا...... آپ پئیں گی......؟" سعد نے بات بنائی۔

"نہیں بھئی! مجھے نہار منہ چائے پینا نہیں پسند...... تم جانتے ہو...... ناشتے کے بعد ہی پیتی ہوں چائے...... تم لوگ پیو...... میں ذرا پودوں کو دیکھ لوں...... سارہ نہیں اٹھی ابھی تک......؟" ہاجرہ جاتے، جاتے رکیں۔

"اٹھنے والی ہو گی امی، آج میری آنکھ جلدی کھل گئی تو سوچا کہ جلدی کام سمیٹ لوں گی......"

"اچھی بات ہے......" ہاجرہ نے بغور عائشہ کی مسکراہٹ کو دیکھا اور بیٹے کے پُرسکون چہرے کو، دل ہی دل میں ان دونوں کے مسکراہٹ دائمی ہونے کی دعا کرتے آگے بڑھ گئی تھیں۔

"سارہ! میں نے سب کا ناشتا بنا دیا ہے...... تم ٹیبل پر لگا دو پلیز...... میں جب تک تیار ہو جاؤں......"

سارہ کو عجلت میں جائے نماز لپیٹ کر ٹیبل پر رکھنے کے بعد جیسے ہی کچن کی طرف بڑھتے دیکھا تھا تو وہ کچن کے دروازے پر کھڑی مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"تھینک یو سوچ بھابی! میں آج دس منٹ لیٹ اٹھی ہوں تو ان دس منٹوں کے لیٹ ہونے نے مجھے رات دس بجے تک اپنی کوتاہی کا احساس دلاتے ہوئے ہر کام سے لیٹ کرانا تھا۔" سارہ شکر گزاری سے بولی۔

"اور میں آج صرف پینتالیس منٹ جلدی اٹھ گئی سارہ اور سمجھو پینتالیس سال کا تجربہ حاصل کر لیا۔"

"مطلب......؟" سارہ نے حیرت سے کہا۔

"مطلب یہ کہ تم مجھے بہت عرصے سے سوچ بدلنے اور وقت کے صحیح استعمال کا مشورہ دے رہی ہو...... مگر مجھے سمجھ نہیں آتا تھا کہ ایک سوچ بدلنے سے ہم حالات کیسے بدل سکتے ہیں مگر اب میں نے جان اور جانچ لیا ہے کہ ہمارے لیے سب سے بڑھ کر خود اپنا آپ اہم ہونا چاہیے...... ہم اپنا خیال رکھیں گے تو دوسروں کا خیال رکھنا بھی سیکھیں گے۔ ہم وقت کو ضائع کیے بنا اسپیس دیں گے تو یہ بھی ہمیں دھکا مارے بغیر گزرے گا...... اور سب سے بڑھ کر تمہاری خوب صورت بات کہ ہمیں اپنا خیال رکھنے کے لیے اپنی مائیں خود بننا پڑے گا...... اپنے بچوں کی مائیں تو ہم ہیں ہی...... اس لیے تھینک یو ویری مچ......" اس کے دونوں کندھوں کو گرم جوشی سے دبا کر مسکرا کر کہتی وہ اپنے کمرے کی جانب چلی گئی تھی۔

سارہ نے نا سمجھنے والے انداز میں اسی طرف دیکھا جہاں سے عائشہ گئی تھی پھر کندھے اچکا کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

digest library.com

"آج ڈنر باہر نہ کریں...... کیا خیال ہے؟" وہ سعد کا سوٹ پریس کر رہی تھی جب وہ پیچھے سے آ کر اچانک بولا تھا۔

"اور جہاں تک میرا خیال ہے، تم نے پورے ہفتے کے کپڑے پریس کر تو دیے تھے پھر یہ......؟" سعد کی

نظر اپنے کپڑوں پر پڑی تو بے اختیار پوچھا۔

"ہی کر لیے تھے لیکن اب ٹائم مینیج تھوڑا، تھوڑا چینج کر رہی ہوں تاکہ باقی سب کاموں کے ساتھ، ساتھ میں اپنے آپ کو، آپ کو اور اپنے بچوں کو بھی وقت دے سکوں...... اس لیے دس منٹ نکال کر ڈیلی کا ایک سوٹ آپ کا ایک اپنا پریس کر دیا کروں گی اور چھٹی والے دن جو یہ ٹائم بچے گا ہم سب ساتھ، ساتھ گزاریں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے سکون سے پینٹ کی کریز پر جما، جما کر استری کرتے ہوئے بول رہی تھی۔

"ویری گڈ آئیڈیا...... میں تو ترس ہی گیا تھا تم سے بات کرنے کو......"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کو آج کیسے خیال آ گیا ڈنر کرانے کا...... میں نے تو اب فرمائش کرنا ہی چھوڑ دی تھی کہ ایک وقت تھا جب آپ لے کر ہمیں جاتے تھے اور بچے بھی چھوٹے تھے...... چاہنے کے باوجود بھی کبھی کہیں جا ہی نہیں سکے...... اب بچے بڑے ہو گئے تو وقت ہے کہ خود تو بھاگ ہی رہا ہے، ہمیں بھی ساتھ، ساتھ دوڑا رہا ہے...... اپنے لیے اس کو قید کرنا ناممکن ہو گیا تھا...... لیکن اب میں نے سوچ لیا ہے کہ بھاگتے، بھاگتے ہی سہی اپنے لیے بھی وقت سے کچھ لمحے مستعار لیں گے۔"

"واہ بھئی! آج تو میری پیاری بیوی بالکل بدلے ہوئے روپ اور انداز کے ساتھ میرے سامنے ہے تو ڈنر سے پہلے شاپنگ بھی ڈن ہو گئی۔" سعد تو.... بے طرح خوش ہو گیا تھا۔

"بلکہ ایسا کرو یہ شرٹ مجھے دو، میں کر لیتا ہوں استری...... تم جب تک تیار ہو جاؤ...... بچوں کے ٹیوٹر بھی بس چھٹی دینے ہی والے ہیں۔"

سعد نے شرٹ اس سے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور استری اسٹینڈ کے قریب جا کھڑا ہوا۔ عائشہ تو حیرت سے بے ہوش ہونے کو تھی کہ ہل کر پانی نہ پینے والا سعد اپنی شرٹ استری کرنے والا تھا۔

"او کے ابھی تیار ہوتی ہوں...... دھیان سے ہاتھ مت جلا لیجیے گا۔"

"جو حکم بیگم صاحبہ کا......" وہ مسکرا کر شرٹ کی طرف متوجہ ہوا۔

☆☆☆

"آج کتنا مزہ آیا ناں ممی...... کتنے دنوں بعد ہم سب نے مل کر ساتھ میں ٹائم اسپینڈ کیا۔ ورنہ ہم بریک فاسٹ پر ہوتے ہیں آپ چلی جاتی ہیں...... لنچ پر ہم دادو کے ساتھ ہوتے ہیں...... شام میں آپ اپنا آفس کا کام لے کر بیٹھ جاتی ہیں۔" عذیر کے معصومانہ شکوے پر وہ مسکرا دی تھی۔

"بس اب ہم بہت سارا ٹائم ایک ساتھ گزارنے والے ہیں......" عائشہ نے نرمی سے کہا تھا۔

"وہ کیسے ممی......؟"

سعد ڈرائیو کرتے ہوئے بیوی اور بچوں کی باتوں کو سن رہا تھا اسے ایک الگ سا سکون محسوس ہو رہا تھا جس کی کمی اسے کچھ عرصے سے کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔ خصوصاً جب سے عائشہ نے جاب شروع کی تھی...... معاشی مسائل تو پھر بھی کسی حد تک حل ہو گئے تھے کہ آج کل کی مہنگائی کے دور میں اس اکیلے کی تنخواہ سے بمشکل گزارہ ہو پاتا تھا مگر عائشہ اور بچے اس چکر میں اس سے بلکہ ایک دوسرے سے بہت زیادہ دور ہو گئے تھے کہ اسے اپنا گھر ایک سرائے لگتا تھا گھر نہیں......

"وہ ایسے کہ اس بیوٹی فل ٹائم کو حاصل کرنے کے لیے ہم سب کو تھوڑا، تھوڑا sacrifice کرنا ہوگا......"

لفظ سیکری فائز پر بچے تو چونکے ہی تھے۔ سعد بھی حیران ہوا تھا۔

"ٹیوٹر کے جانے کے بعد جو ٹائم آپ موبائل فون پر گیمز کو دیتے ہو وہ ٹائم مما کے ساتھ کچن میں اپنے روم میں اور سب سے آخر میں دادو کے روم میں بھی اسپینڈ کریں گے۔"

"بٹ ہم کیا کریں گے ممی......؟ بس وہی ایک

گھنٹا تو ملتا ہے ہمیں کھیلنے کے لیے......ورنہ تو اسکول سے واپس آکر قاری صاحب پھر ٹیوٹر......اب یہ ٹائم بھی آپ کو دیں گے تو ہم کھیلیں گے کب؟'' علی کو ممی کی بات پر سخت صدمہ پہنچا تھا۔

''وہ ٹائم ہم اتنے مزے میں گزاریں گے کہ آپ کو ویڈیو گیم مس کرنے کا بالکل بھی افسوس نہیں ہوگا۔''

''آخر ہم ایسا کریں گے ممی......؟'' عذیر چڑ چڑا ہوکر بولا تھا۔

''ابھی بتاؤں گی ناں...... جب گھر پہنچیں گے۔'' اس کے مسکرا کر کہنے پر علی اور عذیر نے ایک دوسرے کو دیکھ کر اشارہ کیا تھا۔

''لیکن مجھے مزہ نہیں آیا تو میں نے ویڈیو گیم ہی کھیلوں گا...... مجھے نہیں کچن میں اور روم میں ٹائم اسپینڈ کرنا بھلا کچن میں بھی کوئی کھیل سکتا ہے۔'' وہ بھی آج کے بچے تھے۔ سو علی نے کہہ ہی دیا تھا۔

''اچھا چلو ابھی تو آئس کریم کھاتے ہیں، پھر بات کریں گے......'' سعد نے آئس کریم پوائنٹ پر گاڑی پارک کی تھی۔ بچے خوش ہو کر یاہو کا نعرہ لگا کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

''چلو بھئی! اب دس، دس منٹ دونوں ممی اور پاپا کے پاؤں دباؤ گے......اور ممی اور پاپا بدلے میں آپ کو ایک، ایک مزے کی اسٹوری سنائیں گے۔''

''ہمیں نہیں اسٹوری سننی، ویسے بھی اب اسٹوری کون سنتا ہے......اب تو اسٹوریز ہم دیکھ لیتے ہیں موبائل پر......ویسے بھی ہم تھک گئے ہیں کل سے دبا دیں گے۔'' عذیر زیادہ ہوشیار تھا سو منہ بنا کر بولا۔

''بس آج سے......ابھی سے۔'' عائشہ نے آنکھیں دکھائیں۔

''اوکے بس فائیو منٹس ناٹ ٹین......'' علی ہارے باندھے ماں کے پاس آیا تھا۔ سعد تو بس انجوائے کر رہا تھا اس ساری صورتِ حال کو۔

''چلو عذیر! پاپا کے پیر دباؤ......''

''ہاں ایک اور بات اب غور سے صائمہ آپی کو دیکھا کرو، وہ کیسے اپنی ممی کی ہیلپ کراتی ہے......اس کی ممی کپڑے دھوتی ہیں تو وہ کیسے سمیٹ کر رکھتی ہے۔ چاچی کو کچن میں چھوٹی، چھوٹی چیزیں اٹھا کر پکڑاتی ہے اور تو اور اپنا بستر طے کرنا اور بیڈ شیٹ ٹھیک کرنا بھی صائمہ آپی کو آتا ہے۔''

''ممی! ہم کوئی لڑکی تھوڑی ناں ہیں......'' عذیر کے منہ لٹکا کر کہنے پر سعد بے ساختہ ہنسا تھا۔

''اپنا کام تو ہر کسی کو خود کرنا چاہیے ناں میری جان......اس میں لڑکا، لڑکی کا تو سوال ہی نہیں ہے۔''

''اور دوسروں کی مدد کرنا تو ثواب کا کام ہے اور ممی، پاپا کی ہیلپ پر ڈبل ثواب ملتا ہے۔'' اب کے سعد بھی میدان میں آیا تھا۔

''ممی، پاپا! آپ دونوں کو کیا ہوگیا ہے؟ یہ اچانک اتنے سارے کام آپ کے دماغ میں ہمارے لیے کیسے آگئے؟ لگتا ہے آپ کو کسی نے ہمارے خلاف بھڑکایا ہے۔'' عذیر کی بات اور لہجے پر سعد نے ایک بار پھر اپنی ہنسی دبائی تھی۔

''ممی! بہت تھک گئے ہم آج......آپ کو نہیں لگتا کہ ہمیں اب سو جانا چاہیے۔'' اب کے علی بھائی کی مدد کو آیا تھا۔

''دس منٹ کہا تھا تم دونوں کو، پانچ منٹ کی ریکوئسٹ تم دونوں نے خود کی اور اب تین منٹ میں تم لوگ تھک بھی گئے۔'' عائشہ نے مصنوعی غصے بھری آنکھیں دکھائیں۔

''چلو ٹھیک ہے جاؤ اور فوراً برش کر کے سو جانا ہے......وڈیو گیم کو ہاتھ بھی نہیں لگانا، میں ابھی آکر چیک کروں گی۔''

''اوکے ممی......''

''اوکے ممی......'' دونوں نے بستر سے اترنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

''اور ہاں صبح اٹھ کر سب سے پہلے اپنا، اپنا بستر ٹھیک کرنا ہے، اس کے بعد کوئی اور کام......'' عائشہ کے دروازے تک پہنچنے پر علی اور عذیر سے کہا تھا۔

''ممی، پاپا، آئندہ ہمیں ڈنر کرانے مت لے

جانا۔" عذیر اچانک مڑا تھا اور درخواست کی تھی۔

"اور ہاں ممی......! اکٹھے ٹائم اسپینڈ کرنے والی بات میں نے مذاق میں کی تھی۔" علی کیوں پیچھے رہتا۔

"ڈرامے......" عائشہ بڑبڑائی۔

"شب بخیر......" اس نے مزید کوئی بات کیے بغیر کہا۔ مبادا اب کچھ اور سننے کو مل جائے۔

"شب بخیر......"

"دادو کو سلام کرتے جانا۔" اچانک عائشہ کو یاد آیا۔

"دادو خود آتی ہیں ماتھا چومنے......" عذیر تڑپ کر بولا۔

"عذی! وہ بڑی ہیں، ان تک تم لوگوں کو جانا چاہیے......چلو بھاگو اور میں کوئی آرگومنٹ نہ سنوں آئندہ......"

"میں پتا لگا کے رہوں گا کہ ممی کو کس نے ہمارے خلاف بھڑکایا ہے۔" نو سالہ عذیر کی آٹھ سالہ علی کے کان میں کی گئی سرگوشی بڑی آسانی سے دونوں میاں، بیوی تک پہنچی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے تھے۔

☆☆☆

"عائشہ! یو آر لکنگ سو فریش بھئی......کیا بات ہے؟" اس کی اسسٹنٹ سائرہ نے بینک میں سب سے پہلے نوٹ کیا تھا۔

"کچھ نہیں......بس میں نے اپنی ماں بن کر خود اپنا خیال رکھنا سیکھ لیا ہے......اور وقت کے مطابق چلنا بھی۔"

"مطلب......؟"

"مطلب پھر کبھی بتاؤں گی......ابھی میں نے جو ڈیٹا دیا ہے۔ اسے ویری فائی کرو......"

"او کے......" اس کے نرمی سے کہنے پر سائرہ سر ہلاتی کیبن سے باہر نکل گئی تھی۔

"پتا نہیں نصرت! ہم نے تو اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی اپنی بہوؤں کو خوش رکھنے میں، تم گواہ ہو کہ میں نے کبھی کسی معاملے میں ان پر کوئی روک ٹوک نہیں کی، نہ ہی میرے بیٹیوں کی طرف سے ان پر کوئی سختی یا پابندی ہے......سارہ بھی تو جاب کرتی ہے اور بچے بھی سنبھالتی ہے مگر جب دیکھو ہنستی مسکراتی نظر آتی ہے۔ اور ایک عائشہ ہے، کبھی ڈھنگ سے اس کو مسکراتے دیکھا اور نہ ہی بنے سنورے......چڑچڑی الگ رہنے لگی ہے اور کبھی کمر درد جان کو آ جاتا ہے تو کبھی سر درد......سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے......؟"

یہ اسی سالگرہ والے دن کی بات تھی جب سارہ کی خالہ نصرت نے عائشہ کی بابت ہاجرہ جو اُن کی گہری سہیلی بھی تھی سے دریافت کیا تھا۔ اور جواب میں ہاجرہ کے جواب نے جہاں اس کے قدم روک کے تھے وہیں نصرت کی اگلی بات نے اس کا دماغ بھک سے اڑا دیا تھا۔

"کیا عائشہ، سعد کے ساتھ خوش نہیں ہے اس لیے تو پریشان اور الجھی ہوئی رہتی ہے۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا" اس سے تو اس بات کے بعد ساس (ہاجرہ) کے تاثرات بھی نہیں دیکھے گئے تھے مگر ان کی گہری خاموشی نے اسے بہت بڑا سبق دیا تھا کہ زندگی ہر انسان کو گزارنے، برتنے کے لیے دی گئی ہے کچھ لوگ عائشہ کی طرح اپنی ذات کو بھول کر کام اور حالات کو بھی وقت اور توجہ دینا بھول جاتے ہیں اور بلاوجہ کی غلط فہمیاں اپنے قریبی رشتوں کے دلوں میں ڈال کر اپنی زندگی میں ناخوشگواری لاتے ہیں اور کچھ لوگ سارہ جیسے ہوتے ہیں جو زندگی گزارنے کے لیے حالات پر سواری کرتے ہیں اور اپنے آپ کو، اپنے پیاروں کو بھی وقت کے بہترین استعمال سے توجہ اور پیار دے کر زندگی میں چھوٹی، چھوٹی خوشیاں اور آسانیاں پیدا کرتے ہیں اپنے لیے اپنے خاندان کے لیے عائشہ نے بھی اب وقت میں سے خود کے لیے خوشیاں، پروا، خیال اور آسانیاں کشید کرنا شروع کر دی تھیں۔ کیونکہ عائشہ جان گئی تھی کہ زندگی گزارنی تو ویسے بھی ہے اور ایسے بھی تو اسے ایسے طریقے سے کیوں نہ جیا جائے کہ آپ کے پیاروں کو آپ سے کوئی شکوہ نہ رہ جائے۔

❀❀❀

ناولٹ

دل بے اختیار ہوا

عالیہ حرا

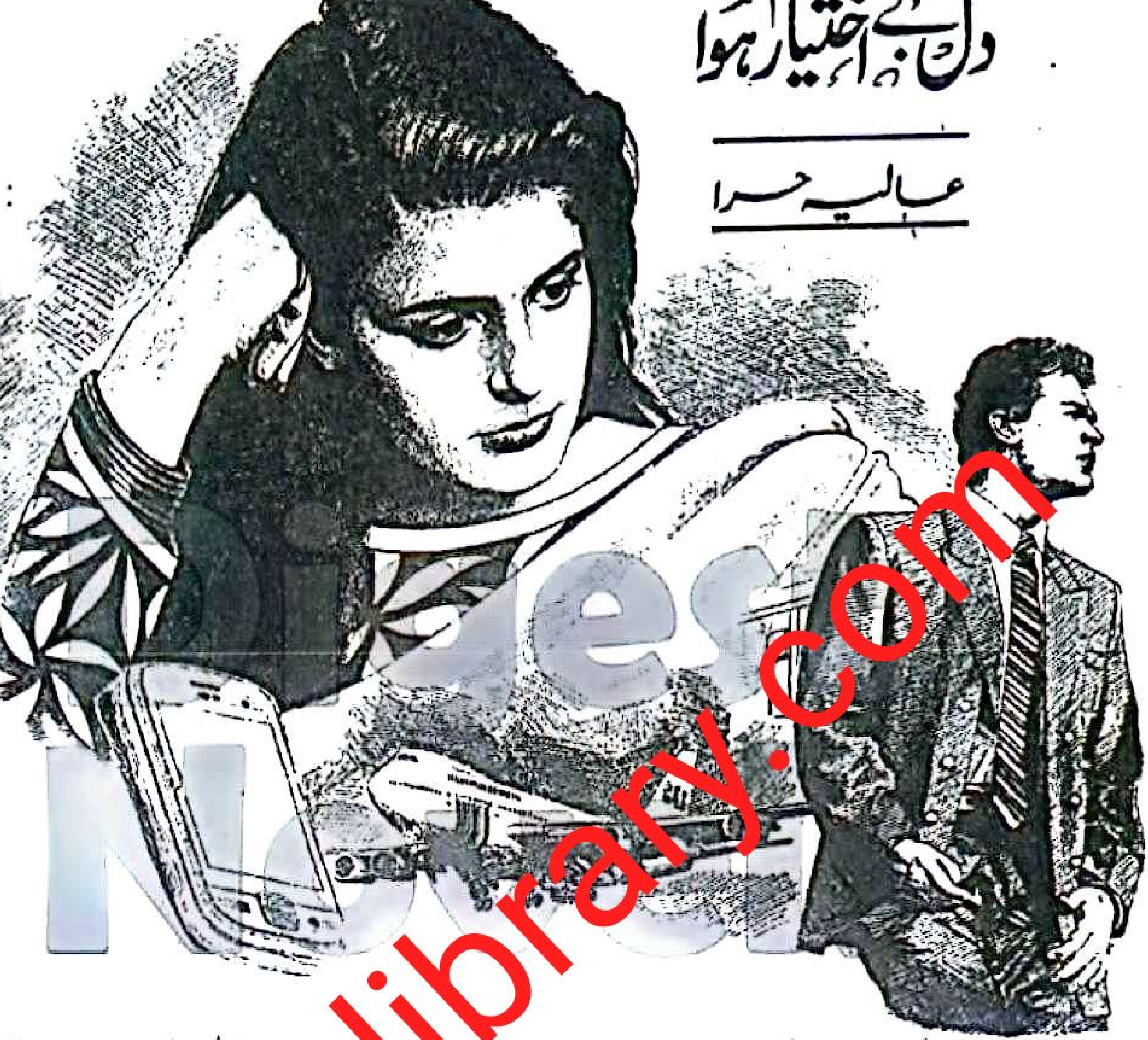

سفید کرولا حویلی کے آگے رکی، رمضو چاچا نے بڑا سا پھاٹک کھول دیا، گاڑی آگے بڑھ گئی۔ زبیدہ بیگم گاڑی سے اتریں اور حویلی کے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔

"دادی! رکوں یا جاؤں؟" گاڑی میں بیٹھے، بیٹھے حارث نے سر باہر نکال کر ہانک لگائی۔

"بھوک لگی ہے تو آجا نہیں تو الٹے پاؤں دفع ہو جا نا ہنجار۔" پیچھے دیکھے بنا، بنا کسی لگی لپٹی کے سندیسہ بھیجا۔

حارث نے کان کھجایا، معاذ منہ پھیر کر ہنسا۔ عبداللہ گاڑی پارک کرنے لگا۔ وہ تینوں زبیدہ بیگم کو گاؤں چھوڑنے آئے تھے۔

دن کے تین بج رہے تھے، صبح کا ناشتا کیا ہوا تھا کھانا تو بنتا تھا۔ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ حارث تو آتا جاتا رہتا تھا، معاذ اور عبداللہ پہلی بار آئے تھے، عبداللہ کی گاؤں کے حوالے سے توقعات دوسری تھیں۔

کچے پکے راستے، میٹھے پانی کا کنواں، کچی پگڈنڈیاں، چھوٹی نہریں، کھیت کھلیان، مویشی اور ساتھ گندگی اور مزارعوں کے جھگڑے۔ مگر یہی کھیت کھلیان کے صاف ستھرے راستے لیے نظر آئے تھے۔ کنوئیں کی جگہ ٹیوب ویل دیکھے تھے اور اونچے نیچے راستوں کی جگہ پکی سڑک تھی۔

عبداللہ جو گاؤں آنے کے خلاف تھا، قدرے سنبھل گیا، اس پر پہلا تاثر ہی اچھا پڑا تھا۔ تاہم اسے مٹکے اٹھائی عورتیں، کنوئیں سے پانی بھرتی لڑکیاں، مویشی چراتی بالیاں نظر نہیں آئیں۔

"حارث صحیح کہتا تھا، اب گاؤں میں سب کچھ

بدل گیا ہے۔ گاؤں اب ترقی یافتہ قصبوں اور شہروں میں بدل رہے ہیں۔ شہر...... البتہ شہر نے ترقی یافتہ ملکوں کی شکل اختیار کرلی ہے۔'' زبیدہ بیگم کا نقطۂ نظر ترقی کے حوالے سے کچھ اور تھا۔ یہ ایک الگ مسئلہ تھا جس سے زبیدہ بیگم کو سخت اختلاف تھا اور شہر سے گاؤں تک کا سفر اسی اختلاف کا نتیجہ تھا۔

آنے جانے، پیغام رسانی اور اشیائے خورد ونوش لانے لے جانے کے فرائض حارث ہی انجام دیتا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی اور آنے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔

''گاؤں...... ہق...... ہا...... اُف اتنا تھکا دینے والا سفر۔''

''ہائے گا...... وَ...... ں...... !'' معاذ تو ناک سے آواز نکالتا تھا۔

حارث کے بے حد اصرار پر اس دفعہ معاذ اور عبداللہ آئے تھے ساتھ۔ تاہم طویل سفر نے تھکا دیا تھا۔ عبداللہ نے حارث سے وعدہ لیا تھا کہ الٹے پیر واپس آجائیں گے اور قیام کا تو تصور بھی نہیں کرنا۔

''ٹھیک ہے۔'' عبداللہ کی دم پر پاؤں رکھ کر حارث اسے لے آیا تھا۔ گاؤں اور گاؤں والے عبداللہ کو سخت ناپسند تھے۔

دھواں، دھول، مٹی، کچے گھر، چھوٹی دیواریں، اِدھر اُدھر پھرتے مویشی، گندگی پھیلاتے جانور اور جانے کیا الا بلا۔

حارث اور معاذ نے غسل کرلیا تھا، عبداللہ نے ہاتھ منہ دھونے پر اکتفا کیا اور تینوں اب دادی کے ساتھ کھانے کے لیے آگئے تھے۔ دسترخوان پر کھانا چن دیا

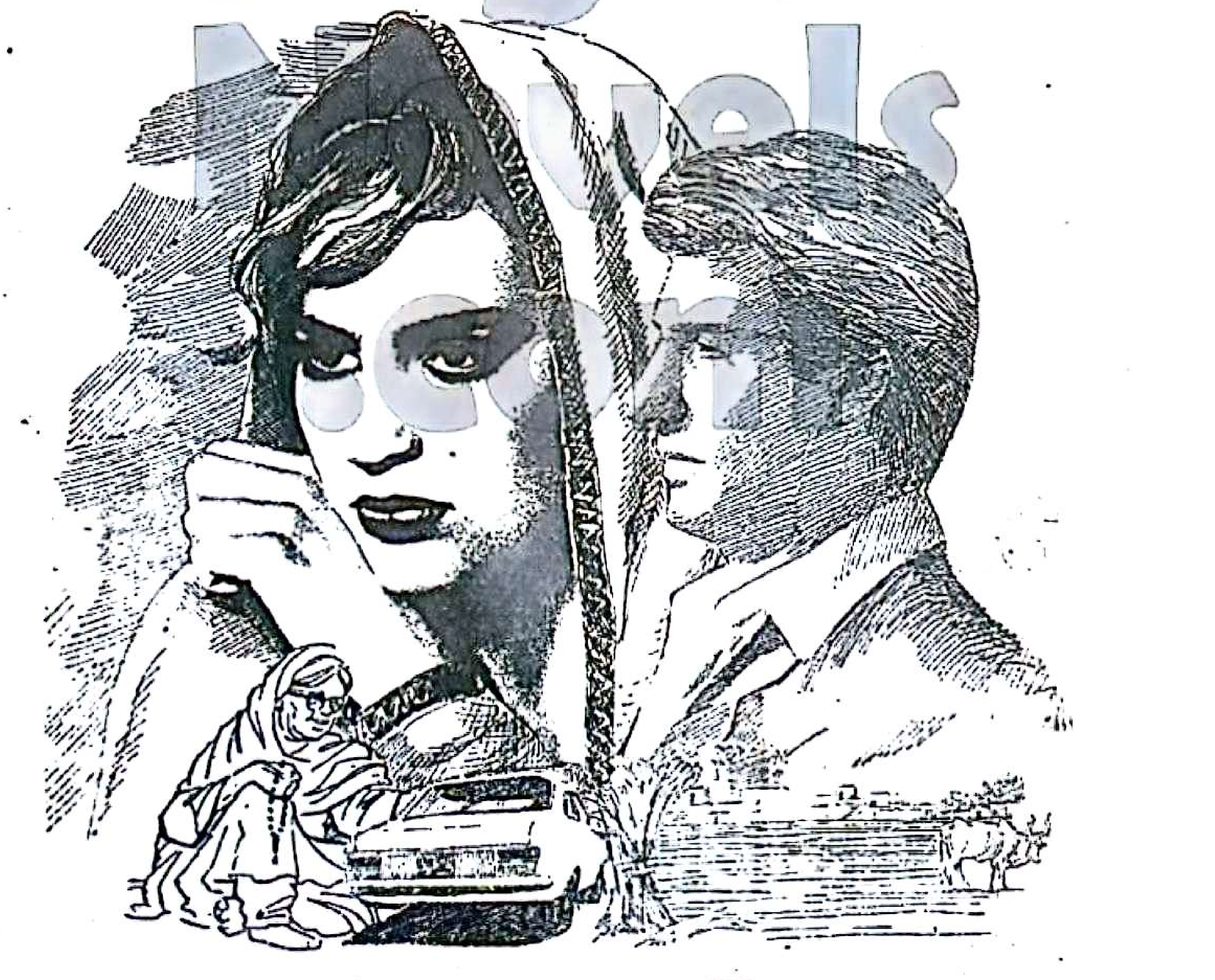

گیا تھا۔

"بیٹا، تم بھی نہا کر گرمی مار لیتے، گاؤں کے پانی کو بھی سلام ہو جاتا۔" پہلے قدم پر ہی دادی نے بھانپ لیا تھا عبداللہ کو۔

"موڈ نہیں تھا نہانے کا۔"

"نہایا موڈ کے لیے نہیں جاتا، صفائی کے لیے غسل کیا جاتا ہے۔ جا کر تو دیکھتے واش روم میں، شاور بھی ہے، گرم، ٹھنڈے کی لائن بھی۔"

عبداللہ ذرا شرمندہ نہ ہوا۔

سب کھانا کھانے لگے۔ عبداللہ کو روٹی اور حارث کو چاول پسند تھے۔ دستر خوان پر دونوں چیزیں موجود تھیں۔ چاول کے نام پر پلاؤ، بھنا قیمہ، شوربے والا گوشت اور میٹھے میں کھیر۔

زبیدہ بیگم آج دو سال بعد حویلی واپس آئی تھیں شہر سے سارے ناتے توڑ کر...... ناراض، خفا اور فکرمند۔

تاہم چہرے پر کسی بات کا شائبہ تک نہ تھا مگر...... زبیدہ بیگم کی تایا زاد بیوہ بہن جو ان کے جانے کے بعد حویلی کی نگران تھیں بھانپ گئی تھیں زبیدہ بیگم کے ماتھے کے تیور، پیشانی کے بل، سوچتا ہوا لہجہ اور نظر چرانا۔

"کیا بات ہے زبیدہ، کچھ پریشان ہو؟" شام کو انہوں نے پوچھ بھی لیا۔

"نہیں تو، بس مجھے اب شہر نہیں جانا، شہر کی ترقی سے ہمارے گاؤں کی سادگی بھلی۔"

"یہ تو ہے۔"

"اچھا عائشہ کدھر ہے بانو؟"

"وہی اپنے اسکول کے پیچھے پڑی ہوئی ہے، بچوں کو پڑھا رہی ہے ساتھ ہی سلائی کا ایک کمرا بھی بنا لیا ہے۔ لڑکیوں کو سلائی کڑھائی سکھا رہی ہے...... ماشاءاللہ۔ ابھی آتی ہوگی۔"

"شادی کے لیے کوئی دیکھا؟" زبیدہ بیگم نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" وہ ان کی شکل دیکھنے لگیں۔

"اچھا، اللہ بہتر کرے گا، جو نصیب میں ہو گا ل جائے گا۔"

"ہوں۔" اب ایک گہری سوچ بانو کے اندر اتر گئی۔ خدشات ان کے وجود میں اترنے لگے۔

"تو زبیدہ ناکام لوٹی ہیں، دو سال بعد بھی۔" وہ سوچنے لگیں۔

digest library.com

☆☆☆

"میں کیا کروں گا گاؤں دیکھ کر۔ شہر کا مقابلہ نہیں کر سکتے یہ گاؤں واؤں...... اور اگر تیرا دل چاہتا ہے تو، تو رہ جا، مجھے معاف کر۔ ہم شہر کے عادی کہاں ان گاؤں، دیہاتوں میں بس سکتے ہیں۔" نظر بھر کر اسے دیکھا۔

"آؤ تمہیں صبح کی سیر کرواؤں۔" عبداللہ گہری نیند میں تھا جب حارث نے اسے اٹھا دیا تھا۔

"یار......!" زچ ہو کر سر اٹھا کر ادھ کھلی مندی آنکھوں سے اسے دیکھا، کل کا سفر، رات کی.... بے آرامی، تھکن کی بے کلی...... آنکھیں سرخ تھیں۔

"مجھے کہیں نہیں جانا، بہت دیکھی ہیں صبح کی سینریز فلموں، ڈراموں میں۔" پھر سے تکیے میں منہ دے لیا۔

"یہ نیچرل بیوٹی ہے۔"

"باز نہیں آئے گا تو۔" وہ غصے سے اٹھ بیٹھا۔

حارث نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

معاذ جوگرز پہن کر تیار کھڑا تھا دریچے میں۔

اسے یہ تھرل اچھا لگتا تھا، چند دن کا سکون۔

انہیں تیار دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھا۔ اسے اپنی نیند بہت پیاری تھی۔

"ہق...... ہا......" بادلِ ناخواستہ واش روم کا رخ کیا۔

زبیدہ بیگم کی بہت زمینیں تھیں۔ آم، چیکو، کیلے اور مالٹے کے باغات تھے۔ تمام موسموں کی سبزیوں کے لیے الگ قطعۂ اراضی تھی۔ زمین کے ایک حصے پر تھور پھیلنے لگا تھا اس سے پہلے سیم اسے لگا جہاں حفاظتی انتظام کر کے بچوں کے کھیلنے کے لیے میدان بنوا دیا تھا۔

ان کے چاروں بیٹے شہروں کو پیارے ہو چکے

تھے، کوئی بھی ان کے نقشِ قدم پر نہ چلا۔ زمیندار نہ ان کا بایاں بازو بنا بلکہ یہی کہتے تھے اب ان زمینوں کو بیچ کر شہر آجائیں۔

''بیچنا......؟'' اُف...... ان کے لیے سوہانِ روح تھا۔

بھلا ان سونا اگلتی زمینوں کو کیسے فروخت کرتیں۔ زمین جائے تو کوڑیوں کے مول اور جب خریدو تو اُف!

ان اولادوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی۔ یہ بات سمجھانے کے لیے وہ شہر گئی تھیں۔ لاکھ کوششیں کرلیں مگر وہ نہ مانے۔ ہاں اس کی آمدنی سے ضرور فیض اٹھاتے تھے۔ وہ دوبارہ سے اپنا سا منہ لے کر واپس آگئی تھیں۔

اب اولاد کی اولاد سے امید وابستہ کرلی تھی مگر وہ تو اپنے باپوں سے بھی دو ہاتھ آگے تھے۔ وہ تو اپنے ملک میں ہی رہنا پسند نہیں کرتے تھے تو ملک کے ''گاؤں'' میں کیسے رہتے۔ اندر ہی اندر وہ بہت رنجور، اداس اور اکیلی ہوگئی تھیں۔

''واؤ......!'' صبح کا نکلتا سورج، سرسبز و شاداب کھیت، شبنم میں بھیگے پیڑ پودے، مہکتی ہوا، خاموشی، پرندوں کی گنگناہٹ۔ عبداللہ تو مبہوت ہوگیا اور ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر اردگرد کا نظارہ کرنے لگا۔

کسان کھیتوں میں کام کرنے میں مشغول تھے۔ حارث اور معاذ کے لیے شاید یہ سب نیا نہیں تھا۔ وہ کھیتوں کے درمیانی راستے پر ہلکے، ہلکے بھاگ رہے تھے۔ ان کے بال ہلکی، ہلکی ہوا میں اڑ رہے تھے۔ کبھی، کبھی وہ رک کر اپنے بازو پھیلاتے، سر اٹھا کر آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھتے...... گہری، گہری سانس لیتے، تازہ ہوا ان کے پھیپھڑوں میں بھر جاتی...... گول، گول گھومتے اور پھر چلنے لگتے۔ عبداللہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ سکون، قرار اور قدرت کے حسین مناظر۔ وہیں بیٹھے، بیٹھے اس نے ہاتھ پھیلائے اور سر اٹھا کر گہری، گہری سانس لینے لگا۔

گاؤں کے گھروں سے دھواں اٹھنے لگا تھا۔

حارث اور معاذ واپس آئے تو سورج اوپر آکر اپنی روشنی میں حدت لے آیا۔ دونوں کے چہرے تروتازہ تھے۔

''مزہ آیا؟''

''ہوں۔''

''چل تجھے اب دادی کے ہاتھ کا ناشتا کرواتے ہیں۔ لچھے دار پراٹھے، انڈے......'' وہ کھڑا ہوا۔

''لسی، مکھن اور تنوری پراٹھا...... گھر کا بنا ہوا۔''

''مجھے بریڈ چاہیے۔'' عبداللہ نے برا سا منہ بنایا۔

دونوں ہنس دیے اور حویلی کی راہ لی۔ راستے میں ٹیوب ویل نظر آیا، رک کر ہاتھ منہ دھویا۔ عبداللہ پورا بھیگ گیا۔

''یار......!'' وہ زچ ہوا۔

معاذ نے دونوں ہاتھوں میں پانی بھر کر اس پر اچھال دیا۔

''ابے یار......!'' اس کے کپڑے مزید بھیگ گئے۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔

''چینج کرلینا کپڑے۔ یہ موسم، یہ نظارہ پھر نہیں ملے گا۔ ابھی چند دنوں میں بارش ہوگی۔ گاؤں کی بارش دیکھنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' سوالیہ نگاہ ڈالی۔

''چند دن اور رہنا ہے یہاں۔''

''تو...... ہاں ناں... ہم نے کیا کرنا ہے واپس جا کر۔'' حارث مزے سے بولا۔

''بکواس نہیں۔ ایک دن کے وعدے پر لائے تھے۔''

''تو پرابلم کیا ہے تیرے ساتھ، کون سے امتحان ہیں یا جاب کے لالے ہیں یا بیوی کی چخ، چخ ہے۔'' معاذ نے غیرت دلائی۔

''تم لوگ رہ سکتے ہو، میں نہیں۔'' صاف کہہ کر وہاں سے پیچھے ہٹا اور آگے چلنے لگا۔

''پوسٹ کردو مجھے شہر۔''

''ایڈریس؟'' حارث ہنسا۔

عبداللہ نے مڑ کر دیکھا۔ دونوں گنگنانے لگے۔

''میں تو بے گھر ہوں......اپنے گھر لے چلو۔''
سورج کی تپش لو دینے لگی تھی۔ وہ تیز، تیز قدم بڑھانے لگا۔

گاؤں میں رہنا......اور پھر مزید رہنا......ناممکن اسے گاؤں کبھی پسند نہیں تھا۔

☆☆☆

''توقعات کا پیالہ ہمیشہ ٹھوکروں میں رہتا ہے۔''
ناشتے کے دستر خوان پر زبیدہ بیگم نے دونوں پوتوں حارث اور معاذ کو دیکھا اور نواسے عبداللہ پر گہری نگاہ ڈالی۔

تینوں انتہائی رغبت سے ناشتا کر رہے تھے۔ پراٹھے، مکھن، اچار، جیم، بریڈ، چائے، لسی۔

''پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔''

''امید...... بہار......!''

تین بار گہری سانس لے کر بانو کو دیکھا جو وہاں سے اٹھ کر باہر نکل رہی تھیں۔ شہر سے آنے والوں میں ان کی دلچسپی ختم ہوگئی تھی، بس اب مہمان داری نبھا رہی تھیں۔

''دادی! اب ہم نکلیں گے۔ تین، چار گھنٹوں میں تو پہنچیں گے۔ عبداللہ کو یونیورسٹی میں کام ہے، مجھے پاپا کے آفس جانا ہے اور معاذ تم نے......؟'' دادی کے پہلو میں بیٹھ کر حارث گویا ہوا۔

''جانا تو تم لوگوں نے ہے ہی، یہاں کون سا دل لگا ہے تم سب کا۔'' زبیدہ بیگم سنجیدہ تھیں۔

''دادی! یہ عائشہ باجی کہاں ہیں؟''

''اس کے کام بہت ہیں، مصروف ہوگی اپنے حجرے میں۔'' دھیمے سے لہجے میں کہا۔

''ان کے بکری کے بچے، چوزے، کبوتر بڑے ہوئے؟'' اب کے حارث کے انداز میں دلچسپی تھی۔

''ہاں، وقت گزرنے کے ساتھ سب بڑے ہو جاتے ہیں......تم ملے نہیں کیا؟''

''نہیں، اس بار نہیں ملا، اگلی بار چاول لینے آؤں گا تو ملوں گا۔ ویسے حویلی میں تو نظر نہیں آئیں۔''

''ارے بیٹا، وہ حویلی میں ہوتی کب ہے۔ اسکول، کھیت، کٹائی، بوائی سے اسے فرصت کہاں۔ پوری کسان بن گئی ہے۔'' بانو بی اندر آتے ہوئے بولیں۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''کسان!'' عبداللہ حیران ہوا۔

''عورت اور کسان؟'' تاسف بھری نگاہ حارث اور معاذ پر ڈالی۔

''بس بیٹا، شوق ہی ایسے پال رکھے ہیں۔ بہت محنتی ہے میری بچی۔'' زبیدہ بیگم نے گہری سانس لی۔ ''اللہ اس کے حق میں، اس کے نصیب میں آسانیاں پیدا کرے۔''

''آمین۔'' بانو بی نے زیرِ لب کہا۔

حارث نے باقاعدہ چہرے پر ہاتھ پھیرا، معاذ نے دل میں آمین کہنے پر اکتفا کیا۔

اگر ہوتی اس وقت یہاں عائشہ منظور احمد اور سن لیتی اپنا موضوعِ سخن تو ہنگامہ مچا دیتی۔ یوں محفل میں اسے ڈسکس ہونا پسند نہیں تھا۔

''دادی، آپ کو کب لینے آؤں؟'' حارث مسکرایا۔

''مت لینے آنا۔ چاول اتریں گے تو فون کروا دوں گی۔ آلو، پیاز کا ٹرک آئے گا تو اپنا حصہ اتار لینا۔'' زبیدہ بیگم سنجیدہ تھیں۔

''ابھی تم لوگوں کے گھر آنا ممکن نہیں ہے۔ جب شادیاں شروع ہوں گی تب آؤں گی۔'' وہ نواسے کے ساتھ سخت لہجہ اختیار نہیں کر سکتی تھیں۔

معاذ، حارث کو دیکھ کر رہ گیا۔

صبح کے گیارہ بج رہے تھے، دھوپ میں شدت آتی جا رہی تھی۔ انہیں نکلنا تھا، عبداللہ نکلنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

حارث اٹھنے کو تھا کہ باہر شور ہوا اور چند لمحوں بعد عائشہ اندر آگئی۔ اس کے ہاتھ میں بڑی سی ٹوکری تھی، سر پر اسکارف بندھا ہوا تھا، وجود ہلکی گلابی کڑھائی والی چادر میں چھپا ہوا تھا، منہ پر ماسک لگایا ہوا تھا۔ سیاہ آنکھیں نمایاں تھیں۔

''تم ایسے کیسے جا سکتے ہو شہری بابو......یہ لو۔'' پھلوں

digest library.com

کی ٹوکری سامنے رکھی۔ خربوزے اور ککڑی ڈھکی ڈھلائی رکھی تھیں۔ ساتھ گھر کے چاٹ مسالے کی برنی تھی۔

''یہ ہمارے کھیت کے میٹھے خربوزے کھائے بغیر تم کیسے جاسکتے ہو۔ کھاؤ اور لے کر بھی جاؤ اور سنو...... انکل جمشید، انکل راحت، جمیل ماموں اور چچا صدیق کو ضرور کھلانا۔ انہیں بہت پسند ہیں۔'' کاؤچ پر بیٹھ کر ٹوکری ٹیبل پر رکھی، اس میں سے ککڑیاں نکال کر چاٹ مسالے کے ساتھ ٹرے حارث کی جانب کھسکائی اور خود خربوزے کاٹنے لگی۔ خربوزوں کی میٹھی سی خوشبو نے فضا کا احاطہ کرلیا۔

''اور...... تم حارث...... آئے نہیں ملنے؟'' خفگی سے حارث کو دیکھا۔

''بس...... باجی...... وہ ذرا...... یہ لوگ ساتھ تھے تو بس اب نکل رہے تھے ہم۔''

''باجی بھی کہتے ہو اور غیریت بھی برتتے ہو۔ صبح کھیتوں میں قلانچیں بھرتے ہوئے بھی میری یاد نہیں آئی۔''

''ہیں......!'' تینوں چونکے۔ کھیت میں تو وہ نظر نہیں آئی تھی۔ دور، دور تک کھلیان خالی تھے۔

حارث ذومعنی انداز میں ہنسا۔

''ہاں، میں چھت سے دوربین لگائے سب دیکھ رہی تھی۔ تم کیسے مجھے نظر انداز کرکے جارہے ہو شہری بابو۔'' عائشہ ہنسی۔ حارث سر کھجانے لگا۔

''ان کو بھی لے آتے، دو، چار بھیڑ بکری کے بچے دیکھ لیتے۔'' معاذ اور عبداللہ پر نگاہ کی۔

''بھالو مرغی نے چوبیس بچے نکالے ہیں انڈوں سے، بی بطخ ابھی انڈوں پر بسیرا کیے ہیں۔''

''واؤ......''

وہ لوگ ککڑی کھانے لگے۔ معاذ کو پسند تھی، عبداللہ کو اختلاج ہونے لگا۔ حارث نے خربوزے کی ٹرے اپنی جانب کرلی۔ عائشہ نے چھوٹی ٹرے میں پھانکیں نکال کر زبیدہ بیگم کی جانب بڑھائیں۔

''اگلی دفعہ سہی عائشہ باجی، ہفتے بھر کے لیے آؤں گا۔ وہ آپ کا اسکول چل پڑا؟''

''ارے اس نے تو کہاں چلنا ہے، اپنی جگہ پر ہے بس آگے پیچھے سے بڑھ گیا ہے۔ بچوں کے ساتھ کمرے بھی بڑھ گئے ہیں۔ ٹیچر کی ضرورت ہے، انتظام کردو کوئی۔'' خربوزہ کھاتے ہوئے معاذ اور عبداللہ پر نگاہ کی۔ عبداللہ پہلی بار آیا تھا۔

بوری بند عائشہ بہت عجیب سی لگ رہی تھی۔ اتنا پردہ...... عبداللہ نے نگاہ گھمالی۔

''گاؤں میں کون آئے گا، اسکول کی بچیوں کو ہی پڑھا کر اسکول میں لگائیں۔ ویسے تو ایک آپ ہی سب پر بھاری ہیں۔'' وہ ہنسا۔

''ہاں ایک انار سو بیمار۔'' وہ بھی ہنسی۔

''یہاں کہاں اپنی قابلیت، اپنا ہنر، محنت ضائع کررہی ہیں۔ شہر آئیں، انجوائے کریں اور اپنی پڑھائی کا سلسلہ جاری رکھیں۔ میٹرک تو کیا ہوا ہے ناں؟''

''میٹرک......!'' چونک کر عبداللہ کو دیکھا اور پھر نگاہ گھما کر زبیدہ بیگم کو۔

انہوں نے نگاہ میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

عائشہ منظور احمد نے شانے اچکائے۔ ''کیوں؟''

زبیدہ بیگم نے نگاہ پھیرلی۔

میٹرک سن کر عائشہ کو بہت عجیب لگا۔ وہ تو اب ایم اے اکنامکس کی تیاری کررہی تھی۔ اس کے بعد اس نے زراعت بھی پڑھنی تھی...... میٹرک......! اتنی...... بے عزتی...... اسے ہضم نہیں ہوئی۔

اس نے بانو کو دیکھا...... وہ انتہائی رغبت سے خربوزہ کھارہی تھیں۔

''اُف!'' یہاں سے بھی سر گھمالیا۔

''میٹرک......!'' عبداللہ نے دیکھتے ہوئے سر گھمالیا۔

''گاؤں کی پینڈو...... جاہل لڑکی...... کسان عورت...... مجبور و بے بس۔'' عبداللہ کو ترس آگیا۔

''حارث، میں نے پھل کی پیٹیاں گاڑی میں رکھوادی ہیں اور سب کے نام بھی لکھ دیے ہیں۔ آپا جان کے سلام کے ساتھ سب کو دے دینا۔'' دل کا ملال

چھپا کر خوشگواری مسکان سے کہا اور کھڑی ہوگئی۔
''کہاں...... ابھی ہمارے جانے میں ٹائم ہے۔''
حارث چونکا۔
''مگر میرے کام ادھورے رہ جائیں گے۔ اسکول کی صفائی کروانی ہے، اصطبل صاف کروانا ہے، بھالو مرغی کو دیکھنا ہے، کچھ بچیاں آئی ہوئی ہیں سلائی سیکھنے۔'' دروازے کی جانب بڑھی پھر پلٹی۔
''تم پھر آنا، مزے سے باتیں کریں گے......اور ہاں، ایک بکری کا بچہ تمہارے لیے رکھا ہے، لے جانا۔''
حارث سر کھجانے لگا، معاذ ذومعنی ہنسا۔
عبداللہ کھڑا ہوگیا۔
''حارث، بارہ بج رہے ہیں۔''
''خدا حافظ۔'' عائشہ کہہ کر باہر نکل گئی۔
بانو بی، زبیدہ بیگم کو دیکھ کر رہ گئیں۔
زبیدہ بیگم بچوں کی جانب متوجہ ہو کر اٹھیں، الوداعی کلمات کہنے لگیں۔ بیٹوں سے خفا تھیں، بچوں کا کیا قصور تھا۔

☆☆☆

عائشہ نے چھت پر آکر گہری سانس لی۔ موسم خاصا بہتر ہوگیا تھا، دھوپ چھاؤں کا منظر تھا۔ اس نے منڈیر سے جھانکا۔ سفید کرولا حویلی کے گیٹ سے نکلی اور واپس کے راستے پر گامزن ہوگئی۔ عائشہ اسی منڈیر پر بازو ٹکا کر کھڑی ہوگئی اس کے اندر ملال ہلکورے لے رہا تھا۔
''یہ شہر والے کتنا حقیر سمجھتے ہیں ہم گاؤں والوں کو۔ انہیں بھلا ہماری کیا قدر۔ ہم ٹھہرے جاہل، اجڈ، گنوار۔ خود کون سے افلاطون ہیں یہ۔ اسلامی اقدار سے بے بہرہ، نماز روزے کی فکر نہیں، دوسروں کا احترام نہیں، اخلاقی قدروں کی اہمیت نہیں۔ نہ جانے ترقی کے نام پر کہاں جارہے ہیں۔'' موڑ کاٹ کر گاڑی اوجھل ہوئی تو عائشہ نے بھی سر موڑ لیا۔ چند لمحوں بعد گاڑی دور پگڈنڈی پر نمایاں ہوئی۔ خراماں، خراماں ذیلی راستوں سے نکل کر اب کسی سڑک پر رواں دواں تھی۔
عائشہ حدِ نگاہ تک اسے دیکھتی رہی۔ عبداللہ کا رویہ اور معاذ کا انداز ہضم نہیں ہو رہا تھا۔
''اور...... آپا جان...... آپا جان نے یہ کیا کہا...... میٹرک...... میں انڈر گریجویٹ، اکنامکس میں ماسٹر کرنے جارہی ہوں اور کہہ دیا میٹرک؟'' وہ بری طرح چونکی۔
''پوچھوں گی ضرور۔ معلوم نہیں کیوں اس بار... آپا جان اداس ہیں، کچھ چپ، چپ ہیں۔ پھپو جان نے بھی کچھ نہیں بتایا۔''
ٹہلتی ہوئی وہ دوسری جانب آئی۔ منڈیر سے نیچے جھانکا۔ اسکول کے احاطے میں بیلا چنبیلی کے پودے سر ہلا رہے تھے۔ قطار در قطار امرود، جامن کے پیڑ کھڑے تھے۔ آم کے درختوں پر تازہ، تازہ بور آرہا تھا۔ خاموشی سے وہ دیکھتی رہی اور جانے کیا کچھ سوچتی رہی۔
شاید آپا جان کی خاموشی، معاذ کی بے رخی اور حارث کی جلد بازی...... کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کچھ نہ کچھ گڑبڑ تھی۔
آپا جان اتنا عرصہ گزار کر آئی تھیں اور یوں خاموش، اچانک عبداللہ کیوں آیا؟
دوسری جانب آکر منڈیر سے جھانکا۔ تاحدِ نگاہ کھیتوں کا طویل سلسلہ تھا۔ فصلیں تیاری کے مراحل میں تھیں۔
''ایسی زرخیز فصلوں والی زمین کو کون بیچ سکتا ہے۔'' گہری سانس لی اور چادر پھر سے سر پر جمانے لگی۔

☆☆☆

سب کاموں سے فارغ ہوکر وہ آپا جان کے کمرے میں آئی تو وہ اپنے بستر پر ٹیک لگائے تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ پھپو چھوٹے تخت پر بیٹھی پنج سورے سے کچھ پڑھ رہی تھیں۔ ان کے سرہانے دودھ کا گلاس رکھ کر وہ پیروں کی طرف بیٹھی۔
ان کا سیل فون بجنے لگا۔ عائشہ دھیرے، دھیرے ان کے پاؤں دبانے لگی۔
فون بج رہا تھا۔ زبیدہ بیگم کے انداز میں لاتعلقی تھی۔ اک نگاہ غیر سے فون کی جانب دیکھا تھا۔

''آپا جان......فون۔''

''شش!'' انکار میں سر ہلایا۔

''کوئی ضروری کال ہوگی۔'' عائشہ نے سر اٹھا کر سیل کی جانب دیکھا۔

جمیل احمد کالنگ......

''جمیل انکل کا فون ہے، اٹھائیے...... کوئی ضروری کام ہوسکتا ہے۔''

''نہیں۔''

فون کرنے والا بھی ڈھیٹ تھا۔فون بجتا ہی گیا۔ ان پر نگاہ ڈال کر اس نے فون اٹھایا، لیس کیا، کان سے لگایا۔

''ہیلو...... جی...... آپا جان سو رہی ہیں، فون سائلنٹ پر تھا...... جی...... میں بتادوں گی...... صبح...... جی اچھا۔''

فون بند کردیا۔

آپا جان ''ہوں، ہوں'' ہی کرتی رہ گئیں۔

بانو دوبارہ پنج سورے کی جانب متوجہ ہوگئیں۔

کمرے میں گہری خاموشی چھاگئی۔

چند منٹ تک ماحول کا جائزہ لیتی رہی، انگلیاں مسلتی رہی پھر پاؤں سہلانے لگی۔

''آپا جان، آپ ناراض ہوکر آئی ہیں کیا سب سے؟'' تسبیح کے دانے گراتے ہوئے اسے دیکھا۔

''حارث، معاذ سے بھی ٹھیک سے بات نہیں کی۔''

انہوں نے پہلو بدلا۔

''فون ضرور اٹھایا کریں۔ ضروری خبر بھی ہوسکتی ہے......اور آپ نے انہیں میٹرک کا کیوں بتایا جبکہ میں......''

''انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم میٹرک ہو یا ایم اے......تم رہو گی تو گاؤں کی جاہل، گنوار، اجڈ...... اگر وہ لوگ یہ سوچتے ہیں تو انہیں سوچنے دو۔ مجھے بھی جھنڈے گاڑنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' وہ گویا منتظر تھیں، پھٹ پڑیں۔

عائشہ لمحے بھر کو پیچھے ہوئی۔ ایک عائشہ ہی تو تھی جس کے آگے بولنا، پھٹنا، کہنا اچھا لگتا تھا۔

''ان کی آنکھوں پر شہری پٹی بندھ گئی ہے۔ کچھ ہوجائے میں نے کچھ نہیں بیچنا، کم سے کم اپنی زندگی میں تو نہیں۔ جب میری خواہش پوری نہیں ہوگی تو میں ان کی بھی خواہش پوری نہیں کروں گی۔''

''خواہش......! کون سی خواہش۔ کیا چھپایا تھا مجھ سے۔'' عائشہ چونکی۔

''نہیں جانا اب مجھے شہر۔'' سر جھٹکا۔

''جانا تو آپ کو پڑے گا...... میرب آپی کی شادی، خضر اور ارمان کا ولیمہ...... رمنا کی شادی، یہ سب رشتے تو آپ خود طے کرکے آئی ہیں ناں۔ آپ کی عدم موجودگی میں کیسے ہوسکتے ہیں۔'' عائشہ نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

زبیدہ بیگم چپ ہوگئیں۔ تسبیح کے دانے تیز، تیز گرنے لگے۔ آنکھیں گلابی ہونے لگیں۔

عائشہ نے اٹھ کر پانی کا گلاس اٹھا کر ان کے ہونٹوں سے لگایا، ان کی پلکیں نم تھیں۔ دھیرے سے شانہ دبا کر تسلی کا لمس دیا۔ کمرے میں گہری خاموشی رقص کرنے لگی۔

''جانے کس بات پر آپا جان اتنی ہرٹ ہیں۔ کتنی خوشی، خوشی گئی تھیں، کتنا عرصہ رہ کر آئیں پھر ایسا کیا ہوا۔''

اپنی جگہ واپس بیٹھ کر ان کے پیر سہلانے لگی۔ تلوے گرم ہو رہے تھے، وجود کا دھواں تلوؤں میں آبسا تھا۔ انہوں نے تکیے سے ٹیک لگائی تھی۔ تسبیح کرتی انگلیاں بے بسی سے کشن پر پڑی تھیں۔

بانو پنج سورہ بند کرکے اٹھیں اور زبیدہ بیگم پر دم کیا اور بیڈ کی دوسری سائیڈ پر آکر بیٹھ گئیں۔

''آزردگی کیسی زبیدہ...... خود کو سنبھالو، حقیقت کو تسلیم کرو۔ سب مشیت ایزدی ہے، ہمارا کیا زور...... کیا پسند ناپسند...... ہر کام میں اللہ کی رضا ہونی چاہیے زبردستی نہیں۔ ہم اگر زبردستی سے مانگ لیں تو کیا ہو......آنسو......آہیں......محرومیاں......''

عائشہ چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی۔ ذہن میں

کل کے پلان زیرِ غور تھے۔ اسکول کے حوالے سے پلاننگ کرنی تھی، کچھ ٹیچر بلوائے تھے، فصل کی کٹائی کے بارے میں آپا جان سے ڈسکس کرنا تھا۔ وہ اپنے مسئلوں میں الجھی تھیں۔ ان کے مسئلے انہوں نے ہی سلجھانے تھے۔ وہ اپنی گتھی سلجھاتی رہی۔

اسے عباس راجا کا بھی مسئلہ حل کرنا تھا جو اسے سخت ناپسند تھا اور وہ زبردستی عشق کے مراحل طے کرنا چاہتا تھا۔

''اونہہ......''

گھڑیال رات کے بارہ بجانے لگا۔ دور پٹری پر کوئی گاڑی تیزی سے گزر رہی تھی، کتوں اور بھیڑیوں کی آوازیں بلند تھیں۔

''جا...... جا کر سو جا۔ صبح سویرے اٹھنا ہوگا۔''

زبیدہ بیگم نے پیار سے اسے دیکھا۔

کتنی حسین، کومل، پڑھی لکھی، سلجھی ہوئی، ذمے دار، بااخلاق تھی عائشہ...... بیٹی بنا کر پالا تھا۔ ان کے بیٹوں نے کیسے ایک دم سے پرایا کر دیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر رخسار چھوا۔

عائشہ نے دھیرے سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''آپ خوش رہا کریں، اپنی فکریں اور پریشانیاں مجھے دے دیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ہوں۔''

عائشہ بیڈ سے اتری، انہیں دودھ کا گلاس تھمایا۔

''پی لیں، ابھی گرم ہے...... اور کچھ نہیں سوچنا۔''

انہوں نے گلاس تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

چند لمحوں بعد خالی گلاس لے کر انہیں لٹایا، چادر ٹھیک کی، ایک لائٹ آف کی، انہیں شب بخیر کہا۔

''اب کچھ نہیں سوچنا بس سونا ہے، کل آپ کا مسئلہ سنیں گے اور اس کا حل نکالیں گے، ٹھیک ہے ناں؟'' مسکرا کر اس نے انگلی اٹھائی۔ ''عائشہ کے پاس ہر مسئلے کا حل ہے۔'' زبیدہ بیگم مسکرا دیں۔

''بس یونہی مسکراتی رہیں۔'' ان پر ایک الوداعی مسکان ڈال کر وہ گلاس اٹھا کر باہر نکل گئی۔

اشک آنکھوں سے نکل کر مژگان بھگو گئے۔

''کیسی نادر بچی ہے، کم عقلوں کی نظر سے اوجھل۔ میرے خاندان کی عزت بنتی تو میری نسلوں کو سنوار دیتی۔ اونہہ...... شہری ترقی انہیں کیا دے سکتی ہے جو ایک اچھی عورت نسلوں کو سکھا دے سکتی ہے۔''

نیند آنکھوں سے اوجھل تھی۔ ابھی تو بانو کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا کہ وہ ناکام لوٹی ہیں خود کی عزت گنوا کر...... ان کے بچوں نے انہیں صاف انکار کر دیا، ان کو عائشہ کا رشتہ نہیں چاہیے تھا اور انہیں جائداد نہیں بیچنی تھی۔

☆☆☆

بانو بی نوٹ کر رہی تھیں اس غیر معمولی خاموشی کو۔ زبیدہ بیگم جب سے شہر سے لوٹی تھیں خاموش تھیں۔ لیے دیے والا انداز، کھو جانے والی کیفیت۔ بیٹھے، بیٹھے گم ہو جاتیں، بلاؤ تو چونکنے کا سا انداز۔ بس عائشہ کو دیکھے جانا......

عائشہ سے زبیدہ بیگم کو کتنی محبت، کتنی انسیت تھی بانو سے چھپا ہوا نہیں تھا۔

شہر میں کیا ہوا تھا، کیا ردِعمل تھا زبیدہ بیگم کے سوال کا...... اب کچھ بھی پنہاں نہیں تھا۔

زبیدہ بیگم کے اطوار و انداز سب سوالوں کا پتا دے رہے تھے۔ بانو رخ موڑ گئیں۔ وہ کسی سوچ میں تھیں اور بہت کچھ سوچتے ہوئے رات گزر گئی۔

عصر کے بعد شام میں انہوں نے ملازمہ کو آواز دی۔

''جی بانو بی؟'' کم عمری ملازمہ بھاگی چلی آئی۔

''بوا سے کہو شام کی چائے کا انتظام اِدھر آنگن میں ہی لگواؤ۔''

''جی، جی۔'' وہ مسکرا کر اندر بھاگی۔

''عائشہ...... عائشہ!'' اسے آواز دیتی وہ پلٹیں۔

ایک وہی تھی جو آپا جان کو اس دکھ بھرے حصار سے نکال سکتی تھی، ان کا کتھارسس کر سکتی تھی، ان کے چہرے پر خوشی لا سکتی تھی، انہیں دکھ کے کنویں سے نکال سکتی تھی۔

''جی پھپو۔'' بوتل کے جن کی طرح وہ حاضر ہوئی۔

''کہاں تھیں تم، باہر چائے کا انتظام کروا رہی

ہوں آ جاؤ۔ بڑا عرصہ ہوا باہر رونق نہیں لگی۔“

”او کے پھپو، میں آپا جان کو لے کر آتی ہوں۔ یہ گجرے بنا کر لائی ہوں۔“ وہ ان کے کمرے کی جانب بڑھی۔

مسکرا کر اسے جاتا دیکھتی رہیں۔ ان کی قیافہ شناس بھتیجی...... ان کی پیاری ذہین بیٹی۔

گجرے پہنا کر عائشہ، آپا جان کو باہر لے آئی۔ خوشگوار ماحول میں چائے پی گئی۔ عائشہ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے انہیں ہنساتی رہی، اپنے چوزوں کے بارے میں بتاتی رہی۔ کل اسکول آنے کے لیے بھی کہا، اپنے سینٹر گل رعنا میں بھی آنے کے لیے کہا جہاں بڑی عمر کی لڑکیوں کو وہ سلائی، بنائی، کڑھائی سکھا رہی تھی۔

دوسروں کو ایک لفظ سکھا کر کوئی ہنر بتا کر اسے بہت خوشی ہوتی۔

”آپا جان، گل خان لالہ ٹرک لے کر شہر جا رہے ہیں آلو، پیاز، سبزیوں کا۔ مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے میں ساتھ جاؤں؟“ عائشہ نے مرچ مسالا لگا کر شکر قندی کھاتے ہوئے انہیں دیکھا۔

کچھ خریدنا ہوتا تو وہ چلی جاتی تھی، چاندی کو ساتھ بٹھا لیتی۔ وہ بہت بہادر لڑکی تھی۔ انہیں عائشہ سے کبھی خوف نہیں آیا۔

”کیا لینا ہے؟“ نگاہ بھر کر دیکھا۔

”کچھ کتابیں لینی ہیں، سلائی کڑھائی کا سامان لینا ہے۔ یونیورسٹی کا بھی چکر لگانا ہے۔ لگے ہاتھوں ہما سے بھی مل لوں گی۔“

تسبیح کے دانے گراتے ہاتھ ٹھٹک گئے۔

”بہت دن ہو گئے ناں چائے پہ ہوئے، بلا رہی تھی۔“

”تم وہاں مت جانا۔“ صبر کا گھونٹ بھر کر نگاہ پھیری۔

”کیوں آپا جان؟ میں تو ہمیشہ جاتی ہوں، چند گھنٹوں کا تو ملنا ہوتا ہے ہما سے۔“

”ہما ایبٹ آباد گئی ہوئی ہے ماموں کے گھر، ویسے بھی خان لالہ منڈی جا رہا ہے ”سبزہ زار“ کا

بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور
اچھی داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

شمارہ اگست 2025ء
کی جھلکیاں

ہمہ گیر
اردو کے درویش صفت فنکار کا احوال زیست

خوابوں کی قیمت
ایک سعی لاحاصل کا عبرت بھرا انجام

مرد بحران
کرکٹ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے تحفہ

شہر آشوب
اس شہر میں صرف جرائم پلتے تھے

جان بچا
قدم قدم پر حادثات تھے، ایک بے وطن کی روداد

انیس درد منداں
1947ء کے فسادات سے ابھری ایک انوکھی سچ بیانی

اس کے علاوہ

ڈھیر سارے سچے قصے، دلچسپ
واقعات اور عبرت بھری سچ بیانیاں

وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے
ہیں۔ آپ کو پڑھنا چاہیے

یہ شمارہ بہت خاص ہے، ضرور ملاحظہ کریں

digestlibrary.com

روٹ نہیں ہے اس کا۔“

محرابی کھڑکیوں سے باہر دیکھتے ہوئے بمشکل جملہ مکمل کیا۔

عائشہ کو سوال کرنے کی عادت نہیں تھی۔ خان لالہ کا روٹ ہی نہیں تھا تو کیسے جاتی۔ ضد اس کی فطرت میں نہیں تھی۔

”ٹھیک ہے آپا جان، نہیں جاتی وہاں، بس یونیورسٹی سے نوٹس لے کر بازار سے کچھ چیزیں خرید کر آ جاتی ہوں، سبزہ زار اگلی بار چلی جاؤں گی۔“

سر گھما کر آپا جان نے اسے دیکھا۔

”فروٹ اور سبزی دینے جاؤں گی خان لالہ کے ساتھ۔“ ہما کی محبت میں مسکین سی مسکراہٹ ابھری۔

”اچھا چلی جانا مگر زیادہ دیر مت بیٹھنا۔“

اس اجازت پر عائشہ خوش ہوگئی۔ مشروطیت پر غور کرنا ضروری نہیں تھا۔

وہ خوشی، خوشی اندر چلی گئی۔

☆☆☆

”آپا جان، میری عائشہ بہت سمجھدار ہے۔ اسے سبزہ زار جانے سے مت روکیے، کسی کو اس سے غرض نہیں ہے۔ یہ ایک غریب کسان کی کسان بیٹی ہے، کسی امیر آدمی کی بیٹی نہیں جو کوئی اسے بہو بنانے کی سوچے گا۔“ بانو بی رات بستر پر بیٹھی تھیں۔

آپا جان تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ بانو بی گہری نگاہ سامنے مرتکز کیے کہہ رہی تھیں۔ آپا جان چونکیں۔

”آپ کی خاموشی بے معنی نہیں۔ میرا آپ کا بچپن سے لے کر پچپن تک کا ساتھ ہے، آپ کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ آپ سبزہ زار سے مایوس لوٹی ہیں، مجھے اندازہ ہے آپ کے کسی بیٹے نے میری بھتیجی عائشہ منظور احمد کو بہو بنانے کے قابل نہیں سمجھا...... تو کوئی بات نہیں آپا جان، میری بیٹی میں کسی بات کی کمی نہیں ہے۔ انکار میں کوئی راز پوشیدہ ہوگا میرے مالک کا۔“ مسکرا کر آپا جان کو دیکھا۔

انہوں نے سر جھکا کر گہری سانس لی۔

”انہوں نے عائشہ کی نہیں میری ہتک کی ہے۔ میرا کہنا، میری خواہش ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ مجھے بہت دکھ ہے اس بات کا۔“

”مت دکھ گھولیے اپنی زندگی میں، اللہ نے اس کے لیے کچھ بہتر ہی سوچا ہوگا اور ابھی اسے شادی کی پروا بھی نہیں ہے۔ اس کے لیے کام اہم ہے، کرنے دیں اسے۔“ بانو بی تسلی و تشفی کے پھاہے ان کے فگار سینے پر رکھ رہی تھیں۔

”جو ہوا سو ہوا...... آپ اپنا دل برا مت کریں۔ ان شاء اللہ اس کی زندگی میں اچھا اور بہت اچھا ہوگا، آمین۔“

”ثم آمین۔“ دل سے دعا گو ہوئیں۔

بانو بی کے کہنے نے ان کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا، بغیر کہے ان کا دکھ جان لیا۔ ان کی کتنی اچھی رفیق، دوست، بہن، ساتھی تھیں۔

”اللہ تمہیں خوش رکھے۔“ وہ نیم دراز ہوئیں۔ کیسے مان سے گئی تھیں عائشہ کا رشتہ لے کر مگر فگار قدموں سے لوٹی تھیں انکار سن کر۔

”کیا ہو گیا ہے آپا آپ کو۔ میرے پڑھے لکھے بیٹوں کے لیے وہی جاہل، گنوار رہ گئی ہے۔“ پہلا انکار ان کے بھائی نے کیا تھا۔

ان کی ملتجی نگاہ بیٹے کی جانب اٹھی تھی۔

”نہیں امی، وہاب کے لیے تو بالکل بھی نہیں۔ اس اجڈ، گنوار کو پڑھانا تھا ناں آپ نے۔“

بیٹی، زاہدہ کو دیکھا۔

”امی، وحید صاحب تو اپنے خاندان میں کریں گے عبداللہ اور عالیان کا رشتہ، میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

غرض شہر میں مقیم ان کے تمام سگے رشتوں نے انکار کر دیا تھا ان کے دکھ کی پروا کیے بغیر۔

لائق، ہنرمند، سلیقہ شعار، ایم اے اکنامکس اور اب زراعت میں بھی وہ کچھ کرنا چاہتی تھی۔

عائشہ سے ملے بغیر، دیکھے بنا صاف انکار۔ اس انکار کا دکھ ان کے دل میں نشتر لگا رہا تھا۔ عائشہ انہیں بہت عزیز تھی۔ ابھی وہ لڑکی تھی تو اتنی باہمت اگر لڑکا

ہوتی تو کیا ہوتی۔تمام کاموں کی نگران وہ اکیلی تھی۔ پھل تو شہر والے بھی کھاتے تھے۔

حویلی کا رکھ رکھاؤ، مہمان داری، ملازموں پر نگاہ، فصلیں اتروانا، بوائی، کٹائی، چھٹائی، سبزیوں کی قدر و قیمت اور پھل دار باغات۔ان کی وسیع و عریض زمینوں پر ہر غلہ، اناج، پھل اگتا تھا۔

اس نے عملہ بھی اردگرد سے ہی چنا تھا، پڑھے لکھے تھے سب، عائشہ ان کو بہترین تنخواہ دیتی تھی۔

آپا جان نے اب شہر نہ جانے کا تہیہ کرلیا تھا جس کو ملنا ہوگا، محبت ہوگی تو خود آکر مل جائے گا۔

کچھ دنوں میں ان کا دل مطمئن ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''آپا جان، میں نے آم، آلو بخارہ، خوبانی کی پیٹیاں تیار کروائی ہیں سبزہ زار کے لیے، ہما کو دینے میں خود جاؤں گی۔اب تو ہما آ گئی ہوگی ناں ماموں کے گھر سے۔'' وہ مسکرائی۔

عائشہ کو آپا جان نے مسکرا کر دیکھا۔

''ہاں آگئی ہوگی، تم جاؤ، رات مت رکنا، مغرب سے پہلے گھر میں ہونا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ خوش ہوگئی۔

''کب جاؤ گی؟''

''کل صبح، خان لالہ کے ساتھ۔''

''ٹھیک ہے۔'' رضامندی دے دی۔

بانو بی مسکرا کر دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

خان لالہ نے شہ زور ٹرک سبزہ زار کے آگے روکا۔ چوکیدار نے ڈرائیور پہچان کر گیٹ کھول دیا، خان لالہ اندر لے آئے۔

اگلا دروازہ کھول کر عائشہ چھلانگ مار کر نیچے اتری۔ جوگر، سیاہ شال، ہاتھوں میں گلوز، چہرے پر ماسک۔بالکونی میں کھڑے زریاب نے قدرے حیرت سے اس بوٹے سے قد والی لڑکی کو دیکھا اور خواہ مخواہ کیمرا آن کرکے اپنے موبائل سے وڈیو بنانے لگا۔

زریاب نیویارک سے اپنے کسی کام سے آیا تھا، اس کا پندرہ دن کا قیام تھا۔مووی بنانا اس کا مشغلہ تھا۔

عائشہ اب فروٹ کی پیٹیاں اترا رہی تھی۔لان میں ڈھیر لگ گیا۔دس، دس پیٹیاں ہر گھر کی تھیں۔آم، آلو بخارہ اور خوبانی کی۔ساتھ، ساتھ عائشہ، ہما کو فون بھی کر رہی تھی۔

ہما نے بڑے آرام سے کہہ دیا کہ ''میں سکھر خالہ کے گھر میں ہوں، عثمان بھائی کی شادی ہے۔''

''دھت تیرے کی...... بتا تو دیتیں۔''

''تم نے پوچھا کب تھا؟''

''کب آؤ گی تم؟''

''پرسوں تو آئی ہوں یہاں، آج مہندی ہے ہفتہ لگے گا۔تم رہو یہاں آرام سے گھر میں سب ہیں۔''

''نہیں، میں مارکیٹ جاؤں گی پھر گھر واپس جانا ہے، اگلی دفعہ دیکھوں گی۔''

''ہوں......اوکے۔''

''اللہ حافظ۔''

زرینہ آنٹی، تائی امی اور نائلہ چچی نے آکر ساری پیٹیاں وصول کیں۔اسے اندر بٹھایا، کھانے کا پوچھا جو سہولت سے منع کر دیا، ہاں ٹھنڈا پی لیا مروت میں۔

ٹرک اُدھر ہی کھڑا کر کے خان لالہ کسی کام سے چلے گئے تھے تو دو گھنٹے بعد آنا تھا انہیں۔وہ بھی اجازت لے کر باہر نکل آئی۔اسے مال جانا تھا کچھ کپڑے وغیرہ لینے تھے۔

زریاب اسے اکیلا جاتا دیکھ کر اس کے پیچھے، پیچھے آ گیا بائیک پر۔

وہ رکشا لے کر قریبی مال میں آ گئی۔کافی دیر تک مال میں گھومتی رہی، کچھ خریداری کی۔

زریاب نے دور، دور سے اس کی کافی تصویریں لیں۔جانے کیوں اسے یہ لڑکی اٹریکٹ کر رہی تھی۔ایک کشش تھی جو اس کی جانب رواں تھی۔

اس کی سیاہ آنکھوں میں کاجل کی ایک لکیر تھی، ماسک چہرے پر تھا، دائیں ہاتھ میں والٹ تھا، بائیں

ہاتھ میں شاپنگ بیگ۔ سوبر، سنجیدہ، بردبار، بہت سی لڑکیوں سے مختلف۔

''یہ کون ہے...... کس سے پوچھا جائے؟''

ریسٹورنٹ میں اکیلے بیٹھ کر کولڈ ڈرنک اور کچھ اسنیکس لیے بڑی توجہ سے کھاتے ہوئے موبائل چیک کرتی رہی، کچھ وائس میسجز بھیجتی رہی۔ اپنا کھانا ختم کر کے بل پے کر کے باہر نکلی۔ اردگرد سے بے نیاز، اپنے آپ میں گم۔

زریاب اس کے ''متاثرین'' میں شامل ہوتا جارہا تھا۔

سبزہ زار پہنچی تو خان لالہ انتظار کر رہے تھے۔ چوکیدار اندر سے زرینہ آنٹی کو بلا لایا۔ انہیں الوداع کہہ کر وہ ٹرک کی فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی اور دروازہ بند کرلیا۔

خان لالہ نے ٹرک اسٹارٹ کیا، چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ ٹرک باہر نکل گیا۔

زریاب جاتے ٹرک کو دیکھتا زرینہ چچی کے پاس آ گیا۔

''یہ کون تھی؟''

''ارے یہ ہمارے مرحوم مزارعے منظور احمد کی بیٹی ہے، باپ کی جگہ کام کرتی ہے، گاؤں میں رہتی ہے آپا جان کے پاس۔ بیچاری غریب دیہاتن، اجڈ، گنوار۔'' لاابالی سے انداز میں سر جھٹکا۔

''تم کہاں گئے تھے، کچھ کھاؤ گے؟ بھابی تمہارا پوچھ رہی تھیں۔'' بڑی توجہ سے خوبرو زریاب کو دیکھا اور داماد بننے کی دعا کی۔

آج کل سب یہی دعائیں مانگ رہے تھے وہ ان میں سے کسی کا داماد بن جائے۔ جانے یہ خوشی کس کی جھولی میں گرنی تھی۔

''اجڈ، گنوار، غریب دیہاتن۔'' سر جھکا کر زریاب نے زیرِلب کہا اور بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

''کچھ کھاؤ گے؟'' وہ پھر پوچھنے لگیں۔

''نہیں، صرف کوئی شیک دے دیں، مجھے ایک لیکچر کی تیاری کرنی ہے۔''

''تم بیٹھو میں لاتی ہوں۔''

وہ لاؤنج میں بیٹھ گیا اور سیل آن کر کے کچھ دیر پہلے کی تصویریں دیکھنے لگا۔

غریب دیہاتن، اجڈ، گنوار...... کہیں سے نہیں لگ رہی تھی۔

سر اٹھا کر چلتی، نپے تلے قدم اٹھاتی اور...... اور لمحہ بھر کو حیران ہوا۔ وہ کاؤنٹر پر بل پے کر رہی تھی، اس کے ہاتھ میں نوٹ نہیں تھے۔

دھیرے سے چہرے پر ہاتھ رکھا۔

اس کے ہاتھ میں ماسٹر گولڈ کارڈ تھا۔

''یہ جاہل ہے...... گنوار...... غیر تعلیم یافتہ......؟'' بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

اس نے سر جھٹکا۔

تبھی ملائکہ آ گئی۔

''ہیلو زریاب۔'' وہ اس کے مقابل آ بیٹھی۔

''ہیلو۔'' نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ ٹائٹ جینز، چھوٹی کرتی اور چھوٹا سا رومال گلے میں لٹکائے وہ اپنے بال سنوار رہی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے آج کل؟''

''بس واپس جانے کی تیاری۔'' مصروف سے انداز میں وہ موبائل چلاتا رہا۔

''ایسا کیا ہے موبائل میں جو تم اس کی جان نہیں چھوڑتے۔'' وہ ہنسی۔

''ارے بڑے کام کی چیز ہے۔'' سیل آف کر کے سامنے رکھا۔

''ملائکہ، اس کا سیل چیک کرنا پڑے گا۔'' جبھی زرین بھی اندر آ گئی۔

''میری اجازت کے بغیر اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔''

''اچھا......!'' زرین نے ذومعنی انداز میں ملائکہ کو دیکھا۔ دوسرے لمحے جھپٹا مار کر اٹھانا چاہا، زریاب نے پہلے ہی لپک کر سیل کھینچ لیا۔

زریاب ہنسا۔

''میں نے کہا ناں میری اجازت کے بغیر اسے

کوئی نہیں لے سکتا...... بلکہ کسی کے موبائل کو بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں چھونا چاہیے۔''

''ہم تو آپ کی کزنز ہیں ناں، کوئی راز ہے تو شیئر کریں۔''

''میں اپنا راز دار خود ہوں۔''

''زریاب بھائی، آپ کا آئیڈیل کیا ہے، میرا مطلب ہے شادی کے حوالے سے۔'' زرین ہنسی۔

ملائکہ خواہ مخواہ سمٹ کر بیٹھی۔

''میں نے سوچا نہیں۔''

''تائی جان تو بہت پریشان ہیں بلکہ امی سے بھی کہہ رہی تھیں اسے کوئی لڑکی دکھا دو تاکہ میری زندگی میں آسانی آجائے۔''

''ہوں، مما تو خواہ مخواہ ہی پریشان ہوتی ہیں۔ مجھے ابھی زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے، آگے بڑھنا ہے، شادی کے لیے ابھی سوچا نہیں۔ ہاں لیکن عنقریب سوچنا شروع کردوں گا۔'' ذہن کے پردے پر اک عکس لہرایا۔

''کوئی آئیڈیل؟''

''ہاں بس سلجھی ہوئی سمجھدار شخصیت ہو۔''

''اور خوب صورتی......؟'' ملائکہ نے خواہ مخواہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

''خوب صورتی، سمجھداری کے بغیر ماند ہے۔ دولت، گھر، گرین کارڈ سب ہے میرے پاس۔''

''ہمارے خاندان کی سب لڑکیاں سمجھدار ہیں بیٹا۔'' بینہ آنٹی مینگو شیک بنا کر لے آئی تھیں۔ ''پہلے خاندان کی لڑکیوں کا حق ہوتا ہے، تم پسند کرلو، میں بھابی سے بات کرلوں گی۔'' گلاس زریاب کی جانب بڑھایا۔

''تھینک یو...... آنٹی، میں نے اس بارے میں ابھی سوچا نہیں، امی تو بس......'' بات کرتے، کرتے ہنسا۔

''سوچ لو بیٹا، بھابی پاکستانی لڑکی کو ہی بہو بنانا چاہتی ہیں، مغربی لڑکیاں تو انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔''

''میں بھی انہیں مایوس نہیں کروں گا۔''

ملائکہ آنکھوں میں زریاب کا عکس بسا کر جذب سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

ملائکہ کے حسن میں کوئی کمی نہیں تھی مگر سامنے وہ نظر نہیں تھی جو اسے آنکھ بھر کر دیکھتی۔

محبت یکطرفہ ہو تو بیکار ہے، یوں جیسے انسان اپنی آگ میں خود ہی جلتا رہے۔

digest.library.com

☆☆☆

''حارث، مجھے دادی جان سے ملنا ہے۔'' زریاب، معاذ کے کمرے میں آیا۔

''دادی سے ملنا ہے...... مگر آپ تو دو دن بعد جا رہے ہیں؟''

''چلو دو، چار دن کی ٹکٹ آگے کروالیتا ہوں پھر جانے کب آنا ہو۔''

''ہوں۔''

''تجھے ڈرائیونگ آتی ہے، ڈائیوو سے جانے میں ٹائم لگ جائے گا، رستوں کا بھی تجھے پتا ہے۔''

''فون کرلیں ناں۔''

''نہیں، صرف فون نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''عرصہ ہوگیا میں دادی سے نہیں ملا۔'' زریاب کے دل میں ہلچل سی تھی۔

''اوکے۔ کل صبح نکلتے ہیں۔''

''صبح......!'' زریاب حیران ہوا۔

''تو......؟''

''رات میں نکلتے ہیں، صبح پہنچ جائیں گے۔ سارا دن گزار کر واپس۔'' پورا پروگرام بتایا۔

''ابھی امی سے اجازت لینی ہے، پاپا سے پوچھنا ہے، گاڑی لینی ہے، پیٹرول ڈلوانا ہے، پیسے بھی لینا ہیں۔ یہ امریکا نہیں اٹھے اور چل دیے۔'' حارث ہنسا۔

''چلو پھر پوچھو جا کر بلکہ میں خود جا کر پوچھتا ہوں بلکہ اجازت لیتا ہوں۔''

''پاپا آفس میں ہیں۔'' اٹھتے ہوئے زریاب کو ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔ وہ خجل سا ہوا۔

اسے دیکھتے ہوئے حارث نے پاپا کو فون ملایا، زریاب کی خواہش بتائی، بخوشی اجازت مل گئی۔

''گاڑی بھی لے جاؤ، پیسے والدہ سے لے لو۔''

حارث خوش ہو گیا۔

گاؤں کی جانب سفر کرتے ہوئے عجیب سا لگ رہا تھا زریاب کو۔ برسوں پہلے دادا، دادی سے ملا تھا اب دوسری بار پاکستان آیا تھا۔ دادا تو اب نہیں تھے، دادی سے اب بھی شاید نہ ملتا اگر درمیان میں وہ پری وش نہ ہوتی۔ سیدھے سبھاؤ چلا جاتا اپنا کام کر کے مگر قسمت اس سے کچھ اور کروانا چاہ رہی تھی۔

☆☆☆

نکلتا ہوا سورج انہوں نے گاؤں میں داخل ہوتے دیکھا۔ ہر سو ہریالی، سکون، اڑتے چہچہاتے پرندے، مسحور کن نظارہ، کھڑی فصلوں کی خوشبو، گاؤں کے گھروں سے اٹھتا ہوا دھواں۔

حارث نے گاڑی کھیتوں کی درمیانی سڑک پر ڈال دی۔ دونوں جانب سبزہ ہی سبزہ تھا۔ پھلوں کے باغ، سبزیوں کے کھیت، کھڑا گنا۔ زریاب کو کسی فلم کا منظر لگ رہا تھا۔

حارث نے گاڑی روک دی۔

''کیا ہوا؟''

''وہ دیکھیں سامنے کھیتوں میں جو اس ہموار جگہ پر آگے کو ٹریکٹر چلا جا رہا ہے ناں وہ عائشہ باجی چلا رہی ہیں۔''

زریاب چوکنا ہو کر اس سمت دیکھنے لگا۔ دل دھک، دھک کرنے لگا۔ واقعی وہ ٹریکٹر زمین ہموار کر رہا تھا۔

زریاب غیر محسوس انداز میں مووی بنانے لگا۔

حارث نے گاڑی پھر سے چلا دی۔ اب گاڑی ان کھیتوں کے قریب ہو رہی تھی۔

ٹریکٹر آگے جا کر واپس مڑا اور سفید گاڑی آتی دیکھ کر رک گیا۔

قریب جا کر حارث نے گاڑی روکی اور اتر گیا۔

''حارث...... اتنی صبح، خیریت تو ہے؟'' عائشہ اسے دیکھ کر چونکی۔

زریاب بھی نیچے اترا، دروازہ بند کیا اور سامنے بونٹ کی طرف آ کر انہیں دیکھنے لگا۔

''سب خیریت ہے۔'' وہ آگے بڑھا۔

''زریاب بھائی، دادی جان سے ملنے آئے ہیں بلکہ ان کو دادی کی محبت کا دورہ پڑا ہے۔'' وہ اچک کر ٹریکٹر پر عائشہ کے برابر جا بیٹھا۔ ''مجھے ٹریکٹر چلانا سکھائیں اور دور تک چکر لگوائیں۔''

زریاب دلچسپی سے ماسک لگائے عائشہ کو دیکھ رہا تھا۔ دل دھک، دھک کرتا اس کی جانب کھنچ رہا تھا۔ عائشہ اس کے سامنے سے ٹریکٹر گھما کر سیدھا آگے لے گئی۔ نئی فصل کے لیے کھیتوں کی زمین ہموار ہو رہی تھی شاید۔ دور جا کر یہ لوگ واپس آ گئے۔

زریاب دیکھتا رہا، اس کا کیمرا چلتا رہا۔

ٹریکٹر واپس آ کر رکا، وہ چھلانگ مار کر نیچے اتری۔

''آؤ تم لوگوں کو ناشتا کرواؤں، کیا لوگے ناشتے میں؟''

حارث بھی اترا۔

''زریاب بھائی، آپ دادی سے نہیں مل سکتے۔'' مژدہ سنایا۔

''کیوں؟''

''وہ بانو بی کے ساتھ ان کی بہن کی بیٹی کی شادی میں گئی ہوئی ہیں۔''

''اوہو۔''

''تو آپ لوگوں کو فون کر کے آنا چاہیے تھا۔'' شستہ صاف لب و لہجہ تھا۔

''پھر...... چلیں واپس؟''

''آئیے ناشتا تو کریں۔ ہم گاؤں کے لوگوں کے آداب مہمان داری بھی دیکھیے۔'' وہ آگے چلنے لگی۔

پورے وجود پر سیاہ چادر ڈھلکی ہوئی تھی، غزالی آنکھوں میں مسکان تھی، ہاتھوں میں دستانے تھے، جوگرز کی وجہ سے قدموں کی رفتار تیز تھی۔

''گاڑی......؟''

''آ جاتی ہے، تم رحمو بابا کو چابی دے دینا اور سنو...... مہمان کو فریش اپ کرواؤ میں ناشتا بھجواتی ہوں۔ کیا لوگے ناشتے میں...... دیسی یا ولایتی؟'' وہ ہنسی۔

''دیسی۔'' زریاب نے زیر لب کہا۔

عائشہ پلٹی۔

''اور کیا، ولایتی تو ہم کھاتے رہتے ہیں۔''

حارث نے لقمہ دیا۔

حویلی آ گئی تھی۔ زیرِ لب مسکرا کر عائشہ پھاٹک کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ پیچھے، پیچھے یہ دونوں تھے۔

آگے جاتی عائشہ دل کے قریب آتی جا رہی تھی۔

قطار در قطار کھڑے درخت، بیلے، موتیا کی باڑیں، عشق پیچاں کی بیلیں، موگرے کے پھول، گل داؤدی کی بھری، بھری سفید اور جامنی پھولوں والی شاخیں صبح کے ان لمحوں میں لہلہا رہی تھیں۔ جگہ، جگہ لگے پر پل آفس ٹائم کے پودے، اس میں کھلتے پھول، لان کا ہر گوشہ گویا پُر تکلم تھا، ہر انداز میں خوشبو دے رہا تھا۔ اپنی بے زبانی میں عائشہ کی محنت بتا رہا تھا۔

عائشہ اندر چلی گئی، حارث اسے لیے مردانے میں آ گیا تھا۔

''یہ سارا سر سبز و شادابی علاقہ عائشہ باجی کی محنت ہے۔ وہ ایک بہترین عورت کسان ہیں۔'' وہ ہنسا۔

زریاب اسے دیکھنے لگا۔

محنتی، دیانت دار، ہر فن مولا۔

''اپنا اسکول اپنی محنت سے بنایا ہے، شجر کاری بھی کرتی ہیں۔ مجھے عائشہ باجی بہت پسند ہیں اور انہیں شہر ناپسند ہے۔ یہاں کے لوگوں کی بیچ ہی وہ خوش رہتی ہیں۔''

''کیا یہ ہمارے گھر آ کر کبھی رہی نہیں؟''

زریاب چونکا۔

''یہ کہتی ہیں شہروں میں منافقت ہے، ریا کاری ہے، خلوص و محبت نہیں، مطلب کی دنیا ہے۔ گاؤں میں سادگی ہے، سکون ہے، خلوص، مروت اور لحاظ بھی ابھی باقی ہے۔ ہماری اور ان کی کیمسٹری ملتی نہیں ہے اس لیے یہ یہاں اور ہم وہاں ہیں۔ اس لیے میٹرک سے آگے نہیں جا سکیں حالانکہ بلا کی ذہین ہیں۔''

جانے کیوں حارث، عائشہ کا کلمہ پڑھ رہا تھا اور جانے کیوں زریاب ہمہ تن گوش تھا۔ حارث بیٹ مس ہوتی ہوئی لگ رہی تھی۔

''کیا تلاش ختم...... یا پھر......'' سر جھٹک کر ہنسا۔

حارث نے ریموٹ اٹھا کر ایل ای ڈی آن کی، پاؤں پھیلا کر اسکرین کی جانب متوجہ ہوا۔

زریاب سیل آن کر کے کچھ دیر پہلے کی کھینچی تصویریں دیکھنے لگا۔

سیاہ آنکھیں، گھنیری پلکیں، سیاہ ابرو دل میں اتر گئے۔ ماسک نے باقی چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ اس کے عقب میں سبزہ لہلہا رہا تھا، تر و تازگی ہر سو نمایاں تھی۔

زریاب دیکھے گیا...... دیکھے گیا اور دیکھتا رہا۔

''ناشتا'' بڑا سا خوان اٹھا کر ایک ملازم اندر آ گیا۔

حارث سیدھا ہوا۔ ٹیبل پر ناشتا چ گیا۔ پراٹھے، انڈے، مکھن، کباب، بریڈ، جام، لسی، بھنا قیمہ۔

''اُف، اتنا کچھ۔''

''چائے یا کافی؟'' ملازم نے پوچھا۔ زریاب کو چائے کی طلب تھی۔

حارث نے پلیٹ اس کی جانب بڑھائی اور خود اپنی پلیٹ بھرنے لگا۔ بھوک شدید تھی۔

''چائے سے کام چلا لو، کافی ختم ہے۔'' عائشہ اندر آ گئی۔ اسی حلیے میں، ہاں گلوز اتار دیے تھے۔ سفید کلائیوں میں چند بلیک چوڑیاں تھیں درمیانی انگلی میں نازک سا سفید نگ کا رنگ تھا۔

زریاب گڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

اس کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا نہیں تھا بلکہ گرتا ہی جا رہا تھا۔

''ناشتا کریں۔'' اس کی توجہ کو منتشر کیا۔

زریاب پلیٹ پر جھک گیا۔ ملازم دین محمد چائے سرو کرنے لگا۔

''حارث، آپا جان دو، تین دن تک نہیں آئیں گی، تمہیں بتا کر آنا چاہیے تھا تاکہ خوار نہیں ہوتے۔ ہاں ملنا چاہو تو چک 22 میں جا کر مل لو۔''

''نہ بابا معاف کرو۔'' حارث نے کانوں کی لو کو ہاتھ لگایا۔ ''میں پھر آ کر مل لوں گا۔ زریاب کی خیر ہے۔''

''چلو میں فون پر بات کروا دیتی ہوں۔''

''ہاں ضرور۔'' زریاب بے اختیار ہوا۔

''عائشہ باجی، پلیز اپنا یہ ماسک تو اتار دیں، گھر ہے یہ۔'' برا سا منہ بنایا۔

''تم لوگ شہر سے آئے ہو، ابھی تک نہائے بھی نہیں ہو، کورونا پھیلاؤ گے۔''

''لاحول ولا قوۃ!'' حارث کھانسا۔

زریاب نے تنگ منہ کے سامنے کرلیا۔ عائشہ باہر نکل گئی۔

''کیسے، کیسے وہم ہیں ان کو شہر والوں سے۔'' اور زریاب کی جانب دیکھا۔

''باہر والوں سے جانے کتنے ہوں گے۔'' اب زریاب کھانسنے لگا۔

عائشہ فون لے آئی۔

''جی آپا جان، یہ بات کریں۔'' فون حارث کی جانب بڑھایا۔

حارث نے سلام دعا کے بعد زریاب کی آمد کی اطلاع دے کر فون زریاب کو پکڑا دیا۔

زبیدہ بیگم حیران ہوئیں۔

''زریاب اور یہاں؟'' بہت خوشی سے بات کی، فون پر ہی بلائیں لیں۔ ''اطلاع دے کر آتے، میں دور ہوں فوراً آ نہیں سکتی۔ میرے آنے تک رکو تم لوگ۔''

زریاب ان کی محبت سنتا رہا۔

''نہیں دادی، میں کل رات چلا جاؤں گا پھر آؤں گا تو رکوں گا۔''

''ہاں، ہاں ضرور آنا۔ رضا کو بھی لے کر آنا۔ شکل دکھا جائے ماں کو عرصہ بیت گیا۔ فون پر آواز سے بھلا کوئی دل بھرتا ہے۔''

''جی، جی دادی! میں لے کر آؤں گا، ضرور۔''

کچھ اور باتیں کر کے سیل آف کر دیا۔

عائشہ باہر نکل گئی تھی۔

زریاب کا دل خوشی سے سرشار ہو رہا تھا جانے کیوں۔

''حارث......!'' عائشہ اندر آگئی، اسی انداز میں۔ ''تم لوگ رکو گے، آرام کرو گے یا جاؤ گے؟''

''کیوں؟'' حارث شرارتی ہوا۔ ''دادی نہیں ہیں تو نکال رہی ہیں گھر سے۔''

''استغفر اللہ، تمہارے دادا کا گھر ہے، رہو بھلا میں کون؟ میں اسکول جا رہی ہوں، رکو گے تو کھانے کا انتظام کروا دوں۔'' حارث کو گھورا۔

''ہم تھوڑی دیر میں نکلیں گے، آپ کے اسکول کی سیر کرنے آرہے ہیں۔ کیوں بھائی؟'' زریاب کو دیکھا۔

''آف کورس۔'' اِک اور چھینکا ٹوٹا۔

''ٹھیک ہے، تمیز سے آنا۔ شہریوں کی طرح آنکھیں پھاڑ، پھاڑ کر مت دیکھنا اور نہ اترانا۔''

''لاحول ولا قوۃ...... باجی، کچھ ہمارے خاندانی ہونے کا ہی بھرم رکھ لیں۔'' اسے برا لگا۔

''اچھا...... شہر میں جب سب گھر سے باہر نکلتے ہیں ناں تو سب برابر ہوتے ہیں، نظر باز...... عجیب، عجیب طرح گھورتے ہیں۔''

''تہمت...... صاف تہمت۔''

زریاب کو اس کا شرارتی سا انداز اچھا لگا۔

عائشہ باہر نکل گئی۔

''توبہ، ان کو تو شہر اور شہر والے اتنے برے لگتے ہیں، کہتی ہیں تعلیم تو ہے تہذیب نہیں، نظر ہے شرافت نہیں...... اُف۔''

زریاب دھیرے سے سر ہلا کر رہ گیا۔

کچھ دیر بعد دونوں اسکول کے سامنے کھڑے تھے۔ چہار جانب بڑھتے ہوئے پودے تھے جنہوں نے آگے جا کر تناور درخت بننا تھا، نیم، جامن، بیر، سفیدے اور ناریل کے۔ ہر جانب سبزہ تھا، کسی کی محنت نظر آرہی تھی۔ زریاب سیلفی لینے لگا۔

عائشہ آگئی، اس کے ہاتھ میں قلم اور کچھ کتابیں تھیں۔

''اسکول تو بہت خوب صورت ہے۔''

''بس یہ بچوں کی اور میری محنت ہے۔'' بڑھتے ہوئے پودوں کو دیکھ کر مسکرائی۔

''کیا یہاں میں کچھ پودے لگا سکتا ہوں؟'' زریاب نے پہلی بار اسے مخاطب کیا۔

"کیوں نہیں، یہ ہمارا خاندانی اسکول ہوگا، آنے والے سالوں میں اس کا نام زبیدہ ہائی اسکول ہوگا۔"

عائشہ کے انداز میں سرخوشی تھی۔

"ان شاء اللہ۔"

عائشہ نے مالی بابا کو بلوا کر اپنی بنائی ہوئی نرسری سے پودے منگوائے۔ زریاب کے شوق میں حارث نے بھی پودے لگائے۔ زریاب نے تصویریں لیں، سیلفی بنائی اور...... اور اکثر سیلفیز میں کہیں عائشہ اور کہیں حارث نمایاں تھے۔ یہ چھوٹی سی چوری وہ دل سے کر رہا تھا۔

digest library.com

زریاب گاہے بہ گاہے عائشہ سے بات کرتا رہا، اس کی آواز دل میں اتارتا رہا۔

لمحوں کی انسیت صدیوں پر محیط لگ رہی تھی۔ اپنائیت کا گہرا احساس جاگ رہا تھا۔

اس کو آنکھ بھر کر دیکھ بھی نہیں رہا تھا کہیں وہ کچھ اور نہ سمجھے۔ پہلے ہی اس کے خیالات شہر والوں کے بارے میں "خاص" تھے۔ وہ تو پھر "باہر" سے آیا تھا۔

زریاب بہت خوب صورت احساسات لے کر وہاں سے لوٹا تھا۔

محبت...... چاہت...... انسیت۔

وہ عائشہ کی محبت میں پور پور بھیگ گیا تھا۔ وہ ماں سے خود بات کرے گا...... "ماما، آپ کا مقصد پورا ہوگیا، مجھے میری منزل مل گئی...... بالکل ایسی ہی سیدھی سادی، ذہین، سمجھدار لڑکی چاہتا تھا میں۔"

لڑکیاں تو بہت تھیں مگر سب ایک جیسی تھیں، تیز، طرار، مطلبی، فیشن زدہ، یونیورسٹی، کالج، آفس میں خود یہاں اس کے خاندان میں...... ایک سے بڑھ کر ایک ہنسنے بولنے والی، بے جا فری ہونے والی۔ حیا، ادب، تمیز، تہذیب، رکھ رکھاؤ نام کو نہیں۔ اسے اپنے بارے میں یہ کہنے میں قطعی کوئی شرمندگی نہیں تھی کہ وہ ایک پرانے زمانے کا، پرانی سوچ کا مشرقی مرد ہے اور مشرقی عورت چاہتا تھا۔

اسے یہ سننے میں کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا کہ تمہارے اندر پرانے زمانے کی کوئی بوڑھی روح ہے۔

اس کے پاس ٹائم نہیں تھا۔

اسے دادی سے ملنا تھا، انہیں بتانا تھا۔ دادی دور تھیں اور...... اور اسے اب دوبارہ آنا تھا...... جلدی، عنقریب، شاید اگلے ماہ۔

قسمت کے ستارے بڑی مشکل سے ملتے ہیں اور جب مل جائیں تو انہیں کھونا نہیں چاہیے۔ بے قرار دل کو قرار نہیں تھا۔

صبح اس کی فلائٹ تھی۔

رات دیر [illegible] کے لان میں ٹہلتے اسے ہی سوچ رہا تھا جو اس سے کوسوں دور، اس سے قطعی لاعلم اپنے کاموں میں گم شاید عشا کی نماز کے بعد گہری نیند سو رہی ہوگی...... گہری اور پُرسکون نیند۔ گاؤں میں تو ویسے ہی رات جلدی ہوجاتی ہے۔

اس کی نیند چرا کر، اپنا دیوانہ بنا کر وہ سو رہی ہے۔

چیئر پر بیٹھ کر سامنے ٹانگیں پھیلا لیں، پشت پر سر ٹکا کر سینے پر ہاتھ رکھے مقامِ دل پر موبائل رکھا تھا۔ یہ موبائل اسے عزیز تر ہوگیا تھا۔ اس میں بے قرار دل کا قرار تھا۔

آسمان پر پورا چاند تھا۔ پورے چاند کی سحر انگیز روشنی لان میں پھیلی تھی۔ ایک سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔

زیرِ لب مسکرا دیا۔ آنکھیں بند کیں۔ وہ دشمنِ جاں سامنے تھی۔

اسے دیکھے گیا۔

ٹریکٹر چلاتے......

پھولوں سے کھیلتے......

کھیتوں میں چلتے...... سامنے کھڑے مسکراتے۔

محبت یوں بھی ہوتی ہے...... بھلا؟

"زریاب...... زریاب!" آواز پر وہ چونکا۔ آنکھیں کھول دیں۔ سامنے زرینہ چچی کھڑی تھیں۔

"جی۔" ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

"کہاں گم ہو؟" وہ سامنے آ بیٹھیں۔ "کل تمہاری فلائٹ ہے تم نے بتایا نہیں۔ وہ تو بھابی کا فون

آیا تو پتا چلا۔"
"بس یاد نہیں رہا، حارث کو بتایا تھا۔"
"بھابی بتا رہی تھیں کہ جس کام کے لیے آیا ہے وہ کام ہو گیا۔"
"کام۔" وہ چونکا اور پھر مسکرا دیا۔ اسے ماں کا حکم یاد آ گیا تھا۔
"جی!"
"تو تم نے بتایا نہیں انہیں۔"
"موقع نہیں ملا، جا کر بتا دوں گا۔ انہوں نے بہت سے کام کہے تھے، کچھ چیزیں بھی لانی تھیں تو وہ لے لیں۔"
"بھئی تمہاری شادی کے سلسلے میں لڑکیاں دکھانے کے لیے کہا ہے، تم خاندان کی لڑکیاں دیکھو۔ ماشاء اللہ سب پڑھی لکھی، تعلیم یافتہ، سمجھدار، سلجھی ہوئی ہیں۔"
"جی۔" وہ مؤدب ہو کر بیٹھا۔
"پھر تم نے کسی کو منتخب کیا؟"
"دراصل میں اتنا مصروف تھا کہ اس طرف دھیان بھی نہیں گیا۔ اگلی دفعہ سہی۔"
"ہوں...... تم منتخب کر لیتے تو اچھا تھا، ایسا نہ ہو اگلی بار سب کے رشتے طے ہو چکے ہوں۔ بھابی پریشان ہیں کہ تم خاندان کی ہی لڑکی منتخب کرو اور میں تمہاری مدد کروں۔" انہوں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو میں خود سے تمہیں دیتی۔ تم مجھے بہت پسند ہو بیٹا۔" وہ مسکرائیں۔ "اللہ نے بس تین بیٹے دیے ہیں، اس کا شکر ہے مالک۔"
"جی آنٹی!" زریاب سر ہلا کر رہ گیا۔
"ملائکہ، زینی، زینب، عینی، زرین، مایا، آیت، تعبیر میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لو۔ گل، ندا، ہما اور مہک کی تو منگنی ہو گئی ہے۔"
"جی...... جی۔ مگر میرا ابھی شادی کا ارادہ نہیں ہے اور جو فیصلہ ہو گا ماما کا ہو گا۔"
"تم پسند تو کر لو، باقی سب بھابی ہی کریں گی۔" وہ مسکرائیں۔

"چچی، میں نے کسی کو اس نظر سے دیکھا نہیں ہے ابھی۔"
"تو پھر ایسا کرو تم ملائکہ کا انتخاب کر لو میرے کہنے پر۔ وہ اچھی، سمجھدار، سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ بی بی اے کر رہی ہے۔"
"ابھی نہیں چچی، آئندہ سہی۔" وہ مسکرایا۔
"چلو آئندہ ہی سہی۔ اگر خاندان میں کرنا ہے تو ملائکہ تمہارے لیے مناسب رہے گی۔"
"دھیرے سے سر اٹھایا۔ وہ منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔
"میں سوچوں گا۔"
"ٹھیک ہے۔ اچھا کچھ کھاؤ گے؟"
"نہیں...... بس اگر کافی مل جائے تو......!"
"ابھی بھجواتی ہوں، شاید حارث بنا رہا ہے۔" وہ جانے کے لیے کھڑی ہوئیں پھر جاتے جاتے کیا ہوا اس کے قریب آ کر رکیں، اس کا شانہ تھپتھپایا۔
"ملائکہ مجھے بہت عزیز ہے، صرف بھتیجی نہیں میری بیٹی ہے، تم اس کے لیے ضرور سوچنا۔"
زریاب نے دھیرے سے سر ہلایا۔ وہ شانہ دبا کر اندر کی جانب بڑھ گئیں۔ وہ انہیں جاتے دیکھتا رہا۔
"ملائکہ کیوں...... عائشہ کیوں نہیں؟ وہ بھی تو اسی خاندان کی بیٹی ہے۔ بہترین خانہ دار، بہترین امورنگران۔"
نگاہ گھمائی، سیل نکالا، آن کیا۔ سامنے اس کے پیچھے کھڑی حارث کی بات کا جواب دیتی عائشہ تھی۔ اسے دیکھ کر ایک سکون سارگ جاں میں پھیل رہا تھا۔
اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔
"زریاب۔" سنجیدہ سی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔ سامنے ملائکہ تھی۔
سیل آف کیا۔
"آؤ، خیریت اس وقت جاگ رہی ہو؟" وہ اس کی نظروں کا مفہوم نہیں سمجھا۔ چیئر کھینچ کر سامنے کی۔
"اتنا اجنبی سمجھا، بتایا بھی نہیں کہ تم جا رہے ہو کل۔" آنکھیں اسی پر مرتکز تھیں اور زریاب کوئی کمسن

نہیں تھا۔
''ہاں، بس معروف رہا۔'' سر کھجایا۔
''زریاب، اگر میں تم سے کہوں میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں تو...... تم کیا کہو گے؟'' محبت آنکھوں سے نکل کر لفظوں کی صورت اس کے گرد ٹھہر گئی۔
زریاب گڑبڑا گیا۔
''پلیز زریاب، انکار مت کرنا'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
زریاب سیدھا ہوا۔
''تم نے مجھے بہت متاثر کیا ہے، تم سب سے مختلف ہو۔'' وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔
''پلیز ملائکہ!'' ہاتھ اٹھایا۔ ''یہ میرا نہیں مما کا فیصلہ، ان کی مرضی ہے۔''
''تم ان کو بتا تو سکتے ہوناں، میرا نام لے دو، کس بات کی کمی ہے میرے اندر۔'' دھیرے سے کرسی پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔
زریاب جھک گیا، سر اٹھایا۔
حیا، تقدس، پاکیزگی کی کمی ہے۔
''امیر، پڑھی لکھی، ساتھ ہی تمہارے خاندان کی ہوں۔''
''پلیز، میں نے اس بارے میں ابھی کچھ نہیں سوچا۔ مجھے میرا کیریئر عزیز ہے۔''
''اب تو سوچ سکتے ہوناں۔'' ملتجی سا انداز تھا۔
زریاب نے سر گھمالیا۔
اسے ملائکہ پر ترس آیا مگر دل فیصلہ کر چکا تھا اور اگر دل فیصلہ نہیں بھی کرتا تو ملائکہ اس کا انتخاب نہیں ہوتی۔
ماڈرن ازم کا شکار آج کل کی لڑکیاں ہوتی جارہی ہیں۔ ان کے اندر سے حیا، پاکیزگی اور تقدس ختم ہورہا تھا، بے جا بولڈ ہورہی ہیں، اسلامی اقدار کا لحاظ نہ پاسداری، لباس، لہجہ، انداز سب بے باکانہ۔
یہ سب تو وہ امریکا میں بھی دیکھتا رہتا ہے اور ان چیزوں سے دور بھاگتا تھا۔ پاپا کی روح اس میں سرایت کر گئی تھی۔ وہ ماں کا مشرقی بیٹا تھا تو پھر وہ ایسا فیصلہ کیسے کر لیتا جس میں دل راضی نہ ہو۔

حارث آگیا کافی کے دو مگ، کچھ اسنیکس لے کر۔
ملائکہ اٹھ گئی اس کا ہاتھ دبا کر خاموش سگنل دے کر اور آنکھوں کے آنسو رخساروں پر گرا کر۔
زریاب نے نظریں چرالیں۔
نظریں چرانے میں ہی بچت تھی۔
رات کے اس پہر چاندنی رات، مُسک ہوا اور حارث کی کافی...... اسے مزہ آیا۔ دونوں نے دھیمے سُروں میں گانے گائے۔ عبداللہ اپنے مستقبل کے متعلق باتیں کرتا رہا۔ اگلی صبح زریاب چلا گیا۔
ملائکہ حسرت بھری نگاہوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ اقرار یا کوئی پیغام محبت ان آنکھوں میں نہ تھا۔
زرین دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے روم میں لے آئی۔
''وہ تمہارے لیے نہیں ہے، وہ امریکا میں ہی شادی کرے گا ملائکہ، باہر رہنے والوں کو بھلا اپنے ملک، اپنے خاندان کی لڑکیاں کب اٹریکٹ کرتی ہیں۔''
ملائکہ سسک کر رودی۔
زرین سوائے تسلی کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

دل کو بہلانے کے لیے وہ زریاب کے کمرے میں آگئی جہاں وہ پندرہ دن رہ کر گیا تھا۔ اس کی خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھی۔
ریک میں کچھ کتابیں رکھی تھیں، ناول سامنے صوفے پر پھیلا تھا، کمفرٹر بیڈ پر تھا۔
زریاب کا پیکر نظروں کے سامنے۔
بھیگی آنکھوں سے اِدھر اُدھر گھومتی رہی، چیزیں دیکھتی رہی۔ الماری کھول کر ایسے ہی دراز کھولی، دو کتابیں پڑی تھیں، انہیں یونہی اٹھالیا اور...... دوسرے ہی لمحے چونکی۔ اس کے نیچے موبائل رکھا تھا۔
''زریاب کا موبائل......'' وہ چونکی۔
اسے اٹھایا، اس کا دل خوش ہوگیا، آن کیا۔ اسکرین پر زریاب کی مسکراتی ہوئی تصویر دل میں اتر گئی۔ بے اختیار اٹھایا اور اپنے کمرے میں آگئی۔

اختتامی حصہ ان شاء اللہ اگلے ماہ

جواب

انیلا شہزاد

Digest
Novels
Lovers
Group ❤❤

اعجاز صاحب کی وفات کو دس دن گزر چکے تھے، صبا روزانہ نیند کی گولی لے کر سوتی تھی۔ اگرچہ دن بھی اس کا کھویا کھویا گزرتا اور میں اسے کھانا زبردستی کھلاتی تھی۔ مگر رات کو نیند نہ جانے کہاں کھو جاتی۔ میں نے اس کی اس حالت کو ڈاکٹر بلال سے ڈسکس کیا تو انہوں نے کہا کہ ”اتنے دن مسلسل طبعی نیند نہ آنا کوئی معمولی بات نہیں، ہوسکتا ہے کہ صبا کے ذہن میں کوئی خاص بات ہو یا وہ اپنے انکل سے اتنی زیادہ قریب تھی۔ ان کی ذات سے

متعلق کوئی بات اسے پریشان کرتی ہو۔ کیا آپ نے اس سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی؟''

''نہیں۔'' میں نے جواب دیا جو بمشکل ڈاکٹر بلال کے کانوں تک پہنچا۔

''دیکھیں مسز راحیل، آپ صبا سے اس سلسلے میں بات کریں اگر کوئی حل نکلتا ہے تو ٹھیک ورنہ صبا کو کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھانا پڑے گا۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر بلال چل پڑے۔

میں اعجاز صاحب کا ذکر صبا سے دانستہ نہیں کر رہی تھی۔ ویسے بھی اس ذکر سے بچنا چاہتی تھی کیونکہ میں اس راز کے کھلنے سے ڈرتی تھی جو میرے راحیل اور اعجاز کے درمیان تھا۔ مجھے معلوم تھا جو بھی الجھن ہے اس کا سرا کہیں نہ کہیں ماضی سے جا کر ملتا تھا۔ اب سوال صبا کی صحت اور زندگی کا تھا کیونکہ ڈاکٹر بلال نے چلتے وقت کہا تھا کہ اگر سلسلہ اسی طرح رہا تو صبا کو ذہنی مسائل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ میں سخت کشمکش میں تھی بالآخر میں نے صبا سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

''صبا بیٹا طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک......'' صبا نے مختصر سا جواب دیا۔

''اچھا آؤ ناشتا کریں، مجھے تم سے کوئی بات کرنی ہے۔'' میرے اصرار پر اس نے صرف چائے پی اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''دیکھو صبا پچھلے سال ہی تمہارے پاپا کی ڈیتھ ہوئی اتنا اثر تو تم نے تب بھی نہیں لیا تھا، بے شک تم بہت سے دن مضطرب اور بے چین رہی تھیں اور کھانا پینا بھی چھوڑ دیا تھا مگر آہستہ، آہستہ زندگی کی طرف لوٹ آئی تھیں مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ تم نے اپنے انکل کی وفات کا بہت اثر لیا ہے۔'' صبا نے حیرانی سے مجھے دیکھا کیونکہ میرے منہ سے اعجاز صاحب کا ذکر سننا اس کے لیے حیرانی کا باعث ہی تھا۔

''بیٹا جب باپ جیسے رشتے کا دکھ برداشت کر سکتی ہو تو یہ تو پھر تمہارے پاپا کے دوست تھے چونکہ دنیا میں کوئی نہیں تھا اس لیے تمہارے پاپا نے انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔''

''مما......'' بالآخر صبا بولی۔

''یہی بات تو مجھے بے چین کرتی ہے کہ پاپا سے تو میرا ظاہر ہے رشتہ تھا مگر انکل اعجاز نے مجھے باپ سے بھی بڑھ کر چاہا میری ہر بات، ہر خواہش کو انہوں نے حکم کا درجہ دیا، مجھے روتا دیکھ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ اگر پاپا کبھی میری کوئی فرمائش پوری کرنا بھول جاتے تو انکل اسی وقت میری فرمائش پوری کر دیتے تھے۔'' کہتے، کہتے وہ بلک، بلک کر رونے لگی۔

''مما میں پاگل ہو جاؤں گی، آخر میں ان کی کیا لگتی تھی' میرا ان سے کیا رشتہ تھا یہی بات یہی سوال میری نیند اڑا دیتا ہے، آخر انکل مجھے اتنا پیار کیوں کرتے تھے۔''

مجھ سے اپنی بیٹی کی حالت دیکھی نہ گئی یہی لمحہ تھا جب میں نے صبا کی دوست حنا کو فون کر کے اسے آنے کا کہا جب حنا آگئی تو ان دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر میں اپنے کمرے میں آگئی اور وہ دکھ جو میرے راحیل اور اعجاز صاحب کے درمیان تھا قلم کے ذریعے کاغذ پر منتقل ہونے لگا۔

''میں نے ہوش سنبھالتے ہی بھیا اور بھابی کو ماں، باپ کے روپ میں دیکھا۔ میری پیدائش بھیا کے اٹھارہ سال بعد ہوئی تھی میری پیدائش کے موقع پر امی کو اچانک یرقان ہو گیا اور ڈاکٹر ان کی زندگی نہ بچا سکے اور میں بھیا اور بھابی کی آغوش میں پلنے لگی۔ بھیا کی شادی امی کی زندگی میں ہوگئی تھی ابو کو امی سے بہت محبت تھی، وہ یہ دکھ برداشت نہ کر سکے اور امی کی وفات کے دو سال بعد وہ بھی خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ بھیا کے اولاد نہیں تھی یوں میں ان کی اولاد کی طرح پروان چڑھنے لگی زندگی میں کوئی کمی نہ تھی۔ میں بی اے میں تھی جب بھیا نے اپنے دوست وقار صاحب اور ان کے بیٹے راحیل کی خواہش پر میری منگنی راحیل سے کر دی اور شادی ایک سال بعد ہونا قرار پائی۔ راحیل کی مما نے راحیل کے پاپا سے طلاق لے لی تھی اور راحیل اپنے پاپا کے پاس تھا۔ راحیل کبھی، کبھی آنے لگا میرے دل میں بھی اس کی محبت پروان چڑھنے لگی۔ سال بعد میری اور راحیل کی شادی ہوگئی۔ بھیا اور بھابی نے یہاں بھی ماں، باپ ہونے

کا فرض نبھایا۔ میری رخصتی پر وہ دونوں افسردہ تھے مگر رسمِ دنیا تو نبھانی پڑتی ہے۔ شادی کے بعد راحیل کی محبت کا اندازہ ہوا تو میں بھی راحیل کو ٹوٹ کر چاہنے لگی، ایک منٹ کی دوری بھی ہمیں گراں گزرتی۔ شادی کو پانچ سال بیت گئے اور ہم اولاد کی نعمت سے محروم تھے مگر ایک دوسرے کی محبت میں سرشار تھے۔ وقار صاحب پوتا کھلانے کی آرزو لیے اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ اچانک راحیل پر باہر جانے کا بھوت ایسا سوار ہوا کہ ایک دن راحیل نے مجھے کہا کہ ٹھیک پندرہ دن بعد ہم کینیڈا میں ہوں گے۔ وہ تمام انتظامات کر چکا تھا۔ مجھے بھیا اور بھابی سے جدائی کا دکھ تھا مگر بھیا اور بھابی نے یہاں بھی والدین والا حق ادا کیا اور کہا کہ شوہر کی خواہش کا احترام کرو، ہم سمجھیں گے کہ ہم نے تمہیں آج ہی رخصت کیا ہے۔ یوں ہم جلد ہی کینیڈا آگئے۔ یہاں راحیل کی ملاقات اعجاز سے ہوئی یہ ملاقات جلد ہی گہری دوستی میں بدل گئی، اعجاز بہت نیک اور دوسروں کے کام آنے والا آدمی تھا۔ میری بہت عزت کرتا تھا۔ راحیل پر جلد ہی یہاں کے ماحول کا اثر ہونا شروع ہو گیا۔ پہلے تو وہ رات کو گھر دیر سے آنے لگا اور آہستہ آہستہ نائٹ پارٹیز میں پوری رات گزار دیتا، صبح بری حالت میں گھر آتا۔ میرے پوچھنے پر ناراض ہوتا اور یوں ہمارے درمیان لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔

ان حالات کا ذکر میں نے بھیا اور بھابی سے نہیں کیا۔ اعجاز کو بھی راحیل کی بدلتی روش کا پتا چل گیا اور انہوں نے مجھے کہا کہ بھابی آپ راحیل کو سمجھائیں کہیں یہ اور بھی اخلاق باختہ سرگرمیوں نہ ملوث ہو جائے اور ایک رات وہ ہو گیا جو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ راحیل حسبِ معمول رات کو دیر سے ڈرنک کر کے آیا میرے پوچھنے پر ناراض ہونے لگا۔

”تم کون ہوتی ہو مجھ سے یہ سب پوچھنے والی؟“

”میں آپ کی بیوی ہوں اور آپ سے پوچھنے کا حق رکھتی ہوں۔“ میں نے کہا۔

”کون سا حق، کیسا حق...... لو میں آج تمہارے سارے حق ختم کرتا ہوں۔ میں تمہیں اسی وقت طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں۔“ الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ جو

نذرِ حسینؓ

سر کو کٹا کے دیں کو بچایا حسینؓ نے
یوں ریتِ کربلا کو سجایا حسینؓ نے
بد بخت تھا یزید، کچھ نہ سمجھ سکا
بارہا امن کی جانب بلایا حسینؓ نے
لاشے اٹھا اٹھا کے نہ تھکتے تھے میرے شاہ
لاشے اٹھائے، صبر کو پایا حسینؓ نے
سر جو کٹا حسینؓ کا، روئی بہت سکینہ
بابا تو تیرے ساتھ ہے، فرمایا حسینؓ نے
تیری رضا یہی ہے تو راضی ہوں میرے رب
یوں لاشۂ علی اصغر، اٹھایا حسینؓ نے
کرب و بلا کی ریت پہ سب کچھ لٹا دیا
بس نعرۂ تکبیر لگایا حسینؓ نے

شاعرہ: رفعت انجم، راولپنڈی

راحیل نے میرے کانوں میں انڈیلا تھا۔ میں بے حس و حرکت بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ ہوش آیا تو دیکھا راحیل جو پہلے ہی نشے میں دُھت تھا بے خبر سو رہا تھا۔ میں فوراً دوسرے کمرے میں آگئی ساری اپنی بربادی پر آنسو بہاتی رہی۔

صبح راحیل نے اس بات کا ذکر اعجاز سے کیا راحیل کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ دونوں ایک مولانا صاحب کے پاس گئے انہوں نے کہا کہ طلاق تو ہو گئی اگرچہ نشے میں ہی دی ہو۔ دو تین اور مولویوں کے پاس بھی گئے مگر سب کا ایک ہی بیان تھا کہ طلاق تو ہو گئی ہے اور اب بغیر حلالہ کیے تمہاری مطلقہ بیوی تمہاری زوجیت میں نہیں آسکتی۔

میں نے بھیا کو ساری صورت حال بتائی وہ انتہائی پریشان ہوئے اور جلد ہی پہنچنے کا ارادہ کیا۔ اعجاز اور ہمارا گھر پاس، پاس ہی تھا میں اعجاز کے گھر آکے عدت کے دن پورے کرنے لگی اور اعجاز، راحیل کے ساتھ ان

کے فلیٹ میں رہنے لگا۔ اعجاز دروازہ بجا کر آتے اور اشیائے خورونوش اُنھیں دے جاتے۔ میں چونکہ عدت میں تھی اسی لیے سامنے نہیں آتی سامان رکھ کر وہ چپ چاپ چلے جاتے۔ آخر عدت کے دن ختم ہوگئے۔ بھیا کا فون آیا کہ وہ پرسوں کی فلائٹ سے پہنچ رہے ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ میں واپس پاکستان چلی جاؤں گی۔ مگر ہونی ہو کر رہتی ہے جس فلائٹ سے بھیا اور بھابی آرہے تھے وہ حادثے کا شکار ہوگئی۔ یوں میں بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی۔ راحیل کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس تھا اور میں سخت پریشان کہ اب میرا کیا ہوگا...... ایک دن راحیل نے مجھ سے ملنے کی خواہش کی۔ وہ ایک مولوی صاحب کو بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ انہیں سارے حالات کا علم تھا۔ مولانا صاحب نے مجھ سے کہا۔

”بیٹی اگرچہ حلال چیزوں میں طلاق اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اگر کوئی نادانی میں ایسی حرکت کر بیٹھے اور سچے دل سے توبہ کر کے دوبارہ وہی رشتہ استوار کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ نے حلالہ ایسی شرط رکھی ہے جس کے پورا کرنے سے بیوی دوبارہ اپنے پہلے شوہر کی زوجیت میں جاسکتی ہے۔ پھر مولانا صاحب نے حلالہ سے متعلق ساری باتوں کی وضاحت کی۔

مجھے راحیل سے بہت محبت تھی راحیل بھی سچے دل سے مجھے دوبارہ اپنانے کے خواہاں تھے اگر مجھے کسی دنیاوی سہارے کا ساتھ ہوتا تو پھر میں شاید یہ سب کچھ نہ کرتی مسئلہ پوری زندگی کا تھا چنانچہ راحیل نے اعجاز سے بات کی تو تھوڑے تذبذب کے بعد وہ راضی ہوگئے۔ کیونکہ انہیں میرے سارے حالات کا علم تھا۔ چنانچہ وہ میرے ساتھ نکاح اور بعد میں طلاق دینے پر راضی ہوگئے۔

یوں اس طرح میرا نکاح اعجاز صاحب سے ہوگیا۔ ان ہی مولانا صاحب نے خاموشی سے نکاح پڑھایا۔ نکاح کے تین ماہ بعد اسی خاموشی سے اعجاز نے مجھے طلاق دے دی تاکہ راحیل اور میرا ملن اسلام کی رو سے دوبارہ ہوسکے۔

دورانِ عدت مجھے معلوم ہوا کہ میں ماں بننے والی ہوں یہ بچہ اگر راحیل کا ہوتا تو مجھے بہت خوشی ہوتی... بہرکیف تمہاری پیدائش کے بعد میرا نکاح دوبارہ راحیل سے ہوا۔ اب میں راحیل سے بہت محتاط گفتگو کرتی تاکہ اب کوئی اور زخم نہ ملے۔ طلاق کے بعد میں اعجاز صاحب کے سامنے کبھی نہ گئی، تم اعجاز صاحب کو بہت پیاری تھیں، تم میں میری، راحیل اور اعجاز کی جان تھی۔ ہم اعجاز صاحب کے ممنون تھے جن کی نیکی کی وجہ سے راحیل اور میرا دوبارہ ملن ہوا تھا۔ ہمارا دل کینیڈا سے اکتا گیا اور ہم جلد ہی پاکستان واپس آگئے۔ اعجاز صاحب نے راحیل سے کہا کہ وہ اپنی بیٹی کے بغیر نہیں رہ سکیں گے یوں وہ بھی ہمارے ساتھ ہی پاکستان آگئے اور انیکسی میں رہنے لگے۔ یوں تم اعجاز صاحب کی بیٹی ہو کر بھی صبا راحیل کے نام سے پروان چڑھنے لگیں۔ اور ہم تینوں نے تہیہ کرلیا کہ یہ راز ہمیشہ راز ہی رہے گا۔ ہاں صبا تم اعجاز صاحب کی بیٹی ہو، اس لیے وہ تم سے اتنی شدید محبت کرتے تھے انہوں نے شادی نہیں کی کہ کہیں تم اُن سے دور نہ ہوجاؤ۔ صبا میری جان اب تم ہی فیصلہ کرو غلطی کس کی تھی۔ کسی کی بھی نہیں کیونکہ یہ سب کچھ ہونا تقدیر میں لکھا تھا۔ خود اعجاز صاحب بھی اس حق میں تھے کہ تمہیں حقیقت کبھی نہ بتائی جائے اب بھی مسئلہ اگر تمہاری صحت اور زندگی کا نہیں ہوتا تو یہ راز، راز ہی رہتا ہو سکے تو ہمیں معاف کردینا۔“

جب میں نے قلم بند کیا تو میرا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا میں نے منہ صاف کیا اور باہر نکل آئی۔ حنا جا چکی تھی شام کا ملگجا اندھیرا رات کا روپ دھارنے کو بالکل تیار کھڑا تھا۔ میں نے صبا کو بلا کر کاپی صبا کے حوالے کی اور کہا کہ تمہیں تمہارے ہر سوال کا جواب اس تحریر میں مل جائے گا اور خود کمرے سے باہر نکل آئی۔ دو گھنٹے بعد میں صبا کو نیند کی گولی دینے گئی تو کاپی سینے پر رکھے وہ گہری نیند سو رہی تھی اس کے چہرے پر گہرا سکون تھا۔ میری تحریر کے نیچے اس نے لکھا تھا کہ کسی کا کوئی قصور نہیں۔ حنا کو اپنے اور مجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ میں مطمئن ہو کر سونے کے لیے لیٹ گئی۔ اب ہم دونوں کو نیند کی گولی کی ضرورت نہیں تھی۔

❀❀❀

اک کاش

نگہت اعظمی

مایوں کی ساری تیاریاں مکمل تھیں۔ رمشا کا زرد اور ہرا سوٹ بھی استری کر کے ہینگر پر لٹکا دیا گیا تھا۔ مہندی لگانے والی لڑکیاں بھی اپنے کاموں میں مشغول تھیں۔ رمشا کے مہندی لگ چکی تھی اب خاندان کی دوسری لڑکیاں اور رمشا کی دوستیں مہندی سے ہاتھوں پر نقش ونگار بنوا رہی تھیں۔ مایوں کی تقریب کا اہتمام گھر میں ہی کیا گیا تھا۔ اس لیے ٹی وی لاؤنج کو رمشا کی سہیلیوں نے بڑے ہی آرٹسٹک انداز میں سجایا تھا۔ چنیوٹی طرز کے جھولے کے چاروں طرف گیندے کے پھولوں کی لڑیاں لٹکائی گئی تھیں۔ جس پر مایوں کی رسم ہونی تھی۔ جھولے کی پشت پر گلاس ڈور تھا۔ اس پر زرد اور ہرے شیفون کے دوپٹوں کو پردوں کی صورت

دے کر اور ان پر فیری لائٹس لگا کر اسے بے حد خوب صورت بنایا گیا تھا۔ لاؤنج میں جگہ، جگہ گلدانوں میں گیندے اور موتیا کے پھول اور ہری فیری لائٹس لگائی گئی تھیں۔ انہوں نے پھر سے لاؤنج کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر رمشا کے بیڈ روم میں آ گئیں جہاں رمشا اپنی دوست ہانیہ کے ساتھ میٹھی باتیں کرتے ہوئے ہنس رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے شمار رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ گھر کے عام سے لان کے سوٹ میں بھی اس کا چہرہ خوشی و مسرت کے.... بے پایاں احساس سے چاند کی طرح جگمگا رہا تھا۔

"خدا... اسے ہمیشہ اسی طرح ہنستا مسکراتا رکھے۔ اس کی خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔ خدا اسے ہر غم اور دکھ سے محفوظ رکھے۔" انہوں نے دل ہی دل میں اس کے چہرے کی بلائیں لیتے ہوئے دعا کی۔

وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور شادی کے پورے آٹھ سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے صرف ماں، باپ ہی نہیں بلکہ پورے خاندان کی لاڈلی اور چہیتی تھی۔ ددھیال میں سارے چچا، تایا اور پھپیاں جان چھڑکتے تھے تو ننھیال میں ساری خالاؤں، ماموؤں اور ممانیوں کی آنکھ کا تارہ تھی۔ ان کے میکے کے مقابلے میں سسرال بہت بڑا تھا۔ میکے میں ایک سگا بھائی اور دو سوتیلے بھائی اور دو سوتیلی بہنیں تھیں جبکہ سسرال میں ان کے شوہر سمیت پانچ بھائی اور چار بہنیں تھیں۔ ان کی سگی ماں کا ان کے بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ جب وہ اتنی کم عمر تھیں کہ ماں کے بارے میں ان کی یادیں بہت دھندلی تھیں۔ اپنی ماں کے بارے میں انہوں نے ہوش سنبھالنے کے بعد یہی سنا تھا کہ ان کا دماغی توازن صحیح نہیں تھا اور شادی کے وقت ان کے باپ اور سسرال والوں سے یہ بات چھپائی گئی تھی۔ دو بچوں کی پیدائش کے بعد وہ ہوش و حواس سے بالکل ہی بیگانہ ہو گئی تھیں گھر اور بچے تو دور کی بات انہیں اپنا ہوش تک نہیں تھا۔ سارا، سارا دن اپنے آپ سے باتیں کرتی رہتیں۔ کھانے کے وقت زبردستی کھانا کھلا دیا جاتا تو کھا لیتیں ورنہ بھوکی بیٹھی رہتیں۔ پانی سے اتنا ڈرتی تھیں کہ ان کا منہ ہاتھ دھلانا ان کو نہلانا ایک اچھا خاصا مشکل مرحلہ ہوتا۔

ان کے والد ایک بے حد خاندانی اور شریف انسان تھے انہوں نے حتی الامکان بیوی سے نبھا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن پھر ماں اور بہنوں کے مجبور کرنے پر انہیں ان کے ماں، باپ کے گھر بھجوا دیا اور خود دوسری شادی کر لی۔ دوسری بیوی سے تین بچے ہوئے وہ چونکہ بھری سسرال میں بیاہ کر آئی تھیں اس لیے بچوں کے ساتھ روایتی سوتیلی ماں کا تو سلوک نہیں کر سکیں لیکن سگی ماں جیسا پیار بھی نہ دے سکیں جس کی وجہ سے بچوں کی شخصیتیں باقی بچوں کے مقابلے میں دب کر رہ گئیں۔ ان کے میٹرک کرتے ہی بڑی پھوپی نے اپنے دوسرے نمبر کے بیٹے کا رشتہ دیا اور وہ سترہ سال کی عمر میں شادی ہو کر پھوپی کے گھر آ گئیں۔

ان کے سسرال میں ان دونوں کے علاوہ ایک جیٹھ، جیٹھانی ان کے تین بچے...... تین دیور اور تین نندیں تھیں۔ ایک نند کی شادی ہو چکی تھی۔ ان کے سسر سرکاری ملازم تھے۔ ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد جیٹھ بھی اسی محکمے میں بھرتی ہو گئے تھے۔ چھوٹے تینوں دیور پڑھ رہے تھے۔ دو نندیں میٹرک کر کے گھر میں سلائی کا کام کرتی تھیں۔ سب سے چھوٹی نند پڑھ رہی تھی۔ ان کے شوہر کچھ عرصہ سعودی عرب میں رہ کر آئے تھے۔ یہاں آ کر بھی انہیں ایک پرائیویٹ ادارے میں اچھی نوکری مل گئی تھی۔ پھر انہوں نے اپنے باپ کو ایک چھوٹا سا جنرل اسٹور سیٹ کر کے دے دیا تھا اسی لیے گھر کے زیادہ تر اخراجات وہی اٹھاتے تھے۔ ان کے سسرال میں بہت زیادہ خوشحالی تو نہیں تھی لیکن سب لوگ بہت پیار و محبت سے رہتے تھے وہ سب لوگ بے حد خوش مزاج اور خوش رہنے والے لوگ تھے وہ خود بے حد خوب صورت تھیں لیکن ان کی سسرال میں زیادہ تر لوگ سانولے اور فربہی مائل جسموں کے مالک تھے۔ تینوں نندوں کے رشتوں میں بھی اسی لیے مسئلے پیدا ہو رہے تھے کہ لڑکیاں سانولی اور خاصی بھاری بھرکم تھیں۔ انہوں نے ساری زندگی کبھی کسی سے اپنی ماں

کے بارے میں کوئی قابلِ تعریف بات نہیں سنی تھی بلکہ اپنے پورے ددھیال والوں سے ہمیشہ ننھیال والوں کے خلاف لعن طعن سنتی رہیں کہ انہوں نے ہمیں دھوکا دے کر اپنی پاگل لڑکی ہمارے حوالے کر دی۔ لیکن ان کے باپ کی یہ شرافت تھی کہ انہوں نے کبھی اپنی بیوی کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔ اور جب انہیں ان کے میکے بھجوا دیا تو ان کا ماہانہ خرچہ بہت پابندی سے بھجواتے رہے حالانکہ ان کی ننھیال والے بہت خوشحال تھے وہ ان کے باپ سے پیسے لینا نہیں چاہتے تھے' وہ ان کی مخالفت کے باوجود اپنی بیوی کا ماہانہ خرچہ بھجواتے رہے۔ اس کے علاوہ سال میں دو دفعہ بچوں کو ماں کے پاس ننھیال بھی بھیجتے۔ اس میں شک نہیں تھا کہ ننھیال والے بچوں سے بہت پیار کرتے تھے لیکن باپ اور ان کے گھر والوں کو ہزاروں باتیں بھی سناتے اور ان سے کرید، کرید کر پوچھتے کہ ان کی سوتیلی ماں کا سلوک ان کے ساتھ کیسا ہے' وہ ان کے ساتھ زیادتی تو نہیں کرتیں۔ وہ عمر کے اس حصے میں تھیں جہاں ان کے ذہن میں صحیح اور غلط کا کوئی واضح تصور نہیں تھا وہ ننھیال والوں کی باتیں سنتیں تو انہیں وہ لوگ صحیح لگتے جن کا یہ کہنا تھا کہ ان کی ماں پاگل نہیں تھی اسے ان کے شوہر اور سسرال والوں نے پاگل بنا دیا تو انہیں ددھیال والوں سے نفرت ہونے لگتی اور جب ددھیال والے کہتے کہ ان کے ننھیال والوں نے ان کے ساتھ دھوکا کیا تو انہیں ننھیال والے برے لگنے لگتے۔ انہیں ماں کی حالت دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی۔ انہیں اپنے باپ سے بہت محبت تھی لیکن کبھی کبھار انہیں اپنے باپ سے نفرت ہونے لگتی۔ خاندان کے لوگوں کی باتوں اور رویّوں نے انہیں ڈری سہمی اور خود اعتمادی سے محروم بچی بنا دیا جس کے اندر حسد اور نفرت کے ایسے جذبے پنپ رہے تھے کہ وہ جب کسی کو ہنستا مسکراتا خوش دیکھتیں تو ان کا دل چاہتا کہ وہ اس چہرے سے خوشی کو نوچ کر اسے غم زدہ بنا دیں۔

جب وہ شادی ہو کر سسرال میں آئیں تو خاموش رہ کر کام کرنے کی عادت نے نہ صرف شوہر کو ان کا گرویدہ بنا دیا بلکہ سسرال کا ہر فرد ان کے گُن گانے لگا۔ زندگی کی اس تبدیلی نے ان کی شخصیت پر یہ اثر ڈالا کہ ان کو نیک بننے اور نیک کہلانے کا شوق پیدا ہو گیا پھر وہ بظاہر اتنی نیک بن گئیں کہ باقاعدہ ان کی مثالیں دی جانے لگیں۔

وہ باپ کے گھر جاتیں تو سوتیلے بھائی بہنوں کا بھی سگی بہن کی طرح خیال رکھتیں جس کی وجہ سے باپ ان سے بے حد پیار کرتے تھے پھر جب شادی کے آٹھ سال بعد ان کے گھر بیٹی پیدا ہوئی تو اس وقت ان کے جیٹھ کے بچے جوانی کی حدود میں قدم رکھ رہے تھے بلکہ چھوٹے دیوروں کے بچے بھی اسکول جانے لگے تھے۔ ان سب بچوں میں جب رمشا آئی تو پورے خاندان کے لیے کھلونا بن گئی۔ ہر فرد اس کے پیچھے، پیچھے پھرتا تھا۔ وہ سب کی آنکھوں کا تارہ تھی۔ اسے ذرا سا بخار بھی ہو جاتا تو سب پریشان ہو جاتے۔ وہ ایک مثالی خاندان تھا۔ جہاں سب ایک دوسرے کے خوشی و غم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ لیکن جب سے رمشا پیدا ہوئی تھی۔ انہیں ان لوگوں کی اتنی محبت اور توجہ سے الجھن ہونے لگی تھی۔ جیٹھ کا بیٹا جو بارہ سال کا تھا۔ اسے گود میں لیتا تو انہیں اچھا نہیں لگتا۔ جیٹھانی اس کے لیے کپڑے سیتیں تو ان کا منہ بن جاتا۔ پھوپیاں اس کے لیے تحفے تحائف لاتیں تو وہ اندیشوں اور وسوسوں میں گھر جاتیں۔ ددھیال والوں کے خلاف کہے گئے ننھیال والوں کے جملے ان کے ذہن میں چکرانے لگتے کہ ”تمہارے ددھیال والے بڑے تیز ہیں بظاہر بڑے نیک پارسا بنتے ہیں لیکن انہیں لوگوں نے تمہاری ماں پر نہ جانے کیا جادو کرایا کہ وہ بیچاری اپنے ہوش و حواس ہی کھو بیٹھی۔“

گھر میں سب سے زیادہ ان کی جیٹھانی رمشا سے پیار کرتی تھیں۔ ان کا بس نہیں چلتا کہ اسے ہر وقت اپنے پاس رکھیں۔ ان کے بچے اب بڑے ہو گئے تھے۔ انہیں یہ گول مٹول گڑیا جیسی بچی بہت پیاری لگتی لیکن جتنا وہ رمشا سے پیار کرتیں اتنا وہ ان کے پیار سے چڑتیں۔ انہوں نے آٹھ سال جس کرب، اذیت

اور محرومی میں گزارے تھے۔ یہ وہی جانتی تھیں۔ وہ جب جیٹھانی کو اپنے بچوں کے ساتھ خوش و خرم ہنستا مسکراتا دیکھتیں تو ان کے سینے پر سانپ لوٹ جاتے پھر جب دیوروں کی شادیوں کے بعد ان کے گھروں میں بچے ہوئے تو ہر دفعہ ان کے اندر بیٹھا ہوا حسد کا سانپ پھن پھیلا کر لہرانے لگتا۔ لیکن وہ بظاہر بے حد خوشی کا اظہار کرتیں۔ آٹھ سال بعد خدا نے ان کی محرومی کا ازالہ رمشا کی صورت میں کیا تو بھی ان کے اندر حسد کا سانپ مرا نہیں تھا بلکہ اتنے سالوں میں.... بے حد طاقتور اور توانا ہو گیا تھا۔ اب بھی انہیں خوشی سے مسکراتے چہرے اچھے نہیں لگتے تھے۔ جب رمشا تین سال کی ہوئی تو اس سے سب سے زیادہ محبت کرنے والی اس کی تائی چند دن بیمار رہ کر دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ پورے خاندان میں کہرام مچ گیا۔ ان کی بڑی بیٹی ثانیہ سترہ سال کی تھی اور دو چھوٹے بیٹے پندرہ اور بارہ سال کے تھے۔ ثانیہ میٹرک کر کے کالج میں آئی تھی پورا گھر آنسوؤں اور سسکیوں میں ڈوب گیا۔ ثانیہ کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ سارا خاندان اس کی دلجوئی میں لگا رہتا لیکن اس طرح ایک دم سے ماں کا چلے جانا اس کے لیے قابلِ برداشت نہیں تھا۔ سب اسے سمجھاتے...... تسلی دیتے وہ کسی سے کچھ نہیں کہتی خاموشی سے سب کو دیکھتی رہتی لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں تھمتے۔

اب تک جہاں سب کی توجہ کا مرکز رمشا تھی۔ اب ثانیہ بن گئی تھی، رمشا کی حیثیت ثانوی ہو گئی تھی۔ پھر خدا کا نظام کہ اس گھرانے میں پانچ بیٹوں کی اولادوں میں صرف دو ہی بیٹیاں تھیں۔ رمشا سے پہلے ثانیہ سب کی لاڈلی اور چہیتی تھی خاص طور پر ان کے میاں عادل، ثانیہ کے دیوانے تھے اور وہ بھی اپنے چاچو کو بہت چاہتی تھی۔ جب وہ چھوٹی تھی تو ان کے آفس سے آنے کے وقت ان کے انتظار میں گھڑی دیکھتی رہتی۔ ذرا سی دیر ہو جاتی تو بار، بار دروازے پر جاتی اور ہر ایک سے پوچھتی۔

”آج عمو کو اتنی دیر کیوں ہو گئی؟“ اور چچا کے آنے کے بعد ان کے گرد پھرتی رہتی اس کی معصوم باتوں اور محبت نے چچا کو بھی اس کا گرویدہ کر دیا تھا۔ وہ جب ماں کے ساتھ اپنی ننھیال رہنے کے لیے جاتی تو وہ بھی بے چین ہو جاتے اور بار، بار اسے یاد کرتے۔ یوں تو وہ بہت نیک، پرہیزگار اور عبادت گزار تھیں لیکن کبھی کبھار انہیں اس معصوم سی بچی سے جیلسی محسوس ہونے لگتی۔ وہ اپنے آپ کو سرزنش بھی کرتیں لیکن اس سے حسد کا جذبہ ان کے دل سے جاتا نہیں تھا۔ اور جب رمشا ان کے گھر میں آئی تب بھی ثانیہ کا چچا سے محبت کا وہی عالم تھا اب وہ جوان ہو رہی تھی لہٰذا اب وہ ان سے فاصلہ رکھ کر بات کرتی لیکن ان کا خیال اسی طرح رکھتی۔ ان کے آفس سے آتے ہی ان کے لیے چائے بنانا، ان سے اپنے اسکول کی باتیں کرنا، ان سے فرمائشیں کرنا لیکن رمشا کے آنے کے بعد وہ چاہتی تھیں کہ جس طرح وہ رمشا کا راگ الاپتی ہیں گھر کا ہر فرد رمشا کا ذکر کرے خاص طور پر ان کے میاں رمشا کے علاوہ کسی اور پر توجہ نہ دیں جبکہ ایسا ممکن ہی نہیں تھا وہ ایک بے حد سمجھدار اور رشتوں کا لحاظ رکھنے والے انسان تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی (رمشا) کے آنے کے بعد بھی ثانیہ کو اگنور نہیں کیا ثانیہ کے ساتھ ان کے رویے میں بال برابر بھی فرق نہیں آیا اور بھاوج کے مرنے کے بعد جب وہ ثانیہ کو اداس اور روتا ہوا دیکھتے تو سب کچھ بھول کر اس کی دلجوئی میں لگ جاتے۔ کبھی اسے گھمانے پھرانے لے جاتے، کبھی اس کی پسند کی چیزیں لاتے۔ کبھی اس سے اس کی ماں کی باتیں سنتے اور یہ سب باتیں ان کی برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھیں۔

☆☆☆

ان کی جیٹھانی کی دوسری برسی کے چند دن بعد ہی ثانیہ کا رشتہ اس کی ماں کی چچا زاد بہن کے بیٹے سے طے ہو گیا۔ ثانیہ ماں کی طرح سانولی اور نازک تھی لیکن اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت اور کشش تھی پھر اس کی عادات و اطوار، تہذیب، سلیقہ، بات کرنے کا دھیما لہجہ اور خدمت گزاری نے اس کی ساس کو ہی نہیں بلکہ ان کے بیٹے فارس کو بھی اس کی طرف متوجہ کر دیا۔

فارس اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوبرو اور تعلیم یافتہ تھا۔ خاندان کی بیشتر لڑکیوں کی ماؤں کی اس پر نظریں تھیں لیکن خاندان کی حسین و جمیل، دولت مند، پڑھی لکھی لڑکیوں کے مقابلے میں فارس اور اس کی ماں نے ثانیہ کا انتخاب کیا جس سے پورے خاندان میں کھلبلی مچ گئی تھی...... جس دن فارس کی والدہ اس کے رشتے کے سلسلے میں گھر آئیں تو بظاہر سب کی طرح انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ لیکن اندر سے ان کے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا۔

digest library.com

''یہ تو بہت خوش قسمت ہے کہ خاندان کا سب سے اچھا لڑکا خدا نے اس کے نصیب میں لکھ دیا۔''

ان کے میاں کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

''فارس بہت اچھا لڑکا ہے۔ پورے خاندان میں دور، دور تک اتنا اچھا لڑکا نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے میری بیٹی بہت خوش رہے گی......'' وہ بار، بار اس قسم کے جملے کہہ کر ان کے اندر کی آگ کو بھڑکا رہے تھے۔ ان کے باپ اور دونوں بہنیں بھی بہت چپ، چپ تھے۔ خاص طور پر ان کی سوتیلی ماں وہ تو چاہ کر بھی خوشی کا اظہار نہیں کر پا رہی تھیں ان کی دونوں بیٹیاں رشتے کے انتظار میں خاصی عمر رسیدہ ہو چکی تھیں۔

''مجھے تو ثانیہ کی ساس بہت تیز لگتی ہیں۔'' انہوں نے کمرے میں آنے کے بعد خواہ مخواہ ہی ایک بے معنی سی بات کی جس میں کوئی حقیقت نہیں تھی۔ وہ جانتی تھیں ثانیہ کی ساس بہت اچھی اور سلجھی ہوئی خاتون ہیں ان کے دو بیٹے اور دو بہویں تھیں اور سب ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ ان کی بہویں ہمیشہ اپنی ساس کی تعریف کرتی تھیں۔

''تم کیسی فضول بات کر رہی ہو......؟ شائستہ باجی تو اپنے نام کی طرح شائستہ اور مہذب ہیں۔ یہ گھرانا تو پورے خاندان میں بے مثل گھرانا ہے۔ سب ہی لوگ پڑھے لکھے اور روشن خیال ہیں۔'' ان کے شوہر نے فوراً ہی ان کی بات کو رد کر دیا۔

وہ چپ ہو گئیں۔ ان کے پاس مزید کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ رشتہ طے ہونے کے چھ ماہ بعد ہی شادی کی تاریخیں طے ہو گئیں۔ ان کے جیٹھ کے گھر کی پہلی شادی تھی دوسرے شہروں اور ملکوں میں بسنے والے رشتے داروں کا بھی آنے کا پروگرام تھا۔ سب کو کارڈز بھجوا دیے گئے۔ فارس کے گھر میں بھی زور و شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اس کے چچا اور پھوپی انگلینڈ میں تھے وہ بھی شادی کے لیے آ رہے تھے کیونکہ فارس گھر میں سب سے چھوٹا تھا کچھ رشتے داروں نے اسلام آباد سے آنا تھا۔ وہ بھی مایوں سے چار دن پہلے پہنچ گئے تھے۔ ثانیہ کے ماموں امریکا سے آ رہے تھے۔ خود ان کے کئی سسرالی رشتے دار انگلینڈ سے مایوں سے ایک دن پہلے پہنچ گئے تھے۔

گھر میں ہر طرف چہل پہل تھی۔ ہر روز کوئی نہ کوئی مہمان آتا اور گھر کی رونق میں اضافہ ہو جاتا۔ مایوں کا انتظام گھر کی چھت پر کیا گیا تھا۔ ثانیہ کے دونوں بھائی تقریب کو بہتر سے بہتر بنانے کی تگ و دو میں اپنے آپ کو بھولے ہوئے تھے۔ ان کے شوہر یعنی ثانیہ کے چچا تو ہر کام میں سب سے آگے تھے۔

''ہر چیز بہترین ہو اور ہر کام بہترین طریقے سے ہونا چاہیے۔ ایسی شادی ہو کہ ہر تقریب کو خاندان والے مدتوں یاد رکھیں۔ اور دیکھو پیسوں کی بالکل فکر نہ کرنا۔ میرا جو کچھ ہے میری ان دونوں بیٹیوں کے لیے ہی تو ہے۔'' وہ ثانیہ کو اپنی بڑی بیٹی کہتے تھے...... رمشا کی پیدائش سے پہلے انہیں ان کا یہ کہنا بالکل برا نہیں لگتا۔ لیکن رمشا کے بعد تو وہ ان کی ثانیہ سے اتنی محبت چڑنے لگی تھیں۔

مایوں کی تاریخ شادی سے دو دن پہلے ہی رکھی گئی تھی۔ مایوں کی تقریب بہت شاندار انداز میں ہوئی۔ لڑکیوں نے خوب گانے گائے، ڈانس کیے، سارے لڑکوں نے فان کلر کے کُرتے اور میرون شالیں اوڑھی تھیں جبکہ لڑکیوں نے زرد رنگ کے ڈریس پر مختلف پرنٹ کے دوپٹے لیے تھے ساری فضا رنگ اور خوشبوؤں میں لپٹی ہوئی تھی۔ ثانیہ بھی مایوں کے زرد اور سبز لباس میں بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔ خوشیوں نے اس کے چہرے کو ایک انوکھا روپ دے دیا تھا۔

اس کے پورے وجود سے خوشیوں کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ رات کے دو بجے تقریب کا اختتام ہوا۔ لڑکے والوں کے جانے کے بعد سب کچھ سمیٹتے، سمیٹتے چار بج گئے۔ چار بجے کے بعد وہ سب ابھی سونے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ ان کے فون کی بیل بجی۔ ان کی چھوٹی بہن حمنہ کی کال تھی۔

''ہیلو......'' انہوں نے حمنہ کا نام دیکھ کر نیند میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

''باجی' بابا کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے۔ بھائی انہیں اسپتال لے کر گئے ہیں......'' حمنہ نے روتے ہوئے بڑی مشکل سے اپنی بات مکمل کی۔

''بابا کو کیا ہوا؟ وہ تو ٹھیک ٹھاک یہاں سے گئے تھے۔''

''بس ابھی پندرہ منٹ پہلے ہی انہوں نے بھائی کو جگا کر کہا کہ ان کا دل گھبرا رہا ہے۔ انہیں اسپتال لے چلیں۔''

''سلیم انہیں کس اسپتال لے کر گیا ہے؟''

''شاید......فلاں اسپتال لے کر گئے ہیں۔''

''اچھا تم گھبراؤ نہیں، میں اور عادل آ رہے ہیں۔''

انہوں نے فوراً شوہر کو جگایا اور چند لمحوں میں خبر پورے گھر میں پھیل گئی۔ عادل نے فوراً گاڑی نکالی عادل کے ساتھ ان کے جیٹھ اور چھوٹا دیور عارف بھی بیٹھ گئے۔

''پریشان نہ ہوں، وہ ٹھیک ہوں گے۔ اصل میں انہیں اتنی رات گئے تک جاگنے کی عادت نہیں ہے۔ آج وہ اتنی رات تک بیٹھے رہے اس لیے شاید ان کی طبیعت خراب ہوگئی۔'' عادل نے بیوی کے دھواں' دھواں چہرے کو دیکھتے ہوئے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن جب وہ اسپتال پہنچے تو کاریڈور میں سلیم کو روتا ہوا دیکھ کر ان کا دل بیٹھ گیا۔

''سلیم کیا ہوا؟ بابا تو ٹھیک ہیں ناں......تم رو کیوں رہے ہو......بابا ٹھیک ہیں ناں......؟'' وہ جیسے اپنے حواس کھو بیٹھی تھیں۔

''حوصلہ رکھو......میں ابھی ڈاکٹر سے معلوم کرتا ہوں......'' عادل نے انہیں سنبھالنے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ سب ڈاکٹر کے پاس پہنچے تو ڈاکٹر نے ان کی موت کی تصدیق کر دی تھی۔ ایک قیامت تھی جو گزر گئی اور ایک طوفان تھا جس نے ان کے پورے وجود کو تہس نہس کر دیا وہ مکمل طور پر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

یہی زندگی ہے اور یہی زندگی کا چلن ہے جہاں شہنائیاں بجتی ہیں۔ وہیں نوحہ و ماتم کی آوازیں بھی بلند ہوتی ہیں۔ سارے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی۔

عصر کے بعد جنازہ اٹھایا گیا۔ سب روئے، بین کیے، مرنے والے کی نیکیوں کا ذکر ہوا۔ سپارے پڑھے گئے۔ کھجور کی گٹھلیوں پر کلمۂ طیبہ اور سورۂ توحید کا ورد ہوا سب نے سوگ کے لباس پہنے ہوئے تھے صرف ثانیہ تھی جسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ مایوں کے زرد لباس میں تھی اور کسی بزرگ خاتون نے یہ کہہ دیا تھا۔

''تم مایوں کا لباس تبدیل نہیں کرنا...... یہ اچھا شگون نہیں ہوتا۔''

فارس کے سارے گھر والے آئے ہوئے تھے۔ فارس نے زرد کُرتہ بدل کر سفید کُرتہ پہن لیا تھا۔ وہ بھی کپڑے بدلنا چاہ رہی تھی لیکن ابھی یہ فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

سب کے ذہنوں میں ایک ہی سوال کی گونج تھی۔ ''اب کیا ہوگا......؟ کیا شادی اپنے وقت پر ہوگی یا شادی کی تاریخ بڑھائی جائے گی اب شادی کب ہوگی......؟ کیا چہلم کا انتظار ہوگا......؟ کیا دوسرے ملکوں سے آنے والے مہمان اتنے عرصے تک رک سکیں گے۔'' سوئم تک یہ باتیں سرگوشیوں میں ہوتی رہیں لیکن سوئم کے دو دن بعد فارس کے گھر والے ان کے جیٹھ کاشف کے پاس آئے۔

''عابد بھائی کی موت کا ہم سب کو ہی بہت افسوس ہے اور ہمیں اس موقع پر یہ بات کرنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ لیکن مجبوری ہے، آپ بتائیں اب آپ لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟'' فارس کے والد نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ نپے تلے انداز میں بات کا آغاز کیا۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں...... مجھے تو خود سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں......'' کاشف نے عادل کی طرف دیکھا۔ اس وقت سارے بھائی اور ان کی بیویاں ڈرائنگ روم میں موجود تھیں۔

''اگر ہم شادی کی تاریخ آگے کردیں تو کتنا آگے کرسکتے ہیں......'' فارس کے والد نے پوچھا۔

''یہ فیصلہ تو عادل ہی کرسکتا ہے۔'' کاشف نے عادل کی طرف دیکھا۔ عادل نے کوئی جواب نہیں دیا ان سب کے وہ ماموں بھی تھے لیکن عادل کے سسر بھی تھے۔اور عادل اپنی بیوی کی طرف دیکھ رہے تھے جن کا چہرہ آنسو روکنے کی کوشش میں سرخ ہورہا تھا۔

''ہمیں کم از کم ماموں صاحب کے چہلم کے بعد ہی شادی کی تاریخ رکھنی چاہیے......'' کاشف سے چھوٹے عارف نے عادل کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنی تجویز پیش کی کیونکہ اس کی بیوی اسے پہلے ہی بتا چکی تھی کہ گھر کی عورتوں کا یہ خیال ہے۔

''چہلم کا انتظار کیا تو شادی بہت delay ہوجائے گی۔ ہمارے بہن، بھائی جو کینیڈا اور انگلینڈ سے شادی میں شرکت کی غرض سے آئے ہیں وہ اتنا لمبا عرصہ نہیں رک سکیں گے۔'' فارس کے والد نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔

''لیکن چہلم سے پہلے شادی کیسے ہوسکتی ہے؟'' عارف نے وہی کہا جو وہ اپنی بہنوں اور بیوی سے سن رہا تھا۔

''میرا خیال ہے اتنے لمبے عرصے کے لیے تاریخ آگے کرنا مناسب نہیں......سوئم تو ہوچکا ہے پرسوں اسی تاریخ پر شادی ہوجانی چاہیے۔'' فارس کے چچا جو گزشتہ تیس 30 سال سے کینیڈا میں رہ رہے تھے انہوں نے دوٹوک الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''عادل تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے......؟'' کاشف نے مدد طلب نظروں سے بھائی کی طرف دیکھا۔

''بھائی صاحب، عامر بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں شادی کو اپنے وقت پر ہی ہونا چاہیے کیونکہ اگر شادی کو delay کیا تو سارے مہمان واپس چلے جائیں گے۔'' عادل نے فارس کے چچا کی تجویز کی حمایت کی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اقوال

☆ قناعت سے بڑی کوئی سلطنت اور حسنِ اخلاق سے بہتر کوئی نعمت نہیں ہے۔

☆ اپنا حق لینے سے تاخیر کرنا عیب نہیں ہے، دوسروں کے حق پر قبضہ کرنا عیب ہے۔

☆ ظلم کی ابتدا کرنے والے کو کل ندامت سے اپنا ہاتھ کاٹنا پڑے گا۔

☆ صحیح عالم دین وہی ہے جو لوگوں کو خدا سے مایوس نہ کرے اور اس کے عذاب کی طرف سے مطمئن نہ کرے۔

☆ جسے حیا نے اپنا لباس اوڑھا دیا اس کے عیب کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

☆ اگر خالق کی عظمت کا احساس پیدا ہوجائے گا تو مخلوق خود بخود نگاہوں سے گر جائے گی۔

مرسلہ: سیدہ ممتاز فاطمہ، کوہاٹ

''جیسی آپ لوگوں کی مرضی اگر آپ سب یہی چاہتے ہیں کہ شادی اپنے مقررہ وقت پر ہو تو ٹھیک ہے میں آپ سب سے متفق ہوں۔'' کاشف کے لہجے میں ایک خوشی اور اطمینان کی کیفیت جھلک رہی تھی۔

''ٹھیک ہے آپ شادی اپنے مقررہ وقت پر ہی کریں لیکن پھر میں اس شادی میں شریک نہیں ہوسکتی۔'' ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

عادل نے حیرانی سے بیوی کی طرف دیکھا اور پھر سب کی طرف دیکھ کر شرمندہ ہوگئے۔

''ٹھیک ہے اگر سلمٰی شریک نہیں ہوگی تو پھر شادی نہیں ہوگی۔ شادی سلمٰی کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ وہ اس وقت ثانیہ کی ماں کی جگہ ہے۔'' کاشف نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''لیکن......لیکن......آپ سوچیں تو......'' فارس کے والد نے مزید کچھ کہنا چاہا لیکن فارس کی ماں نے

انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے ہم جارہے ہیں آپ لوگ فیصلہ کر کے ہمیں نئی تاریخ سے آگاہ کردیجیے گا۔'' تھوڑی دیر بعد رسمی باتیں کر کے فارس کے والد یہ جملے کہہ کر اپنے گھر چلے گئے اور ان کے گھر میں ایک نئی بحث کا آغاز ہوگیا۔

زیادہ تر لوگوں کی یہی رائے تھی کہ شادی اپنے وقت پر ہی ہونی چاہیے لیکن وہ بدستور اپنی ضد پر قائم تھیں۔ عادل نے حتی الامکان بہت سمجھانے کی کوشش کی۔ بہت سی مثالیں پیش کیں شادی میں تاخیر کے حوالے سے ہونے والے خدشات سے آگاہ کیا۔

کاشف بھائی کی مجبوریاں بتائیں لیکن وہ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹیں۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ''میں شادی کو منع تو نہیں کررہی لیکن میں اپنے باپ کے چہلم سے پہلے شادی میں شریک نہیں ہوسکتی۔'' اور ان کے اس فیصلے پر کاشف کا فیصلہ تھا۔

''اگر سلمٰی شادی میں شریک نہیں ہوئی تو میں شادی نہیں کروں گا۔''

☆☆☆

پھر شادی کی تاریخ ڈیڑھ ماہ بعد رکھی گئی دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے مہمان واپس چلے گئے۔ اس نے مایوں کا جوڑا اتار کر اندر رکھ دیا۔ ڈیڑھ ماہ بعد بہت سادگی سے اس کی شادی ہوئی۔ اس کے سسرال والے بھی خوش نہیں تھے وہ تو رشتہ توڑنے پر بضد تھے لیکن فارس اور اس کی ماں نے سب کو سمجھا بجھا کر رشتے کو ٹوٹنے سے بچالیا لیکن پھر ساری زندگی ثانیہ کو قدم، قدم پر سسرال والوں کے تلخ جملوں اور رویوں کا سامنا کرنا پڑا۔

فارس کی پھپھو جو خاص طور سے اپنے بھتیجے کی شادی کے لیے انگلینڈ سے آئی تھیں اور شادی کیے بغیر ہی واپس چلی گئیں اور جب وہ دوبارہ اپنے دوسرے بھائی کی بیٹی کی شادی پر آئیں تو انہوں نے بات، بات پر اس کے گھر والوں کو طعنے دیے انہیں دقیانوسی کہا۔ ان کا مذاق اڑایا اور وہ خاموشی سے سب کچھ برداشت کرتی رہی پھر اللہ کی مصلحت اس کے یہاں اولاد بھی نہیں ہوئی۔ وہ بے اولادی کے طعنے بھی سنتی رہی اکثر بزرگ خواتین جو شگن اور شگونوں پر بڑا یقین رکھتی تھیں۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ مایوں کی دلہن کا میت میں شریک ہونا منحوس ہوتا ہے۔ اور اس کے یہاں اولاد کا نہ ہونا اسی نحوست کی وجہ سے ہوا وغیرہ، وغیرہ...... بہر حال یہ دنیا ہے اسے تو اپنی زبان کے چسکے اور تفریح طبع کے لیے کہانیاں چاہئیں۔ اور پھر ایسی چٹپٹی مسالے دار کہانی کہ جس پر اپنی رائے کا اظہار کرنا ہر عورت نے اپنا فرض سمجھ لیا تھا۔ یہ سوچے بغیر کہ ان کے دودھاری الفاظ کس طرح ایک بن ماں کی بچی کے کلیجے کو چھلنی کررہے ہیں۔

☆☆☆

ثانیہ کی شادی کے پورے بیس 20 سال بعد اب رمشا کی شادی ہورہی تھی۔ رمشا چوبیس سال کی تھی آج اس کا مایوں تھا۔ اس کی شادی اس کی دوست کے کزن سے ہورہی تھی۔ اس کی دوست کا کزن کینیڈا میں رہتا تھا۔ وہ رمشا کے لیے دعائیں مانگتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئیں۔ ان کا دل گھبرا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں انہیں ماضی کیوں یاد آرہا تھا۔ ایک دم ان کے موبائل کی رنگ بجی اور ان کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

''یا اللہ خیر ہو......''

''جی السلام علیکم بھابی، آپ کیسی ہیں سب خیریت ہے۔'' انہوں نے فون پر نام دیکھا۔ وہ ان کی سمدھن کی کال تھی۔

''بھابی زویا کے والد کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔ ہم سب وہاں جارہے ہیں اس لیے آج کا پروگرام تو کینسل ہے۔'' رمشا کی ساس کا فون تھا۔ زویا ان کی بڑی بہو تھی۔

''کیسے......؟ وہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔'' ان کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوگئے۔

''ہاں بس ہارٹ اٹیک ہوا۔ اسپتال جانے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ جب انہیں اسپتال لے کر گئے تو ڈاکٹروں نے دیکھتے ہی ان کی ڈیتھ declare کردی۔''

''اوہ یہ تو بہت برا ہوا۔ زویا کی تو بہت بری

digest library.com

حالت ہوگی۔''

''وہ تو اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔ ظاہر ہے اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی کوئی بہن نہ بھائی...... ماں کا بھی دو سال پہلے ہی انتقال ہوا تھا۔''

''واقعی اس کے لیے تو بہت بڑا سانحہ ہے۔''

''کیا کر سکتے ہیں جو اللہ کی مرضی انسان تو مجبور ہے۔''

''اچھا میں ذرا جلدی میں ہوں آپ سے پھر بات کروں گی۔'' انہوں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اور وہ صوفے پر ڈھے گئیں۔

سب کچھ ویسا ہی تھا...... اب کیا ہوگا......؟ ان کی نظروں کے سامنے رمشا کا خوشی سے چمکتا ہوا چہرہ پھرنے لگا۔

''ثانیہ کے سسرال والے تو خاندان کے لوگ تھے پھر بھی اسے کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جبکہ رمشا کی سسرال تو غیر ہے نہ جانے وہ لوگ کیا سوچیں؟ اب پتا نہیں شادی کب ہوگی......؟ ہوگی بھی یا نہیں کہیں وہ لوگ رشتہ ہی نہ توڑ دیں......؟ ریان تو صرف پندرہ دن کے لیے آیا ہے۔ وہ چہلم تک تو نہیں رک سکتا اور اگر وہ چلا گیا تو پتا نہیں کب واپس آئے گا اور دوبارہ نہ جانے کب واپس آئے۔'' ان کے دل اور دماغ میں اندیشوں اور وسوسوں کی آندھیاں چل رہی تھیں۔

انہوں نے شوہر کو بتایا۔ وہ ان سے زیادہ پریشان ہو گئے۔

''یہ تو بہت برا ہوا۔ ہال کی بکنگ ہو چکی ہے۔ کیٹرنگ والوں کو پیسے دیے جا چکے ہیں۔ ساری تیاریاں مکمل ہیں۔ چلو دیکھتے ہیں کہ کیا ہو گا...... فی الحال تو زویا کے والد کی تدفین میں چلنے کی تیاری کرو......''

عادل کے کہنے پر بادل ناخواستہ اٹھیں اور تدفین میں جانے کے لیے تیار ہونے لگیں۔

''شکر ہے رمشا نے مایوں کا لباس نہیں پہنا تھا۔'' انہوں نے ایسا سوچا تو دل میں کہیں کوئی کھٹک سی ہوئی۔

رمشا کو جب پتا چلا تو اس کا چہرہ ایک دم بجھ سا گیا۔ سارے گھر پر اداسی چھا گئی ان کا دل ڈوبنے لگا۔

☆☆☆

رمشا کی ساس کا فون آیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

''شادی اپنے وقت پر ہی ہوگی۔ مایوں اور مہندی کی رسمیں بھی ہوں گی۔ کیونکہ یہ زویا کا اصرار ہے۔ اس نے کہہ دیا ہے کہ وہ ہر رسم میں شریک ہوگی۔ اس کا کہنا ہے میرے باپ کی زندگی پوری ہوگئی تھی۔ ان کی جدائی کا غم ہمیشہ میرے دل میں رہے گا۔ لیکن میں اپنے غم کی وجہ سے دوسروں کی خوشیوں کو غارت نہیں کر سکتی۔'' وہ فون رکھ کر چہکتے ہوئے لہجے میں عادل کو بتا رہی تھیں۔

یہ سن کر عادل کے چہرے پر بھی اطمینان اور خوشی جھلکنے لگی۔ انہوں نے رمشا کی طرف دیکھا جو سامنے بیٹھی ہوئی ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ رمشا کا بجھا ہوا چہرہ پھر سے چمکنے لگا۔

''اللہ زویا کی عمر دراز کرے۔ اس کے فیصلے نے کتنے لوگوں کو خوشیاں بخش دیں۔ خدا سب کو ایسا ظرف اور اتنا بڑا دل عطا کرے۔ میرے دل سے اس بچی کے لیے دعائیں نکل رہی ہیں۔ جس نے ہم سب کو...... بے شمار پریشانیوں اور فکروں سے بچا لیا۔'' عادل نے بہت سادگی سے یہ جملہ کہا تھا لیکن انہیں ایسا کیوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے عادل ان پر طنز کر رہے ہوں۔

آج انہیں اپنا آپ بہت چھوٹا اور گھٹیا لگ رہا تھا۔'' کاش، کاش...... وہ بھی اپنا دل بڑا کر لیتیں۔ کسی بچی کی خوشیوں کی خاطر اپنے غم کو اپنے اندر چھپا لیتیں۔ کاش...... کاش...... ایسا ہو جاتا تو شاید آج اپنی بیٹی کے جگمگاتے ہوئے چہرے کو دیکھنے کے باوجود وہ اتنی بے چین اور مضطرب نہ ہوتیں...... کاش انہوں نے اپنے اندر حسد کے سانپ کو کچل دیا ہوتا...... جس سے دوسرے کے خوشی سے چمکتے چہرے برداشت نہیں ہوتے...... کاش انہوں نے اپنے اندر سلگتی ہوئی حسد کی آگ کو بجھانے کی کوشش کی ہوتی۔ جو لوگوں کی خوشیوں کو جھلس کر راکھ میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اے کاش...... اے کاش......''

❁❁❁

خاموشی تھی، سناٹا تھا، ویرانی تھی، تنہائی تھی...... ہر سمت، ہر سو۔ گہری سوچ کے مسافر کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے وہ محوِ سفر تھی جو اسے اپنے ساتھ نہ جانے کون سے گلی، کوچوں، بازاروں، کون سے صحراؤں، جھاڑ جھنکاڑ والی راہوں میں لیے پھر رہا تھا۔ وہ اس مسافر کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہتی تھی۔

وہ اس سوچ کے مسافر سے اپنا ہاتھ چھڑا کر سرپٹ اس کی مخالف سمت میں بھاگنا چاہتی تھی۔ وہ اس سے دور چلی جانا چاہتی تھی، اتنی دور کہ پھر کبھی وہ اس راہ میں ملے مسافر سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ چاہ تو رہی تھی لیکن چاہنے کے باوجود اس کی گرفت سے خود کو آزاد نہیں کروا پا رہی تھی۔

وہ چلتے، چلتے تھک گئی تھی۔ ہانپنے لگی تھی .... شاید سوچ کے مسافر کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ وہ رک گیا تھا۔ تھم چکا تھا۔ اور وہ کسی اچھی یاد کے سائے میں چند گھڑیوں کے لیے بیٹھتی۔ گہری گہری... سانس لیتی اور پھر اپنے قریب بیٹھے اس سوچ کے مسافر کی سمت حسرت سے دیکھنے لگی۔

"تھک گئی ہوں۔ اب تو میں کیا میری روح بھی تھک گئی ہے۔ کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔ بہت کرب ناک ہے، اذیت ناک ہے بلکہ دردناک ہے۔ تم چلے جاؤ...... پلیز میری زندگی سے چلے جاؤ۔ میں اس طرح تو تڑپ، تڑپ کر مر جاؤں گی۔ میری حالت کو سمجھو۔ مجھ پر ترس کھاؤ، رحم کرو۔" وہ بلک، بلک کر روتے ہوئے اس سوچ کے مسافر سے کہہ رہی تھی۔

مسافر کی آنکھوں میں اس کے لیے رحم اور ہمدردی ابھری۔ اس کے دماغ کی اذیت سے پھٹتی رگوں کو سکون ملنے لگا [illegible] دیر کے لیے ہی سہی یہ انجان

محبت [illegible]

عنبرین ابدالی

Digest Novels Lovers Group ❤❤
Digest Novels .com

سوچوں کا مسافر اس پر رحم کھالے۔اسے اس پر ترس آجائے۔

''تم نے خود ہی مجھے اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ جب ساتھ ہوں تب بھی شکوہ کرتی ہو اور جب جانے کی بات کرتا ہوں تب بھی تم جانے نہیں دیتی۔ میں تو مسافر ہوں۔ میرا تو مقصد ہی قریہ، قریہ کوچہ، کوچہ پھرنا ہے۔ تو پھر ٹھیک ہے۔ میں جا رہا ہوں۔''

مسافر نے کہتے ہوئے اپنا زادِ سفر اپنے کندھے پر لٹکایا اور تیز، تیز قدم اٹھاتا اس سے دور جانے لگا۔ کچے راستے کی دھول اڑ کر اس کی آنکھوں میں پڑنے لگی۔ اس نے بے اختیار ہی اپنی آنکھوں کو زور سے بند کرلیا تھا۔

بوجھل اور درد بھری آنکھیں بند ہوئیں تو نیند کی مہربان پری کو اس پر رحم آگیا۔ اس نے محبت سے اسے اپنی مہربان بانہوں میں لے لیا۔ اور پھر وہ جانے کتنے دنوں کے بعد گہری نیند سوئی۔ اسے اس وقت نیند کی شدید ضرورت تھی وہ سو چکی تھی۔ اور رات دھیرے، دھیرے ایک، ایک سکوں کے مانند وقت کے تھال میں گرتی رہی۔

☆☆☆

تعبیر صبح کافی دیر سے اٹھی تھی۔ کسلمندی سے آنکھیں کھولتے ہوئے اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ جہاں گھڑی کی سوئیاں گیارہ کا ہندسہ عبور کر چکی تھیں۔ اس نے اپنی ادھ کھلی آنکھوں کو پھر سے بند کیا اور پھر بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی پیشانی کو دبانے لگی۔

''آج مجھے کسی نے نہیں جگایا......'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے خود سے کہا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ یونیورسٹی تو وہ پچھلے ایک ماہ سے نہیں جا رہی تھی۔ اس نے منہ کھول کر جمائی لی اور پھر گردن کو ہلکے سے دائیں جانب موڑا۔ سائڈ ٹیبل پر اس کا فون پڑا ہوا تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور پھر فون چیک کیے بنا اٹھی اور فریش ہونے باتھ روم چلی گئی۔ واش روم سے نکل کر وہ اب دھیرے، دھیرے چلتی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ آئینہ بتا رہا تھا وہ بدل چکی ہے۔ فقط ایک ماہ میں وہ کتنا بدل چکی تھی۔ آنکھوں کی چمک مفقود تھی۔ مسکراتے یاقوتی لب اب باہم پیوست تھے۔ آنکھوں کے نیچے ہلکا براؤن رنگ گہرا ہونے لگا تھا۔ غازوں پر موجود گلابی رنگ مدھم تھا۔ وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے اسٹیپ میں کٹے بال روکھے اور بے جان ہو رہے تھے۔ کتنے دن

digestlibrary.com

ہو گئے تھے اس نے بالوں میں برش نہیں کیا تھا۔ تعبیر نے یاسیت سے خود کو دیکھا اور اپنا ہاتھ بالوں پر پھیرنے لگی۔ بالوں کی دو لٹیں کیچر کی قید سے نکل کر اس کے چہرے کے اطراف میں بکھری ہوئی تھیں۔ جیسے چاند چہرے کو کالے سیاہ بادل کی ٹکڑیوں نے گھیرے میں لے لیا ہو۔

اس کا دل بھر آیا۔ جی چاہا وہ رو دے، اپنے اندر کے سارے درد کو آنسوؤں کے ذریعے باہر نکال پھینکے۔ بہت چاہنے کے باوجود اس کی آنکھوں کی زمین بنجر رہی۔ درد تو اب بس دل میں ہی رہنا چاہتا تھا۔ جسم میں موجود ایک ایک رگ میں، دل میں، ذہن میں بس درد تھا، صرف درد۔

تعبیر نے میکانکی انداز میں ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا برش اٹھایا اور بائیں ہاتھ سے کیچر کی قید سے بالوں کو آزاد کیا۔ اور غائب دماغی سے اپنے بالوں میں برش پھیرنے لگی۔ دفعتاً کمرے میں پھیلی خاموشی کو فون کی تیز آواز نے توڑا۔ برش کرتے ہاتھ لحظہ بھر کے لیے رکے۔ اس نے چند ثانیے کے لیے سوچا اور پھر سے اپنے سابقہ کام میں مصروف ہو گئی۔ فون کی بیل ایک بار بند ہونے کے بعد پھر سے بج اٹھی تھی۔ اس بار بھی اس کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ تیسری، چوتھی بار اور جس وقت وہ دوپٹا اوڑھ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ پانچویں بار بیل پھر سے پوری شدت سے بول اٹھی تھی۔

''جب میں نے پہلی بار بیل ہونے پر فون نہیں اٹھایا تو پھر تیسری، چوتھی یا پھر دسویں کال پر بھی کیوں فون اٹھاؤں گی۔'' اس نے زیرلب کہا اور سر جھٹک کر دروازہ کھول کر سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی۔ ... جہاں لاؤنج میں اس کی ماں کے ساتھ تائی بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔

''السلام علیکم!'' اس نے دونوں کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' ان دونوں کے لہجے میں گرم جوشی مفقود تھی۔

''تعبیر تم یونی ورسٹی کیوں نہیں جا رہیں؟'' تائی اماں نے اسے گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''میں نے یونی ورسٹی چھوڑ دی ہے۔'' اس نے اتنے اطمینان سے کہا تھا کہ شہلا بیگم کے ساتھ، ساتھ اس کی ماں بھی اچھل کر رہ گئیں۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' صنا بیگم کے لہجے میں درشتگی در آئی۔

''ماما! مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے۔ مجھے ناشتا ملے گا یا نہیں؟'' وہ ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے آرام سے ان سے پوچھ رہی تھی۔ اور صنا بیگم کا ان کے انداز پر دل چاہ رہا تھا کہ سر پھاڑ دیں۔

تعبیر نے چند لمحے ماں کی جانب استفہامیہ نظروں سے دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''صنا، یہ تعبیر کو کیا ہوا ہے؟'' شہلا بیگم نے دیورانی سے استفسار کیا۔

''مجھے خود نہیں معلوم بھابی! کیا ہوا ہے۔ میں تو خود سخت پریشان ہوں۔ میں نے ندیم کو فون کیا تھا اور انہیں ان کی لاڈلی کے بارے میں بتا دیا تھا۔ ایک دو دن میں ندیم واپس آئیں گے تو خود ہی تعبیر سے بات کریں گے۔ میرے اندر تو اتنا حوصلہ نہیں ہے اس کی الٹی سیدھی باتوں اور حرکتوں کو برداشت کرنے کا۔'' صنا بیگم خود بیٹی کے رویے اور انداز سے جلی بھنی بیٹھی تھیں۔ اب جیٹھانی کو کیا جواب دیتیں۔

''مجھے تو خود کچھ سمجھ نہیں آ رہا یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' شہلا بیگم بڑبڑا کر سامنے پڑا چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا چکی تھیں۔

☆☆☆

ستمبر کی انتہائی سہانی شام تھی۔ ہواؤں میں اچانک روانی نے موسم کو اچھا خاصا بدل ڈالا تھا۔ وہ چائے کا مگ تھامے چھت پر آ بیٹھی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا مگ سامنے لوہے کی میز پر رکھا اور اپنا فون آن کیا۔ اس کی گنتی ہی لاتعداد کالز اور میسجز سے اس کا فون بھرا پڑا تھا۔

''میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ کیا تمہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ...؟'' وہ بڑبڑائی تھی ......

اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگے اور اس نے اس کے سارے میسجز اور کالز کو ڈیلیٹ کر کے فون ٹیبل پر رکھ دیا۔ اور اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس کے سر میں اچانک ہی شدید درد اٹھا تھا، اتنا کہ یہ درد اسے لمحوں میں بے حال کر گیا تھا۔

''کیا یہ درد اس درد سے زیادہ ہے جو مجھے تمہیں چھوڑنے سے مل رہا ہے۔'' اس کے دل نے سرگوشی کی۔ اس کا آنچل ہوا کی شوخی کی زد میں تھا۔ اس نے دو تین بار گہری سانس لی اور پھر ہاتھ بڑھا کر مگ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

''تعبیر تم یہاں بیٹھی ہو۔ میں تمہیں پورے گھر میں

ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔'' عنایہ بھابی کہتی ہوئی اس کے قریب آئیں اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ تعبیر اپنی سوچوں میں اتنی بری طرح گم تھی کہ اسے عنایہ کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ اسی لیے ایک دم ڈر کر اچھل گئی۔ شکر ہے کہ گم تھی ورنہ چائے اچھل کر اس کے اوپر آگرتی۔ عنایہ بھابی یک دم شرمندہ ہو گئیں۔

''اٹس او کے بھابی۔ آئیں بیٹھیں۔'' وہ بدقت تمام مسکراتے ہوئے بولی تو عنایہ بھابی اس کے سامنے آبیٹھیں۔

اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد عنایہ بھابی نے اس سے یونی ورسٹی نہ جانے کا سبب پوچھ ہی لیا۔

''ویسے ہی بھابی.....'' اس نے مختصر جواب دیا اور دور نیلے آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

''کوئی مسئلہ ہے تعبیر تو شیئر کرلو۔'' عنایہ نے آگے کی طرف ہو کر بیٹھتے ہوئے تعبیر سے سوال کیا۔

''نہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ پھر سے گول مول جواب دے کر نیلے آسمان پر جانے کیا کھوجنے لگی تھی۔

عنایہ کو اس کے رویے سے الجھن ہونے لگی تھی۔ وہ ایسی کب تھی۔ ہر وقت ہنستی مسکراتی، شرارتیں کرتی تعبیر اس الجھی ہوئی تعبیر سے یکسر الگ تھی اور وہ کہہ رہی تھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

''بھابی مجھے آپ سے ایک بات شیئر کرنی ہے۔'' نیلے آسمان کی وسعتوں میں اس کی کھوج مکمل ہوئی تھی یا ادھوری رہ گئی تھی، عنایہ نہیں جانتی تھی۔ لیکن یہ ضرور ہوا تھا اس نے بات کرنے کی آمادگی تو ظاہر کی تھی۔

''ہاں.....ہاں..... بولو تعبیر۔'' عنایہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔

اس سے پہلے کہ تعبیر کچھ بولتی، اس کا فون بول اٹھا۔ تعبیر اور عنایہ کی بیک وقت نظریں فون کی اسکرین پر پڑی تھیں۔

''اوہ! اتنی مشکل سے تو وہ بولنے پر آمادہ ہوئی تھی اور اب حمدان کی کال پر یہ بات ادھوری رہ جائے گی۔'' عنایہ نے دل ہی دل میں بڑبڑاتے ہوئے خود سے کہا۔

مگر حیرتوں کی کتنی ہی عمارتیں اس کے ارد گرد کھڑی تب ہوئی تھیں جب تعبیر نے حمدان کی کال کاٹ کر فون ہی آف کر دیا۔ تعبیر اور بھلا حمدان کا فون نہ سنے۔ اس کی کال کاٹ دے اور فون ہی آف کر دے۔ یعنی حیرت در حیرت تھی۔ اس سے پہلے کہ عنایہ اس حیرت سے نکلتی، تعبیر کے لبوں سے نکلنے والے لفظوں نے عنایہ کے گرد حیرتوں کی بلند و بالا عمارتوں کو ایک ساتھ ہی اس کے اوپر گرا ڈالا تھا اور وہ اس ملبے تلے دبی حیرت سے تعبیر کی طرف دیکھ رہی تھی جو اپنی بات چند فقروں میں کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔ یعنی یہ اس کی بات ختم ہونے کا عندیہ تھا۔

''تم.....تم ٹھیک تو ہو تعبیر۔'' عنایہ کو فوری طور پر اس کے ذہنی توازن کے خراب ہونے کا خدشہ لاحق ہوا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں بھابی اور میں نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ اور یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔ آپ پلیز سب کو بتا دیں۔'' وہ کہہ کر جھکی، اپنا فون اٹھایا اور عنایہ کو حیرتوں کے سمندر ڈبو کر خود سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

''تم نے یہ سوچا بھی کیسے تعبیر، جانتی بھی ہو یہ لفظ اپنے اندر کیسی قیامت رکھتے ہیں۔ ہر چیز تہس نہس ہو جائے گی۔ قیامت آنے سے پہلے قیامت برپا ہو جائے گی۔'' عنایہ بھابی کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''قیامت تو آچکی ہے۔ اب تو بس اس کا اعلان باقی ہے۔'' تعبیر نے دل میں سوچا اور کچھ بھی کہے بنا سیڑھیاں اتر آئی۔ اور عنایہ اس کے عقب میں پتھر کی مورت میں بدل گئی تھی۔

☆☆☆

سب رات کے کھانے میں مصروف تھے۔ ندیم صاحب بھی اپنے آفیشل ٹور سے واپس آچکے تھے اور یہ ان کی آمد کا ہی سبب تھا، تعبیر بھی آج ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھی۔

''کیا بات ہے..... آج میری گڑیا کیوں اداس ہے؟'' چاولوں کا چمچ منہ میں رکھتے ہوئے ندیم صاحب نے چاول اِدھر اُدھر کرتی تعبیر سے پوچھا۔

''ن.....نہیں، نہیں تو..... کچھ بھی نہیں ہوا۔'' تعبیر مشکل سے مسکرائی اور چمچ میں چاول بھر کر جیسے ہی وہ منہ تک لے جانے لگی، سامنے دروازے سے آتے وجود نے اسے ساکت کر دیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے، قریب آتے حمدان اشرف کو دیکھ رہی تھی۔

''ارے حمدان بیٹا! تم کب آئے؟'' ثنا بیگم کھانا چھوڑ کر تیزی سے حمدان کی طرف لپکیں۔

''بس ابھی آدھا گھنٹا پہلے.....'' وہ ایک کٹیلی نظر تعبیر

digest.library.com

پرڈالتے ہوئے بولا اور ندیم صاحب سے ملنے لگا۔ تعبیر نے ہاتھ میں پکڑا چمچ پلیٹ میں رکھا اور کرسی پیچھے کھسکا کر..... اپنے کمرے میں چلی آئی۔ عادل نے الجھ کر عنایہ کی طرف دیکھا اور پھر اپنے والدین کی طرف۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے حمدان آئے اور تعبیر ملے بنا ہی اٹھ کر چلی جائے۔

''حمدان اور تعبیر کا جھگڑا ہوا ہے؟'' عادل بھائی نے جھک کر اپنی بیگم سے استفسار کیا۔ جھگڑے کا تو انہیں علم نہیں تھا مگر جس بات کا علم تھا۔ وہ بات بتانے کی کم از کم عنایہ کے اندر ہمت نہیں تھی۔ سو خاموشی سے کندھے اچکا گئیں۔

''میں تعبیر سے مل کر آتا ہوں۔'' حمدان کے پاس اس سے زیادہ ضبط کا یارا نہ نہیں تھا۔ وہ کہتا ہوا دو، دو سیڑھیاں چڑھتا تعبیر کے کمرے کے باہر کھڑا تھا۔ غصے سے اس کی کنپٹیوں کی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔ اس کے جبڑے سختی سے ایک دوسرے پر جمے ہوئے تھے۔ اس نے دروازہ ناک کیا اور ہینڈل پر ہاتھ رکھ کے ہلکا سا دباؤ ڈالا تو ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اور حمدان کمرے میں داخل ہوگیا۔

حمدان چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا جو کھڑکی کھولے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے جانے ویران سڑک پر کیا تلاش کر رہی تھی۔ حمدان جو کمرے میں آنے سے پہلے سخت طیش میں تھا، تعبیر کو دیکھتے ہی اس کا غصہ جانے کہاں اڑ گیا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی اور آنکھوں میں ڈھیروں محبت کے دیے روشن ہوگئے تھے۔ تعبیر کو دیکھتے ہی وہ پگھل گیا تھا، موم کے مانند۔ وہ ذرا سا جھکا اور تعبیر کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

''بلانے کے اور بھی بہت سے طریقے ہوسکتے ہیں تعبیر۔ یہ اگنور کرنا، فون نہ اٹھانا، بات نہ کرنا...... یہ طریقہ تو سب سے برا ہے۔ پتا ہے ناں میں کتنا پریشان ہو جاتا ہوں۔ تم سے بات نہ کروں تو کوئی کام بھی ٹھیک نہیں ہوتا...... ہیلو جی! اتنی ڈانٹ تو میں نے اپنے پورے تعلیمی کیریئر میں نہیں کھائی تھی، جتنی ان دنوں کھائی ہے۔ اور وجہ تمہاری بے اعتنائی ہے۔'' کہتے ہوئے حمدان نے اس کے ہاتھوں کو تھاما۔ لیکن اگلے ہی لمحے تعبیر نے اس کے ہاتھوں کو بری طرح جھٹک دیا اور اس سے فاصلے پر جا کر کھڑی ہوگئی۔

حمدان کے چہرے پر سرخی ابھری۔ ابرو تن گئے اور آنکھوں میں بے یقینی در آئی تھی۔

''کیا میں تمہارے اس گریز کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟ یہ ہاتھ میں نے پہلی بار نہیں تھامے۔ بچپن سے تھامتا آرہا ہوں اور مرتے دم تک تھامتا رہوں گا۔'' حمدان نے کہا اور آگے بڑھ کر تعبیر کے ہاتھ کو پکڑنا چاہا۔ تعبیر نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اس کے چوڑے سینے پر رکھا اور پوری قوت سے دھکا دیا۔ حمدان اپنی جگہ سے چند انچ کے فاصلے تک ہی دور ہو پایا۔

''دور رہو مجھ سے۔ مجھے تم سے شادی نہیں کرنی ہے۔ میں بھائی کو اپنا فیصلہ......'' ابھی لفظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ حمدان کا ہاتھ اٹھا اور اس کے چہرے پر ثبت ہو گیا۔ تعبیر اس تھپڑ کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھی۔ اسی لیے وہ بری طرح لڑکھڑا گئی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر زمین پر گرتی۔ حمدان کا ہی آہنی پنجہ اس کے بازو کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے تعبیر کو اپنے سامنے کھڑا کیا۔ تعبیر کی آنکھوں میں ایک سیلاب امڈ آیا تھا۔

''آج کے بعد......'' حمدان نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھائی تو تعبیر نے گھبرا کر اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپالیا۔

''آج کے بعد تم نے ایسی فضول بات اپنے منہ سے نکالی تو میں تمہارا وہ حال کروں گا کہ تم یاد رکھوگی۔'' اس نے کہتے ہوئے جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑا اور لمبے، لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل آیا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر لاؤنج میں آیا تو سب ہی ایک لمحے کے لیے خاموش ہوگئے تھے۔ حمدان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ عادل بھائی کھڑے ہوئے۔

''حمدان......'' انہوں نے اسے پکارا۔ مگر وہ سنی ان سنی کرتا اپنے پورشن کی طرف چلا گیا۔ عنایہ کے لیے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔

''حمدان اور تعبیر کو کیا ہوا ہے؟'' ندیم صاحب نے تفکر بھری نظروں سے صنا بیگم کی طرف دیکھا تو انہوں نے لاعلمی سے سر نفی میں ہلا دیا۔

''مجھے یہ لڑکی ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔ پتا نہیں کیا ہوگیا ہے۔ نہ یونی جا رہی ہے۔ کسی سے کچھ بولتی ہے نہ

کچھ کہتی ہے۔ میں تو خود بہت پریشان ہوں۔ آپ پلیز تعبیر سے بات کریں، اس سے پوچھیں کیا مسئلہ ہے۔ حمدان سے اس کی شادی ہونے میں کچھ ہی ماہ باقی ہیں۔ ایسے میں اس کا رویّہ دل میں موجود محبتوں کو الجھن زدہ کر رہا ہے۔ شہلا بھابی خود مجھ سے بار، بار پوچھ چکی ہیں۔ میرے پاس انہیں بھی مطمئن کرنے کے لیے کوئی جواب نہیں تھا۔'' منا بیگم بولنے پر آئیں تو بولتی چلی گئیں۔ اور ندیم صاحب کے ساتھ ساتھ عادل بھی سخت مضطرب نظر آرہا تھا۔

''خیر تم فکر مت کرو۔ میں...... میں صبح تعبیر سے خود بات کرتا ہوں۔'' ندیم صاحب نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اپنی شریکِ حیات کو تسلی دی۔

''خدا کرے سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔ تعبیر سب کے سامنے کوئی فالتو بات نہ کرے۔'' عنایہ نے دل ہی دل میں دعا مانگی اور چائے کے برتن سمیٹ کر ٹرے میں رکھنے لگی۔

☆☆☆

وہ راستے میں آئی ہر شے کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑاتا گھر آیا اور ماں باپ کے پاس رکے بنا ہی اپنے کمرے میں چلا گیا۔ غصے سے اس کا دماغ کھول رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ ہر چیز کو فنا کر ڈالے۔ تعبیر کی جرأت بھی کیسے ہوئی تھی ایسی بات اپنے منہ سے نکالنے کی۔ اس نے ہاتھ مار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے اپنے پرفیومز کی شیشیوں کو زمین پر دے مارا۔

''حمدان...... ! حمدان!'' شہلا بیگم اور اشرف صاحب اس کے کمرے کی سمت لپکے۔ ان کے سامنے ٹوٹے کانچ کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔

''حمدان پاگل ہو گئے ہو۔ پیچھے ہٹو۔'' اشرف صاحب نے اسے بازو سے کھینچ کر کانچ کے ٹکڑوں سے پیچھے کیا۔

''یہ کیا پاگل پن ہے حمدان۔'' شہلا کو اپنے اکلوتے بیٹے کے جنون سے خوف آیا۔

''ماما! پاپا! آپ صبح ہی چاچو کے پاس جائیں گے اور شادی کی تاریخ لے کر آئیں گے۔ مجھے دو دن کے اندر، اندر تعبیر سے شادی کرنی ہے۔'' وہ ضدی لہجے میں کہتا باپ کے سامنے کھڑا ہوا۔

''کیا کہہ رہے ہو حمدان......؟'' اشرف صاحب اس کے عجیب و غریب مطالبے پر ہونقکارہ گئے تھے۔

''میں جو کہہ رہا ہوں، آپ سن رہے ہیں ناں۔ مجھے بس جلد سے جلد تعبیر سے شادی کرنی ہے۔''

''لیکن بیٹا، ایسا کیا ہو گیا ہے۔ چند ماہ کی تو بات ہے۔ تمہارا امتحان ختم جائے گا اور اسی بیچ تعبیر بھی اپنا ماسٹر مکمل کر لے گی۔ پھر اس کے بعد......''

اس سے پہلے کہ شہلا بیگم اپنی بات مکمل کرتیں۔ وہ چلا اٹھا تھا۔

''وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی ماما۔ وہ مجھے اگنور کر رہی ہے۔ نہ میرا فون پک کرتی ہے اور نہ ہی کسی میسج کا جواب...... اور اس کی جرأت دیکھیں، آج میرے منہ پر کہہ رہی ہے اسے مجھ سے شادی نہیں کرنی۔''

حمدان کی بات تھی یا دھماکا جو اس نے ماں، باپ کے سر پر کیا تھا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو حمدان۔ وہ تمہاری منگیتر ہے۔ چار سال ہو گئے اس کی تمہارے ساتھ منگنی ہوئے اور اب اچانک یہ سب کیا ہے؟'' اشرف صاحب کو اس کی بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا پاپا! جب اس نے مجھے یہ کہا۔ آپ بس کل ہی چاچو کے پاس جا رہے ہیں۔'' اس نے ضدی لہجے میں کہا تو شہلا بیگم کو کئی دنوں سے تعبیر کے بدلے ہوئے رویّے کی اب سمجھ آرہی تھی۔

''لیکن وہ تو حمدان سے محبت کرتی ہے اور اس کی محبت کی گواہی کا آدھا شہر گواہ تھا۔ تو پھر کیوں تعبیر نے ایسی بات کی۔ کیا اسے نہیں معلوم اس کی بات کیا قیامت برپا کر سکتی ہے۔'' شہلا بیگم کا دماغ سوچ، سوچ کر پھٹ رہا تھا۔

''تم فکر مت کرو۔ ریلیکس رہو۔ میں کل ہی ندیم اور منا کے پاس جاتا ہوں اور شادی کی تاریخ لے کر آؤں گا۔'' اشرف نے جوان بیٹے کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ باپ کی بات پر حمدان کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''یا خدا ہمیں اس مصیبت سے بچا لے۔ کل کا سورج خیر کی خبر کے ساتھ طلوع ہو۔ اگر تعبیر اپنی بات پر قائم رہی تو......؟'' اس سے زیادہ سوچنے کی ہمت شہلا

بیگم میں نہیں تھی۔

☆☆☆

وہ بہت اکیلی تھی اور درد بے انتہا تھا، اتنا کہ برداشت سے باہر ہو چکا تھا۔ اسے رونے کے لیے کسی کندھے کی ضرورت تھی اور اس وقت مشعل سے بڑھ کر کون اس کا خیر خواہ ہو سکتا تھا۔ تعبیر نے روتے ہوئے مشعل کو فون کیا اور اسے اپنے گھر آنے کا کہا۔

''اچھا تم روؤ تو مت میں بس ابھی آتی ہوں۔'' مشعل نے کہہ کر فون رکھا اور واقعی وہ اگلے دس منٹ میں اس کے سامنے تھی۔ تعبیر اسے دیکھتے ہی ٹوٹ کر بکھر گئی۔

''خود کو سنبھالو تعبیر۔ اگر اس طرح ٹوٹ جاؤ گی تو پھر تو بہت مشکل ہو جائے گی۔'' مشعل نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا۔

''وہ میری محبت ہے مشعل۔ میرا عشق، میرا جنون۔ اسے چھوڑنا میرے لیے آسان نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی میں نے اس سخت فیصلے کو چن لیا۔ جو میرے لیے بہت مشکل تھا۔ میں نے اس کا دل توڑ دیا مشعل۔ جب میں نے اس سے کہا مجھے تم سے شادی نہیں کرنی تو کیا کرب تھا اس کی آنکھوں میں۔ میں جانتی ہوں مشعل..... حمدان اس وقت سخت تکلیف میں ہوگا۔'' وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''تم خود کو سنبھالو تعبیر۔ جو ایک بار فیصلہ کر لیا ہے تو اس پر قائم رہنا۔ محبت قربانی مانگتی ہے۔ عشق جنون پر ختم ہوتا ہے۔ تو بس پھر تمہیں اسی دنیا میں آزمالیا گیا ہے۔ دیکھو کون کہہ سکتا تھا کہ تم اور حمدان بھی الگ بھی ہو سکتے ہو۔ لیکن قسمت کے لکھے سے کون واقف ہوتا ہے۔ کسے خبر تھی۔ یہ وقت بھی آئے گا لیکن تم اپنے دل کو سمجھاؤ۔ تم جو کچھ بھی کر رہی ہو، حمدان کے لیے ہی کر رہی ہو۔ اس کی محبت میں کر رہی ہو۔'' مشعل نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''کاش وہ دن میری زندگی میں کبھی نہ آتا۔ کاش مشعل میں وہاں نہ جاتی۔ لاعلمی اور بے خبری کیسی انمول نعمت ہوتی ہے۔'' آنسوؤں نے ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے رختِ سفر باندھا۔

وہ رو رہی تھی۔ درد تھا کہ پھر بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔ مشعل کبھی اسے چپ کرواتی تو کبھی خود بھی اس کے ساتھ رونے لگتی تھی۔ آخر کو وہ اس کی کزن بھی تھی، بیسٹ فرینڈ بھی اور بچپن سے کلاس فیلو بھی، اور ہم راز بھی۔ ایک وہی تھی جو تعبیر کے اسرار کو جانتی تھی۔

digest library.com

☆☆☆

حمدان کو رات بہت طویل اور لمبی لگ رہی تھی۔

اس رات کا ایک، ایک لمحہ صدیوں پر محیط لگ رہا تھا۔

''آخر یہ رات جلدی سے گزر کیوں نہیں جاتی۔''

وہ کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتا تو کبھی تھک کر واپس آ بیٹھتا۔ اس کے دل میں کئی بار یہ خیال آیا۔ ''میں تعبیر سے مل کر آؤں۔ یا پھر کم سے کم اس سے فون پر ہی بات کر لوں۔''

اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو اپنے سامنے پھیلایا اور پھر اپنے ہاتھ کو مضبوطی سے بند کر لیا۔ یہی وہ ہاتھ تھا جو اس نے تعبیر پر اٹھایا تھا۔ اس نے تو کبھی تعبیر کو غصے بھری نظروں سے نہیں دیکھا۔ کجا کہ آج وہ غصے میں اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا۔ لیکن یہ افسوس .... اس درد سے کم تھا جو تعبیر نے اسے اپنے لفظوں سے دیا تھا۔

''وہ جانتی ہے، وہ میرے لیے کیا ہے۔ پھر اس نے یہ سوچا بھی کیسے؟ کیسے اس نے یہ لفظ اپنے لبوں سے نکالے؟ اگر میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تو وہ کب میرے بغیر رہ سکتی ہے، محبت کے اس پلڑے میں کبھی کم یا زیادہ کی بات تو ہوتی ہی نہیں۔ دونوں محبت کے پلڑوں میں موجود محبت ایک جیسی تھی۔ وہ اس کا عشق تھا تو تعبیر اس کا جنون تھی۔ محبت کا پہلا اظہار آج بھی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ جب وہ سب ساحلِ سمندر کی سیر پر گئے ہوئے تھے اور حمدان سب کی نظروں سے چھپ کر تعبیر کا ہاتھ تھامے اسے اپنے ساتھ دور تک لے آیا۔

''سب سمجھیں گے ہم گم ہو گئے......'' وہ کہہ کر ہنسی اور پھر ہنستی چلی گئی۔ وہ فقط سترہ برس کی تھی اور حمدان انیس برس کا۔ الہڑ عمر کا بانکپن اور معصومیت جو اس کے چہرے کو سب سے الگ، سب سے جدا بناتی تھی۔ حمدان بے قراری سے اس کی سمت بڑھا۔ اور وہ جو سمندر کی جوش مارتی لہروں کی سمت متوجہ تھی۔ اپنے مقابل آ کر کھڑے حمدان کو حیرت سے دیکھنے لگی۔

''مجھے نہیں پتا محبت کیا ہوتی ہے۔ بس یہ جانتا ہوں جس منظر میں تم نہ ہو، مجھے وہ منظر بہت بے رنگ اور پھیکا لگتا ہے۔'' اس نے کہا تو سمندر کی بے خود بپھری لہروں نے اپنا آپ پوری شدتوں سے بلند و بالا چٹانوں

کے ساتھ ٹکرا دیا تھا۔ اس کی محبت کی دیوانگی اور جنون شاید لہروں میں بھی گھل گیا تھا۔

ہنستے ہوئے لب سمٹ گئے .... چہرے پر شرم کی لالی گھلنے لگی۔ لیکن آنکھوں میں یقین نہیں تھا۔ شاید وہ سوچ رہی تھی جو حمدان نے کہا وہ سچ ہے یا پھر ازراہِ مذاق۔ اسے تصدیق چاہیے تھی۔ اور وہ بے قراری میں اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ سیاہ کالی زلفیں کیچر کی مضبوط گرفت سے نکل کر ہوا کے سنگ کبھی شانوں پر آ گرتی، تو کبھی گالوں پر۔ بڑی، بڑی غلافی آنکھیں جن میں بھر بھر کر کاجل ڈالا گیا تھا، سحر زدہ کر رہی تھیں۔ البتہ چہرہ ہر قسم کے میک اپ سے عاری تھا۔ مگر پھر بھی بہت خوب صورت دکھائی دے رہا تھا۔

''میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں تعبیر۔'' اس کی آنکھوں میں چمک اٹھی۔ ایسی چمک جس نے حمدان اشرف کی روح تک کو روشن کر دیا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری۔ جس نے حمدان کے اردگرد کی دنیا کو حسین تر بنا دیا تھا۔ عقب میں نیلا سمندر اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت شور مچاتا ہوا کے سنگ گنگناتا اور مدھر سُروں کو فضاؤں میں بکھیرتا گزر رہا تھا۔ مگر اس وقت حمدان کو کائنات کی تمام تر خوب صورتی اپنے سامنے موجود چہرے پر بکھری ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا سفید آنچل ہوا کے سنگ اس کے عقب میں لہرا رہا تھا۔ مانو وہ اس وقت کسی دیوی کا روپ دھارے کھڑی تھی اور وہ داسی بنا اس کے سامنے گھٹنے ٹیکے زندگی کی امید جگائے آس بھری نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ ہاں زندگی محبت کا دوسرا نام ہی تو ہے۔ یہ دل پہلی بار جس کے لیے دھڑک جائے پھر تا عمر اسی کے نام پر دھڑکتا ہے اور یہ تو پھر ایک ایسے مرد کا دل تھا جو تعبیر کے لیے پوری شدتوں سے دھڑکتا تھا۔

''بولو ناں تعبیر تم خاموش کیوں ہو؟'' انتظار کی سولی اس کی گردن میں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ اسے سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔ یہ انتظار کس قدر جان لیوا ہوتا ہے۔ یہ اسے آج اور ابھی معلوم ہو رہا تھا۔

''کیا کہنا ضروری ہے؟'' تعبیر نے اپنی جھکی لانبی پلکوں کو اٹھایا اور لمحہ بھر کے لیے حمدان کی طرف دیکھا۔ آج سے پہلے نہیں بلکہ ابھی کچھ دیر پہلے تک تعبیر اس کے چہرے کو گھور، گھور کر دیکھتی، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی ہوتی اور اب اظہارِ محبت کا اثر تھا یا پھر کچھ اور وہ اس کی طرف دیکھ ہی نہیں پا رہی تھی۔

''ہاں! ضروری ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں۔ کیا تم بھی میرے لیے وہی محسوس کرتی ہو، جو میں تمہارے لیے محسوس کرتا ہوں۔'' وہ دو قدم آگے بڑھ آیا۔

تعبیر نے نظروں کو پھیرا اور سامنے نیلگوں سمندر پر نظر جمائی۔

''پتا نہیں محبت کیا ہے۔ لیکن جب تم ساتھ نہ ہو تو مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ میں اپنی زندگی کا ہر سفر تمہارے ساتھ طے کرنا چاہتی ہوں۔ تم کبھی میرا ساتھ تو نہیں چھوڑو گے ناں۔'' بھوری آنکھوں میں ڈر در آیا تھا۔

''کبھی نہیں، کبھی نہیں۔'' حمدان نے جوش سے چلا کر کہا تو تعبیر شرما کر اس کے سامنے سے بھاگتی ہوئی چلی گئی۔ وہ خوش تھا۔ اور بہت خوش تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا، وہ خوشی سے چلائے، گھومے، ہر ایک کو پکڑ، پکڑ کر بتائے۔ اس نے ہنستے ہوئے سمندر کی شرارتی لہروں کو دیکھا اور پھر جیسے ہی جانے کے لیے پلٹا۔ اس کے سامنے مشعل آ گئی۔ اس کے چہرے پر عجب تاثر تھا کہ اسے بلانے کے لیے آئی مشعل ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ تعبیر اور حمدان کی پھپو کی بیٹی تھی اور یہ سب ایک ہی سوسائٹی میں رہتے تھے۔

''کیا بات ہے حمدان؟'' مشعل پوچھے بنا نہیں رہ سکی۔

''وہ مجھ سے محبت کرتی ہے مشعل۔ بالکل ویسے ہی جیسے میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا مشعل، میں آج کتنا خوش ہوں۔'' وہ خوشی سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

''کون محبت کرتی ہے تم سے؟'' مشعل سمجھی نہیں۔

''تعبیر...... تعبیر۔'' اس نے مشعل کو دونوں کندھوں سے تھام کر گھما ڈالا تھا۔

کوئی گاڑی تیزی سے ہارن بجاتی ہوئی گزری تھی۔ حمدان اپنے خیالوں سے چونکا اور غائب دماغی سے اپنے کمرے کی کھلی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے گہری سانس لے کر اپنے اندر کی گھٹن کو فضا کے سپرد کیا اور اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ سڑک پر اکا دکا کاریں محو سفر تھیں۔ جانے کون شخص تھا جو تیز ہارن بجاتا یہاں سے

گزرا تھا کہ حمدان کے حسین خیال اس کی نظروں سے محو ہو گئے۔اس نے غصے سے کھڑکی کو بند کیا اور بیڈ پر آ بیٹھا۔

''تم نے تو کہا تھا زندگی کے ہر سفر میں میرا ساتھ دینا۔میں نے تو اس کو نبھایا ہے تعبیر اور ہمیشہ نبھاؤں گا۔ لیکن یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔تم تو بیچ راہ میں ہی ہاتھ چھڑانے کی بات کر رہی ہو۔'' اس نے سوچا اور سائڈ ٹیبل پر پڑی سگریٹ اور لائٹر کو اٹھالیا۔''تم جانتی ہو، میں اس وقت کتنی تکلیف میں ہوں۔ کس قدر کرب میں ہوں۔اور تم یہ بھی جانتی ہو، میں تمہارے فون کے انتظار میں ساری رات جاگوں گا۔ مجھے یقین ہے تم مجھے کال ضرور کرو گی۔مجھ سے معافی مانگو گی اور کہو گی یہ تو بس مذاق تھا۔تعبیر تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' وہ گہرا کش لیتا خیالوں میں اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

تعبیر جو چند لمحے پہلے ہی تکیے پر سر رکھ کر لیٹی تھی۔ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہوا؟'' مشعل جو اس کے پاس ہی موجود تھی۔فون چھوڑ کر تعبیر کی طرف متوجہ ہوئی۔

''وہ مجھے یاد کر رہا ہے۔اسے لگ رہا ہے میں اسے فون کروں گی اور اس سے معافی مانگوں گی۔مجھے پتا ہے مشعل وہ اس وقت بھی سوچ رہا ہوگا۔'' تعبیر روتے ہوئے اس کے گلے آ لگی۔

''خود کو سنبھالو تعبیر۔تمہیں مضبوط بننا ہے۔اگر تم اس طرح ٹوٹ کر بکھرو گی تو پھر کیسے یہ سب کر پاؤ گی۔ ایک بات یاد رکھنا صبح کا سورج اپنے ساتھ نہ جانے کیا کچھ لے کر طلوع ہوگا۔حمدان اتنی آسانی سے پیچھے نہیں ہٹے گا اور نہ ہی کوئی اور تمہاری اس بات کو مانے گا...... ایک کہرام ہے جو برپا ہوگا۔تم ابھی یہ فیصلہ کر لو۔تمہیں کیا کرنا ہے۔اگر تمہارے اندر یہ سب کچھ سہنے کی ہمت نہیں ہے تو اس بات کو یہی ختم کر دو اور حمدان سے شادی کر لو۔''

تعبیر جو اس کی بات خاموشی سے سن رہی تھی، زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''مجھے حمدان سے شادی نہیں کرنی مشعل، کبھی نہیں کرنی۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔خود کو مضبوط رکھو۔اور ہر بات کو ذہن سے جھٹک دو۔دیکھو دکھ تو ہوگا تمہیں بھی اور حمدان کو بھی......اور باقی سب گھر والوں کو بھی۔لیکن یہ دکھ اس دکھ سے بہت کم ہے جو مستقبل میں تمہیں ملنے والا ہے۔'' مشعل نے اس کا مومی ہاتھ سہلاتے ہوئے فکرمندی اور محبت سے بھرے لہجے میں کہا تو تعبیر نے ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔اور پھر واپس اپنا سر تکیے پر رکھ دیا۔

زندگی بدلنے کے لیے صدیوں کی ضرورت کب پڑتی ہے۔حادثے تو اچانک رونما ہو جاتے ہیں۔بدلنے کا عمل تو لمحوں میں وقوع پزیر ہو جاتا ہے۔کب سوچا تھا تعبیر نے ، اس کی زندگی اس طرح بدل جائے گی۔ایک یہ بھی وقت آئے گا جب وہ خود اپنے ہاتھوں سے حمدان کو اپنی زندگی سے باہر نکال دے گی۔کب سوچا تھا اور کس نے سوچا تھا؟

وہ سوچتے ،سوچتے گہری نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔اس کے سونے کے بعد مشعل نے بھی اپنا فون رکھا اور لیٹ گئی۔اگلی صبح ہنگامہ خیز ثابت ہونے والی تھی اور اس کے لیے چند گھنٹے کی نیند بہت ضروری تھی۔

digest library.com

☆☆☆

اگلے دن حمدان کی دونوں بہنیں گھر آچکی تھیں۔

''شادی کی تاریخ لینے جانا ہے۔'' شہلا بیگم نے مختصراً دونوں شادی شدہ بیٹیوں سے کہا جو اسی شہر میں بیاہی گئی تھیں۔تیسری بہن شارجہ میں مقیم تھی اور حمدان ان کا اکلوتا بھائی تھا۔

''شادی کی تاریخ لینے جانا ہے۔یہ کیا مذاق ہے مما!'' ہما نے حیرت سے فائزہ کی طرف دیکھا جو خود اس سب سے لاعلم تھی۔اور پھر دونوں نے استفہامیہ نظروں سے باپ کی جانب دیکھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے تمہاری ماں۔'' اشرف صاحب نے کہا۔

''لیکن مما حمدان......'' فائزہ نے کچھ کہنا چاہا۔

''چلو بچو......اٹھو! دیر مت کرو۔'' اشرف صاحب تو جیسے خود جلدی میں تھے، کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔فائزہ اور ہما نے الجھ کر سامنے صوفے پر بیٹھے حمدان کی طرف دیکھا جو بالکل خاموش تھا۔بلکہ مضمحل اور پژمردہ نظر آرہا تھا۔اس کی سرخ آنکھیں رت جگے کی چغلی میں مصروف تھیں۔

''چلو بھئی، یہ سارا سامان اٹھاؤ اور ندیم کے گھر لے چلو۔'' اشرف صاحب نے اپنے ملازم سے پھلوں، مٹھائی کے ٹوکروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور شہلا بیگم کو

ساتھ آنے کا اشارہ کر کے باہر کی جانب بڑھے۔

''پاپا......! میں بھی چلوں گا۔'' حمدان بے تابی سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ بیٹے کی بات سن کر اشرف صاحب لمحہ بھر کے لیے رکے، کچھ سوچا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ کون سا غیر ہے۔ گھر کی تو بات تھی۔

حمدان تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھا اور پانچ منٹ میں چینج کر کے واپس آ گیا۔ نکلنے سے پہلے اس نے پھر سے اپنا فون چیک کیا۔ شاید تعبیر کا کوئی میسج یا کال موجود ہو، مگر نہیں۔ غصے سے اس نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو مٹھیوں میں بھینچا اور آگے بڑھ گیا۔ ہما اور فائزہ تو پہلے ہی باپ کے پیچھے جا چکی تھیں۔ شہلا بیگم حمدان کے ساتھ تعبیر کے گھر آ چکی تھیں۔

☆☆☆

ان کے آنے کا مقصد سن کر ایک لمحے کے لیے تو ندیم صاحب شپٹا ہی گئے لیکن پھر جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔

''گھر کا بچہ ہے اور گھر کی بچی ہے۔ تیاریوں کی تم فکر مت کرو۔ ہاتھ میں پیسے ہوں تو سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔'' بھائی اور بھابی کی رضامندی دیکھ کر اشرف اور شہلا بھی مطمئن ہو گئے تھے۔ اور اب خوشگوار موڈ میں چائے پینے کے ساتھ شادی کی تیاریوں پر بات چیت کر رہے تھے۔ عادل اپنی اکلوتی پھپھو اور ساس کو بلا لایا۔ عنایہ اس کی پھپھو سامیہ بیگم کی بیٹی تھی اور مشعل، عنایہ کی چھوٹی بہن۔ مشعل اچانک لاؤنج میں آئی تو ٹھٹک کر رک گئی۔ پھپھو تو سنتے ہی خوشی سے نہال ہو گئیں اور پٹاپٹ حمدان کی ڈھیروں بلائیں لے ڈالیں۔

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا، گھر کے بچے ہیں۔ پڑھائی بعد میں مکمل ہوتی رہے گی۔ شادی کر دیتے ہیں۔ ارے بھئی گھر میں ڈھولک بجے کتنے سال ہو گئے۔ یہ عنایہ اور عادل کی شادی میں ڈھولک بجی تھی۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے بیٹی اور داماد کی طرف اشارہ کیا تو سب ہی ہنس پڑے۔

''میں ایسے ہی پریشان ہو رہا تھا۔ سب میرے ساتھ ہیں۔ تعبیر کی تو ایسی کی تیسی۔ اسے تو میں بعد میں پوچھوں گا۔ ایک بار شادی تو ہو جائے ذرا۔'' حمدان نے ریلیکس ہو کر بیٹھتے ہوئے دل ہی دل میں کہا اور مسکراتے ہوئے سب کی طرف دیکھا۔ مشعل خاموشی سے تعبیر کے کمرے کی طرف پلٹ گئی تھی۔

''تو پھر کب کی تاریخ ٹھیک رہے گی۔ میں تو کہہ رہا ہوں حمدان آیا ہوا ہے۔ کیوں نہ ہم اسی ہفتے شادی کی تاریخ طے کر لیں۔'' اشرف صاحب تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے درپے تھے۔

ان کی بات پر ندیم اور منا بیگم دونوں ہی اچھل پڑے۔

''اب اتنی بھی جلدی ٹھیک نہیں بھائی صاحب، سو طرح کے کام ہوتے ہیں شادیوں کے۔ اور پھر یہ ہمارے گھر کی آخری شادی ہے۔ اور پھر جناب یہ آپ کے اکلوتے بیٹے کی شادی ہے۔ شادی تو دھوم دھام سے ہو گی۔ یہ تو بہت ہی جلدی ہے۔'' ندیم صاحب نے کہہ کر مدد طلب نظروں سے بہن کی طرف دیکھا۔

''کہہ تو ندیم بالکل ٹھیک ہی رہا ہے بھائی صاحب۔'' بہن فوراً چھوٹے بھائی کی مدد کے لیے آگے بڑھی۔

''بھئی یہ تو غلط ہے۔ تم دونوں مل جاتے ہو اور میری کوئی بات نہیں مانتے۔'' اشرف صاحب نے ننھے کے بچوں کی مانند روٹھتے ہوئے کہا۔

''اگلے ماہ کے پہلے ہفتے میں سے کوئی بھی تاریخ طے کر لیں۔'' سامیہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا تو اشرف صاحب فوراً ہی راضی ہو گئے۔

''یہ ٹھیک ہے۔''

''اُفوہ! سامیہ تمہیں تو کبھی عقل نہیں آئے گی۔ ڈیڑھ دو ماہ کی تاریخ تو دیتیں۔'' ندیم صاحب نے اب کے چھوٹی بہن کو گھورا۔

''لو بھئی، دیکھ رہی ہیں شہلا بھابی اور منا بھابی۔ میرے تو دونوں بھائیوں کو میری کوئی بات پسند ہی نہیں آتی۔ اللہ کبھی دو بھائیوں کو اکلوتی بہن نہ دے۔'' سامیہ بیگم نے بھائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے مصنوعی خفگی سے کہا تو ان کی اس بات پر وہاں موجود سب لوگ ہی مسکرا دیے۔ وہ تینوں بہن بھائی ایسے ہی تھے۔ ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے، جان دینے والے۔ دونوں بھائیوں کی کوئی بھی بات چھوٹی بہن کے بنا مکمل نہیں ہوتی تھی اور پھر جو بات یا فیصلہ سامیہ کر دیتی دونوں بھائی اس پر دل و جان سے راضی ہو جاتے۔ دوست، احباب، رشتے داروں میں ان کی فیملی کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ پیار، محبت، خلوص اس خاندان کے ہر فرد میں موجود تھا۔

''بس ٹھیک ہے ندیم بھائی! ہم اگلے ماہ بارات لے کر آ رہے ہیں۔'' سامیہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی تعبیر تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی آئی۔ ''پھپو مجھے ایک بات کہنی ہے۔'' وہ بنا اِدھر اُدھر دیکھے سامیہ پھپو کو مخاطب کر کے بولی۔ حمدان کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

''ہاں...... ہاں! پھپو کی جان بولو۔'' سامیہ نے اپنے دونوں بازو تعبیر کے لیے پھیلاتے ہوئے محبت سے کہا۔ لیکن ان کے پھیلے ہوئے بازوؤں میں تعبیر نہیں سمائی تھی۔ وہ وہیں کھڑی اپنی مخروطی انگلیوں کو مروڑنے میں مصروف تھی۔ پھپو نے حیرت سے اپنے پھیلے ہوئے بازوؤں کو سمیٹا اور استفہامیہ نظروں سے تعبیر کی طرف دیکھا۔

تعبیر کی اس حرکت پر منا بیگم غصے سے پہلو بدل کر رہ گئی تھیں۔

''بولو تمہیں کیا کہنا ہے؟'' ندیم صاحب کی آواز گونجی تو تعبیر نے مشکل سے سر اٹھا کر ان سب کی طرف دیکھا۔

''پاپا مجھے حمدان سے شادی نہیں کرنی۔ آپ انکار کر دیں۔ بلکہ یہ رنگ بھی واپس کر دیں۔'' تعبیر نے کہتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی سے ڈائمنڈ رنگ اتارنی چاہی لیکن اس سے پہلے ہی حمدان غصے سے اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔

''تم نے اگر کوئی بھی بکواس کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''مجھے تم سے شادی نہیں کرنی۔'' تعبیر نے اس کی شعلہ بار آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے خوفی سے کہا۔

''تم!'' حمدان صوفے کے پیچھے سے نکلا اور......

''حمدان۔'' اشرف صاحب کی آواز اسے رکنے پر مجبور کر گئی تھی۔

''پاپا یہ......'' اس نے پلٹ کر جھنجلا کر کہا۔

''ٹیک اٹ ایزی۔ ہمیں اس سے بات کرنے دو۔'' انہوں نے سختی سے کہا تو حمدان پیچھے ہٹ کر باہر نکل گیا۔

''کیا بکواس ہے یہ۔'' ندیم صاحب درشتگی سے کہتے ہوئے کھڑے ہوئے۔

''تایا جان مجھے حمدان سے شادی نہیں کرنی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''میں تمہیں زمین میں گاڑ دوں گا تعبیر، اگر تم نے ایک بار پھر یہ بات کی۔'' عادل کا ضبط جواب دے چکا تھا۔ فائزہ، ہما کے ساتھ ساتھ شہلا اور منا تو خود دم سادھے، آنکھیں پھاڑے تعبیر کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''تم سب لوگ اپنے غصے کو قابو میں رکھو۔'' اشرف صاحب نے درشتگی سے کہتے ہوئے عادل کی طرف دیکھا۔

''اشرف بھائی یہ ہمیں ذلیل کروانا چاہتی ہے۔ ہمارے رشتوں میں دراڑیں ڈالنا چاہتی ہے۔ لاڈ پیار کا یہ مطلب نہیں ہے۔ اس کے دل میں جو بھی آئے گا۔ یہ منہ پھاڑ کر بول دے گی اور ہم سن لیں گے۔'' ندیم کا بس نہیں چل رہا تھا تعبیر کا دماغ کیسے ٹھیک کریں۔

''میں خود اپنی بیٹی سے بات کرلوں گا۔ تم میں سے کوئی بھی نہیں بولے گا۔ جاؤ تعبیر بیٹا تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' اشرف صاحب نے روتی ہوئی تعبیر کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

روتی ہوئی تعبیر پلٹی اور بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے مشعل کی طرف دیکھا جو اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''مشعل مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' اس نے کہا اور بہت بے دردی سے اپنے گالوں پر آنے والے آنسوؤں کو صاف کرنے لگی۔

''تعبیر......'' مشعل نے کچھ کہنا چاہا۔

''پلیز مشعل مجھے اکیلا رہنا ہے۔'' تعبیر نے کہا تو مشعل او کے کہہ کر دروازے کی سمت بڑھی اور باہر نکلنے سے پہلے پلٹ کر تعبیر کی طرف دیکھا جو اب رو نہیں رہی تھی۔ اس نے گہری سانس بھری اور باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد تعبیر اوندھے منہ بیڈ پر گر کر اپنا چہرہ تکیے میں چھپا چکی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ بات اسے سب کی نظروں میں گرا دے گی۔ سب اس پر غصہ کریں گے۔ ناراض ہوں گے۔ لیکن وہ فیصلہ کر چکی تھی اور اب اسے اس فیصلے سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹنا تھا۔ اس کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور تایا جان کمرے میں آ چکے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ سیدھی اٹھ کر بیٹھ چکی تھی۔

اشرف صاحب دھیرے، دھیرے چلتے ہوئے آئے اور اس کے پاس آ بیٹھے۔ انہوں نے گردن موڑ کر اپنے پاس بیٹھی تعبیر کو دیکھا جو نظریں جھکائے جانے اپنے ہاتھ کی لکیروں میں کیا تلاش کر رہی تھی۔

''تعبیر بیٹا کیا بات ہوئی ہے۔ کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟'' انہوں نے گلا کھنکھار کر بات کو شروع کیا۔

''تایا جان، میں حمدان سے شادی نہیں کر سکتی۔ بس مجھے اس سے شادی نہیں کرنی۔'' اس نے پھر سے وہی بات دہرائی جو پہلے بھی کہہ چکی تھی۔

''کیوں شادی نہیں کرنی۔ آخر اچانک ایسا کیا ہوا ہے؟ کیا حمدان نے کچھ کہا ہے؟ تمہاری تائی نے کچھ کہا ہے۔ بیٹا کیا مسئلہ ہے؟ آخر کوئی تو وجہ ہوگی انکار کی؟'' تایا جان نے بے قراری سے استفسار کیا۔

''میں وجہ نہیں بتا سکتی۔'' وہ سر جھکائے آہستگی سے بولی۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ کیا تم نے سوچا ہے تمہارے اس انکار سے کتنے لوگ ڈسٹرب ہوئے ہیں۔ سب سے بڑھ کر حمدان۔ تم جانتی ہو ناں بیٹا، وہ تم سے کتنا پیار کرتا ہے۔''

''میں بھی اس سے بہت پیار کرتی ہوں تایا جان۔'' تعبیر کے دل نے دہائی دی مگر اس کے لبوں پر قفل تھا۔

''تعبیر اس طرح خود کو اور ہم سب کو اذیت مت دو۔ میرا بیٹا تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ وہ یہ سب برداشت نہیں کر پائے گا۔'' حمدان کا سوچ کر اشرف صاحب مضطرب ہوئے۔

''تایا جان اگر آپ سب نے ضد کی اور زبردستی میری شادی حمدان سے کروائی تو میں...... تو میں سچ میں اپنی جان دے دوں گی۔'' وہ کہہ کر اٹھی اور جا کر ٹیرس کے کونے میں چھپ کر بیٹھ گئی۔

اشرف صاحب اس کی بات پر ساکت سے بیٹھے رہ گئے۔ کتنی مشکل سے وہ اٹھے تھے اور لڑکھڑاتے ہوئے سیڑھیاں اتر آئے تھے۔ سب کی استفہامیہ نظریں ان کے زرد چہرے پر تھیں۔

''پتا نہیں تقدیر نے کون سا کھیل کھیلا ہے۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہہ کر بیرونی دروازے کی سمت بڑھے۔

''تایا جان!'' عادل ان کے تعاقب میں لپکا۔

''اس کی ایک ہی رٹ ہے۔ اگر حمدان سے شادی کروائی تو وہ اپنی جان دے دے گی۔'' اشرف صاحب کی بات پر عادل اپنی جگہ رک گیا۔ ''مجھے نہیں معلوم کیا ہو گا۔ اس وقت میری سوچنے اور سمجھنے کی تمام صلاحیتیں بے کار ہو چکی ہیں۔ بیٹے کا سوچوں تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔ تعبیر کا سوچوں تو دل گھبرا رہا ہے۔'' وہ نم آنکھوں سے کہتے ہوئے پلٹ گئے۔ ان کے عقب میں شہلا بیگم اور فائزہ، ہما بھی روتی ہوئی نکل چکی تھیں۔ غصے کی ایک شدید لہر نے عادل کے سارے وجود کو لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ پلٹا اور غیظ و غضب میں بھرا ابہن کے کمرے کی طرف لپکا۔

''عادل میری بات سنیں۔'' عنایہ نے اسے روکنا چاہا۔ مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر سیڑھیاں چڑھ چکا تھا۔

''ماموں، ممانی...... پلیز عادل کو روکیں۔ وہ بہت غصے میں ہیں۔'' عنایہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں ماموں ممانی سے کہا۔ وہ دونوں خاموشی سے وہیں سر جھکائے بیٹھے رہے تو عنایہ کو خود ہی عادل کے پیچھے جانا پڑا تھا۔

digest library.com

☆☆☆

عادل نے دھڑ سے دروازہ کھولا اور تعبیر کے کمرے میں داخل ہوا۔ ''تعبیر...... تعبیر۔'' وہ اسے اونچی آواز میں آوازیں دیتا ہوا کمرے کے بیچ میں کھڑا تھا۔ تعبیر جو ٹیرس کے کونے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنے آنسوؤں کو صاف کرتی کمرے میں آئی۔

''اتنے لوگوں کو دکھ اور درد میں مبتلا کرتے ہوئے تمہیں ذرا سی بھی شرم نہیں آئی۔'' وہ اس کے پاس آ کر غرایا۔

''بھائی۔'' تعبیر نے کبھی عادل کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

''تم نے اگر اپنی بکواس بند نہ کی تو یاد رکھنا مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تمہاری شادی حمدان سے ہی ہوگی۔ اور یہ آج کی بات نہیں ہے۔ برسوں سے طے ہے یہ بات۔ تم ابھی اسی وقت میرے ساتھ چلو اور تایا، تائی، حمدان سے معافی مانگو گی۔'' کہتے ہوئے عادل نے اسے بازو سے دبوچا۔

''بھائی چھوڑ دیں مجھے۔'' اس نے اپنا بازو عادل کی گرفت سے نکالتے ہوئے کہا۔

''تعبیر میں تمہیں......'' عادل نے غصے سے پاگل ہو کر اسے مارنا شروع کر دیا۔ تعبیر کچھ بھی کہے بنا اس سے مار کھاتی رہی۔

''عادل، عادل۔ آپ پاگل ہو گئے ہیں۔ چھوڑیں تعبیر کو۔'' عنایہ نے مار کھاتی تعبیر کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے عادل کو روکا۔

''تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ یہ ابھی اسی وقت میرے ساتھ جائے گی۔ اور سب سے معافی مانگے گی۔'' عادل نے عنایہ کو پیچھے کرنے کی کوشش کی۔

''عادل بس کریں۔ تعبیر کے ماں باپ زندہ ہیں۔ جو کچھ کہیں گے، ماموں، ممانی کہیں گے۔ آپ کون ہوتے ہیں اسے اس طرح بے دردی سے مارنے والے۔'' عنایہ کہتے ہوئے عادل کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔

''اسے کہہ دو۔ سب ٹھیک کردے۔ ورنہ یہ میرے لیے زندگی بھر کے لیے، جیتے جی مرجائے گی۔ میں اس کی شکل تک نہیں دیکھوں گا۔ بھول جاؤں گا میری کوئی بہن بھی تھی۔'' وہ کہتا، غصے سے کف اڑاتا تعبیر کے کمرے سے جاچکا تھا۔

''ایسے مت کہیں بھائی، پلیز ایسے مت کہیں۔''

اس کی ہر فریاد بیکار ٹھہری تھی۔ ''بھائی، بھائی...... بھائی سے کہیں، خدا کے لیے ایسے مت کہیں۔'' وہ روتے ہوئے عنایہ سے کہنے لگی تو عنایہ نے جھک کر روتی ہوئی تعبیر کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

''تم بھی کیوں عجیب ضد باندھ کر بیٹھ گئی ہو۔ تعبیر سب کچھ ٹوٹ جائے گا۔ فنا ہو جائے گا۔ مان جاؤ تعبیر ایسے انکار مت کرو، آخر مسئلہ کیا ہے۔'' اس کی پشت سہلاتے، اسے چپ کروانے کی کوشش کرتے ہوئے عنایہ خود بھی رو دی تھی۔

☆☆☆

اس بار نومبر اوائل میں بھی بھیگ رہا تھا۔ کبھی صبح کو پڑتی پھوار موسم میں بڑھتی خنکی کو بڑھا دیتی تو کبھی بارش شام کو بھگو ڈالتی۔ پہاڑوں پر برف جمنے لگتی۔ سورج اگر آسمان پر براجمان ہوتا بھی تو بادلوں کے سامنے گھبرا کر چھپ جاتا۔ آگ کا گولہ برف کا گولہ لگنے لگا تھا۔ وہ چھت پر سر اوپر کی جانب اٹھائے بادلوں سے ڈھکے آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان چند دنوں میں وہ کتنی تنہا اور اکیلی رہ گئی تھی۔ یہ اس کے سوا کون جانتا تھا۔

''نہ جانے اس فیصلے کے نتیجے میں مجھے اپنوں کی بے اعتنائی اور بیگانگی کب تک سہنی پڑے گی۔'' وہ بادلوں کو ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور ساتھ میں گہری سوچوں میں گھری ہوئی تھی۔ دفعتاً اس کا عجیب انداز سے دل دھڑک اٹھا۔ اس کی دھڑکنوں کے شور نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ وہ اپنی نظروں کو آسمان سے ہٹائے اور اپنے اردگرد دیکھے۔ اس نے اپنی اٹھی گردن کو نیچے کیا اور دائیں جانب دیکھا۔ بلیک جینز کی پینٹ کے ساتھ بلیو شرٹ کے اوپر بلیک جیکٹ پہنے وہ خاموشی سے اس کے پاس کھڑا تھا۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ ایک تکلیف بھی جو تعبیر کے دل میں اٹھی تھی۔ ایسا کب ہوتا تھا۔ وہ سامنے ہوتی اور اس کی نظر اس کے چہرے سے ہٹ کر کہیں اور مرکوز ہو جاتی۔ وہ اس کے چہرے، اس کے نقوش کو یوں دیکھتا جیسے حفظ کر رہا ہو، اور وہ اکثر اس کی اس عادت پر چڑ جاتی۔ ''میرے چہرے سے نظریں ہٹاؤ۔'' وہ کہتے ہوئے رخ بدل جاتی اور وہ زبردستی اسے پھر سے اپنے سامنے کھڑا کر لیتا۔

''میں کیا کروں۔ مجھے اس چہرے کے سوا کچھ اور اچھا نہیں لگتا۔'' وہ جھک کر اس کی بھوری آنکھوں میں جھانک کر کہتا تو اسے اور بھی غصہ آ جاتا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ تم کیا دنیا سے انوکھے ہو۔'' وہ ناک چڑھا کر کہتی تو وہ بے ساختہ ہی مسکرا دیتا۔

''ہاں ہوں۔ انوکھا بھی اور اکلوتا بھی۔'' وہ اس کی ناک کھینچتے ہوئے بولتا تو وہ کتنے ہی مکے اس کے بازو اور سینے پر مار دیتی تھی۔

''پاگل۔'' وہ اتنی محبت سے کہتا کہ جیسے جہاں بھر کی محبتیں سمٹ کر اس کے اس لفظ میں سما جاتیں۔ اس کا جی چاہتا۔ وہ اس کے عشق کی پازیب اپنے پاؤں میں پہنے... اور چھن چھن کرتی پھرے۔

''کیا چیز تمہیں مجھ سے دور لے جا رہی ہے تعبیر؟'' وہ جیسے تھک کر بولا تھا۔ تعبیر اس کی آواز پر چونکی، خیالوں کا محل چھناکے سے ٹوٹ گیا تھا۔ حمدان کے لہجے کا ٹوٹا پن اس محل کے ٹوٹے کانچ سے زیادہ تیز تھا۔ لیکن عجب تھا۔ آج اس کی آنکھیں بھیگی نہیں تھیں۔ آنکھوں میں ویرانی ہنوز برقرار تھی۔ اس نے گہری سانس بھری اور سانس کو فضا کے سپرد کر دیا۔ اور نظریں اٹھا کر حمدان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی رقم تھی۔ اس کے رویے سے لے کر، اس کے چہرے تک پر نہ تو غصہ تھا اور نہ ہی ناراضی۔ بس دکھ تھا۔ جو پہلی نظر میں ہی مقابل کو نظر آ رہا تھا۔

''تم نے سوچ بھی کیسے لیا تعبیر، تم مجھے خود سے دور کر سکتی ہو۔ میں چاہوں تو تم سے لڑ سکتا ہوں۔ تمہیں ڈانٹ سکتا ہوں۔ لیکن میں اب ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ پتا ہے کیوں تعبیر؟'' اس نے گردن گھما کر اپنی جانب دیکھتی تعبیر کی آنکھوں میں جھانکا۔

اس کا دل دھڑکا۔ زندگی اس کے نام کے ساتھ کتنی حسین تھی۔ کس قدر خوب صورت تھی۔ ہوا اپنے سنگ ڈھیروں سُر لے کر گنگنائی اور اس کے گرد محو رقص تھی۔ بادلوں نے جھک، جھک کر تعبیر کے ساتھ کھڑے حمدان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر اڑتے پرندوں نے پرواز روک کر محبت کے اس حسین جوڑے کو دیکھا اور پھر اپنی زبان میں محبت کے نغمے گاتے آگے بڑھ گئے۔ وہ بنا پلکیں جھپکے سانس روکے حمدان کو دیکھ رہی تھی کہ جب حمدان نے اپنے اور اس کے بیچ فاصلے کو ختم کر دیا تھا۔

''تم کچھ بھی کرلو تعبیر میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں اگر ابھی شادی نہیں کرنی تو مت کرو۔ تم جب کہو گی۔ ہم تب شادی کرلیں گے۔ لیکن اپنی سوچ سے اس فضول خیال کو نکال دو کہ میں تمہیں خود سے دور جانے دوں گا۔'' وہ کہتا ہوا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ہوا کے دوش پر سرسراتی ہوئی لہریں آئیں اور تعبیر کے سلکی سیاہ بالوں کو بکھرا گئیں۔ کتنی ہی لٹیں اس کے چہرے کے گرد آن گری تھیں۔ اس سے پہلے کہ تعبیر ہاتھ اٹھا کر انہیں پیچھے کرتی، حمدان کا ہاتھ اٹھا اور اس کے چہرے پر بکھرے بالوں پر آن ٹھہرا۔ یہ بس کچھ لمحوں کی بات تھی۔ جنون بکھر گیا تھا۔ بجی ہوئی انجمن میں زلزلہ آیا تھا۔ تعبیر نے خفگی سے حمدان کا ہاتھ جھٹکا اور اس سے دور ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ حمدان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا۔

''تعبیر میں تمہیں آرام سے سمجھا رہا ہوں۔ اپنے اس پاگل پن کو ختم کرو۔'' وہ ناراضی سے بولتا ہوا اسے گھورنے لگا۔

''میں نے جو کہنا تھا، بس کہہ چکی۔ بار، بار مجھے ڈسٹرب مت کرو حمدان۔ تمہارے یا کسی کے کہنے سے میرا فیصلہ نہیں بدلے گا۔'' وہ کہہ رہی تھی اور حمدان...... حمدان کو سمجھ نہیں آرہا تھا۔ یہ کون سی تعبیر ہے۔ جس کے وجود سے وہ لاعلم تھا۔ یہ تعبیر اس تعبیر سے بہت مختلف تھی۔ جسے وہ جانتا تھا یا جس سے اس نے محبت کی تھی۔

''تو پھر تم مجھے مجبور کر رہی ہو۔ میں وہی کروں جو مجھے سب کرنے کا کہہ رہے ہیں۔'' اس نے کہہ کر اپنے لب کچلتی تعبیر کی طرف دیکھا۔ جانے کیوں یک دم اسے اس پر ترس آیا تھا۔

''کیوں کر رہی ہو ایسا تعبیر۔ ایک بار مجھے بتاؤ تو، میں وہی حمدان ہوں بلکہ تمہارا حمدان ہوں۔ ایک بار یقین تو کرو۔'' کہتے ہوئے حمدان نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔

''دور رہو مجھ سے، تمہیں سمجھ میں نہیں آرہا۔'' وہ اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے ہذیانی انداز میں چلاتے ہوئے بولی۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔ میں بھی دیکھتا ہوں۔ تم کیسے انکار کرتی ہو۔ تمہاری شادی مجھ سے ہوگی۔ اور اسی تاریخ پر ہوگی۔ جس تاریخ کو طے کی گئی ہے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ حمدان اشرف کا۔'' وہ غصے میں انگلی اٹھا کر اسے خبردار کرتا پلٹ گیا تھا۔ اور وہ...... اس کے جانے کے بعد وہیں اپنے گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگی تھی۔ فیصلہ تو ہو چکا تھا۔ اور پھر اس فیصلے کی کوئی بھی قیمت کیوں نہ ہوتی۔ تعبیر وہ قیمت دینے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ پھر چاہے اس کی قیمت اس کی جان ہی کیوں نہ ہوتی۔

☆☆☆

اور پھر اس شام ایک بار پھر سب ان کے گھر اکٹھے ہو چکے تھے۔ ان سب کا یہی کہنا تھا کہ تعبیر کی بات پر دھیان دیے بنا شادی کی تاریخ رکھ دی جائے۔ تاکہ باقاعدہ شادی کی تیاریوں کا آغاز کر دیا جائے۔ وہ سب ایک دوسرے کے ہم نوا تھے، ہم خیال تھے۔ اور وہ جلے پیر کی بلی کی طرح اپنے کمرے میں پھر رہی تھی۔ وہ ایک دو بار دروازے کے قریب آئی اور پھر واپس بیڈ پر آبیٹھی۔ وہ سخت مضطرب تھی، پریشان تھی۔ صوفے کے کونے پر بیٹھی مشعل وقتاً فوقتاً اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تم وقت ضائع کر رہی ہو تعبیر باہر سب کچھ طے ہو جائے گا۔ اور پھر روکنا مشکل ہو جائے گا۔''

''میں، میں کیا کروں مشعل۔ میں اس وقت بہت تکلیف میں ہوں۔ بہت درد میں ہوں۔ میرے ساتھ کیوں ایسا ہوا ہے۔ میں نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا۔ کسی کا برا نہیں سوچا۔ تو پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟''

''یہ وقت سوچنے کے لیے بہت وقت ہے۔ لیکن پہلے باہر ہونے والی میٹنگ کا سوچو۔ وہ لوگ باقاعدہ تاریخ طے کر رہے ہیں؟'' مشعل نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ تعبیر نے بائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا۔ اور الجھ کر مرے، مرے قدموں سے باہر چلی آئی۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟ فوراً اپنے کمرے میں جاؤ۔ مشعل...... مشعل۔'' عادل بھائی نے چلا کر تعبیر کے عقب میں آئی مشعل کو پکارا۔

''جج...... جی عادل بھائی۔'' وہ تیزی سے آگے آئی۔

''اسے فوراً اس کے کمرے میں لے جاؤ۔'' عادل بھائی نے مشعل کو تحکم بھرے لہجے میں کہا۔

''عادل بھائی مجھے شادی نہیں کرنی۔'' آنکھیں جو اندر برسات کے مانند چھلک رہی تھیں۔ اس وقت خشک تھیں۔ لب جو اندر محوِ شکوہ تھے، لرز رہے تھے۔ اس وقت سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔

''میں تمہیں کہہ رہا ہوں، یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' عادل غصے سے چلّایا۔

''میں یہ شادی نہیں کروں گی...... تو کبھی نہیں کروں گی۔ آپ سب میری بات سن لیں۔'' وہ اونچی آواز میں کہتی مشعل کا ہاتھ جھٹکتی اپنے کمرے کی سمت بھاگ گئی۔

''آپ اس کی باتوں پر دھیان مت دیں۔ یہ ہمیں سارے زمانے میں رسوا کرنا چاہتی ہے۔ ساری دنیا کو خبر ہے یہ حمدان کے ساتھ منسوب ہے اور تب تو اس کی اپنی مرضی اور خوشی بھی شامل تھی۔ پھر یہ اچانک کون سی آفت ٹوٹ پڑی ہے۔'' عادل بھائی غصے سے میز کو ٹھوکر مارتے ہوئے بولے۔

''تم اپنے غصے کو کنٹرول میں رکھو۔'' ندیم صاحب نے بیٹے کو گھورا۔ ''کیا کوئی بات ہوئی ہے حمدان تمہارے اور تعبیر کے بیچ؟'' ندیم صاحب نے لب بھینچ کر بیٹھے حمدان سے استفسار کیا۔

''نہیں چاچو، کوئی بھی بات نہیں ہوئی۔ پتا نہیں بیس، پچیس دن سے تعبیر کو کیا ہوا ہے۔ نہ مجھ سے بات کرتی ہے۔ نہ میسج کا رپلائی۔''

''مشعل تم بتاؤ۔ تم دونوں تو ہمیشہ ساتھ ہی ہوتی ہو ناں۔ آخر تعبیر کو کیا ہوا ہے۔'' ہما باجی نے مشعل کو مخاطب کیا تو وہ گڑبڑا گئی۔

''مم...... مجھے خود نہیں پتا ہما باجی۔ میں نے تو تعبیر سے پوچھنے کی بہت کوشش کی ہے مگر وہ کچھ بولتی ہی نہیں۔'' مشعل نے اپنی انگلیاں چٹخاتے ہوئے، نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''کک...... کیا کسی اور لڑکے کی وجہ تو نہیں جو تعبیر......'' شہلا بیگم نے اٹکتے ہوئے بات شروع کی تھی کہ حمدان اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

''فار گاڈ سیک مما۔ کبھی تو سوچ سمجھ کر بول لیا کریں۔ وہ تعبیر ہے۔ میری تعبیر، جتنی محبت میں اس سے کرتا ہوں۔ اتنی ہی محبت وہ مجھ سے کرتی ہے۔''

''تو پھر یہ سب کیا ہے؟'' عادل بھائی غصے سے بڑبڑائے۔ ان کی بڑبڑاہٹ اتنی آہستہ نہیں تھی کہ حمدان سن نہ سکتا۔

''نہیں معلوم۔ نہیں معلوم یہ سب کیا ہے؟ کون سی چیز اسے مجھ سے دور کر رہی ہے؟'' اور اضطرابی حالت میں وہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتا وہاں سے پلٹ آیا تھا۔ اور پھر سب نے مشترکہ رضامندی سے اگلے ماہ کی تاریخ طے کر دی تھی۔ سب کو لگا تھا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

اگلی صبح سب کچھ الٹ پلٹ گیا تھا۔ تعبیر وہ کر گزری تھی جسے حمدان تو کیا کسی کو بھی امید نہیں تھی۔ اس نے اپنی نبض کاٹ لی تھی۔ جب اسے اسپتال لایا گیا تو اس کی حالت شدید خطرے میں تھی اور ڈاکٹر مایوس نظر آ رہے تھے۔

☆☆☆

digest library.com

کرب تھا...... درد تھا...... اذیت تھی، کیا کچھ نہیں تھا جو اس کے چہرے پر رقم نہیں تھا۔ اس کا روشن چہرہ بجھ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتری ہوئی تھی۔ اذیت نے اس کے چہرے پر لکیریں کھینچ دی تھیں۔ اسپتال کی اس سرد راہداری میں وہ سر جھکائے ایک ٹانگ کو موڑ کر دیوار پر رکھے، پشت کو دیوار کے ساتھ ٹکائے دونوں بازوؤں کو سینے پر باندھے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اور دل ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ڈوبتا جا رہا تھا۔ ہر گزرتا پل اس کے دل کی دھڑکن کو معدوم کرتا جا رہا تھا۔

''اگر اسے کچھ ہو گیا۔'' یہ خیال اس کے جسم کی پور پور کو آری کے مانند کاٹ رہا تھا۔

''حمدان۔'' مشعل اس کے قریب آ کر پکاری۔ مگر وہ ہنوز سر جھکائے کھڑا رہا۔

''حمدان......'' اب کے مشعل نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ حمدان نے سر اٹھایا اور مشعل کی سمت دیکھا۔ ضبط سے اس کی آنکھوں کی رگیں سرخ ہو رہی تھیں۔ مشعل یک دم گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

''وہ میں کہہ رہی تھی، تم بیٹھ جاؤ۔ جب سے آئے ہو، اسی طرح کھڑے ہو۔'' وہ اٹکتے ہوئے بولی۔

حمدان نے دھیرے سے اپنا سر نفی میں ہلایا اور پھر سے پہلی پوزیشن میں کھڑا ہو گیا۔ مشعل نے اس کے جھکے سر سے نظر ہٹائی اور باقی سب کی طرف دیکھا۔ ہر کوئی محو دعا تھا، تعبیر کی زندگی کے لیے۔ کسی کو بھی امید نہیں تھی تعبیر ایسی حرکت بھی کر سکتی ہے۔ کچھ بھی سہی اس کی زندگی سب سے اہم تھی۔ کسی کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس زبردستی کو اس قدر منفی انداز میں لے گی۔ ہر کسی کو اپنا آپ مجرم لگ رہا تھا۔ دل اندیشوں اور وسوسوں میں گھرا ہوا تھا۔ اگر تعبیر کو کچھ ہو گیا تو وہ سب خود کو معاف نہیں کر پائیں گے۔ یہ لمحے بہت جاں گسل تھے۔ اور پھر ڈاکٹر نے اس کے خطرے سے نکل جانے کی نوید سنائی تو حمدان نے اپنا فیصلہ کر ڈالا، جس کو سن کر سب حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے۔

''اب کوئی بھی تعبیر سے شادی کی بات نہیں کرے گا۔ وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تو ٹھیک ہے۔ اس بات کو یہیں ختم کر دیں۔ میرے لیے تعبیر کی زندگی اہم ہے۔'' وہ کہہ کر لمبے ڈگ بھرتا اسپتال سے نکل آیا تھا۔

''حمدان...... حمدان۔'' مشعل اس کے پیچھے لپکی۔

لیکن اس کے قدم حمدان کے قدموں کی تیزی کا مقابلہ نہیں کر پائے تھے۔ اور وہ وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ اس کی اولین چاہت تھی۔ اسے خود بھی نہیں معلوم تھا۔ وہ کب تعبیر کی محبت میں گرفتار ہوا تھا۔ کب اس کی ذات کا اسیر ہوا، اسے خود علم نہیں تھا۔ کب اس کے دل کے کینوس پر تعبیر کی تصویر بنی تھی، اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ اور آج اتنے سالوں بعد اس کے دل پر نقش اس خوب صورت تصویر کو تعبیر نے خود اپنے ہاتھوں سے بے رنگ کر دیا تھا۔ ان کے بیچ تو کوئی رقیب بھی نہیں تھا۔ اور نہ ہی کسی نے انہیں الگ کرنے کی کوشش کی تھی۔ محبت کا یہ سفر بہت حسین تھا۔ حمدان کے ایم فل کے ایگزامز ہونے والے تھے۔ اور اسی دوران تعبیر کا ماسٹر مکمل ہو جاتا۔ اور پھر جاب ملنے کی دیر تھی۔ وہ دونوں ایک ہو جاتے۔ زندگی حسین سے حسین تر ہو جاتی۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس حسین سفر کی راہ گزر میں جدائی کے کانٹے پیوست کر دیے

قسمت کیا ہے

چین کی ڈیڑھ ارب آبادی میں کسی بھی نوجوان کے لیے اپنا کیریئر سیٹ کرنا ایک بڑا امتحان ہوتا ہے۔ چی لیو بھی ایک یونیورسٹی طالب علم تھا جس کا خواب تھا کسی بھی طرح وہ امریکا نکل جائے۔ چین سے امریکا جانے کے لیے طالب علموں کو دو ٹیسٹ پاس کرنے ہوتے تھے چی کے لیے مسئلہ ٹیسٹ نہیں بلکہ اس کی 60 ڈالر فیس تھی۔ وہ ماہانہ صرف 7 ڈالر ہی کماتا تھا۔ یہاں سے قسمت کا کھیل شروع ہوا۔ اتوار کی شام چی لیو نے اپنے گاؤں جانا تھا لیکن شدید بارش کی وجہ سے وہ نہ جا سکا۔ اتوار کے دن اس یونیورسٹی میں ایک امریکی پروفیسر جو کارنیگی یونیورسٹی سے آیا تھا، اس کا ماڈل چیکنگ پر سیمینار تھا۔ ماڈل چیکنگ ایک حسابی ڈرائنگ ہوتی ہے جہاں یہ تصدیق کی جاتی ہے کہ کوئی ماڈل سارے فیچرز کو مکمل کر رہا ہے یا نہیں۔ اس دن بارش کی وجہ سے سامعین کی کرسیاں خالی تھیں۔ یوں ہاسٹل میں دستیاب طلبا سے یہ کرسیاں بھر دی گئیں۔ ان میں چی لیو بھی تھا جسے اس شعبے میں بہت دلچسپی تھی۔ اس نے دوران سیمینار کئی سوالات کیے۔ اس کی سمجھ نے امریکی پروفیسر کو بہت متاثر کیا۔ اس نے پوچھا کیا تم امریکا میں پڑھنا چاہتے ہو؟ چی لیو نے کہا۔ ہاں لیکن میرے پاس ٹیسٹ فیس نہیں ہے۔ چی لیو کو کارنیگی یونیورسٹی کی اسکالر شپ مل گئی۔ آگے جا کر اس نے مائیکرو سوفٹ اور یاہو جیسے اداروں میں نہ صرف کام کیا، بلکہ یاہو شاپنگ کا موجد بھی چی لیو ہے۔ یہاں آپ قسمت کو سمجھیں۔ اس دن بارش نہ ہوتی تو چی لیو ہاسٹل میں نہ ہوتا۔ یا اس نے پروگرام ماڈلنگ پر مطالعہ نہ کیا ہوا ہوتا، تو وہ صرف کرسی بھر کر واپس آ جاتا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر وہ کمرے میں سوتا رہتا اور سیمینار میں شرکت نہ کرتا تو سب کچھ جاننے کے باوجود قسمت کی دیوی اس پر مہربان نہیں ہوتی۔ جی ہاں، قسمت موزوں وقت پر ملنے والا وہ موقع ہے جو یہ دیکھنے آتا ہے، ہم کتنے تیار ہیں۔ قسمت کو رونے والے پھر اکثر وہی ہوتے ہیں جو نہ تو ہمت کر کے قدم اٹھاتے ہیں، نہ پہلے سے کوئی تیاری کرتے ہیں اور نہ ہی ان کو یہ پتا ہوتا ہے انہوں نے جانا کہاں ہے؟ وہ بیٹھ کر واپس آ جاتے ہیں۔

از: بشکریہ طاہرہ ہما قاسم، کراچی

گئے تھے۔

حمدان نے چونک کر اپنے سامنے پھیلی ہوئی شفاف ہتھیلی پر دھری اس رنگ کو دیکھا۔ پھر چونک کر اس نے تعبیر کے چہرے تک کا سفر کیا۔

''میں یہ واپس کرنے آئی ہوں۔'' لفظ ٹوٹ، ٹوٹ کر اس کے لبوں سے نکلے تھے۔ اب حمدان کی نظر اس کی دائیں کلائی پر آٹھہری جہاں سفید پٹی کے پیچھے اس کا زخم مکمل طور پر مندمل نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ تو پھر وہ کیوں اسے اتنی تکلیف دے رہی ہے۔ اس کا چہرہ دھواں، دھواں ہوا۔

''ضروری تو نہیں جو لوگ محبت کریں وہ مل بھی پائیں۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو محبت کریں اور پھر اس محبت کو امر بھی کر ڈالیں۔ ہم ان خوش قسمت لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ ہمارے ساتھ کا سفر بس یہیں تک تھا۔ آگے کا راستہ جدا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی اور حمدان جل رہا تھا۔ سلگ رہا تھا، سسک رہا تھا۔ حمدان فطرتاً جذباتی قسم کا لڑکا تھا۔ ہر جذبے کا کھل کر اظہار کرنے والا، چاہے وہ غصہ ہو یا پھر خوشی اور یا پھر محبت۔

تعبیر کو اس کی فطرت سے خوب آگہی تھی۔ تو پھر اسے ڈر کیوں نہیں لگ رہا۔ اسے خوف کیوں نہیں آرہا تھا۔ اس کی باتیں، اس کا رویہ اسے کیا کچھ کرنے پر مجبور کرسکتا ہے یا پھر شاید اسے حمدان سے زیادہ خود پر بھروسا تھا۔ ہاں اسے یقین تھا۔ چونکہ مقابل وہ ہے تو اس سارے جذباتی پن کا حق بس اسے ہے۔ حمدان کے پاس ایسا کوئی حق نہیں۔

''یہاں سے چلی جاؤ تعبیر۔ یہ نہ ہو میں اپنا ضبط کھو دوں۔'' اس کے لہجے میں سرد پن عیاں ہوا۔

''تم ایسا کچھ بھی نہیں کرو گے حمدان۔'' اس کے لہجے میں مان تھا۔

''اور جو تم میرے ساتھ کررہی ہو، وہ......'' وہ کہتے ہوئے اس کے قریب آیا۔ بے تابی، بے قراری کیا کچھ نہیں تھا اس کے لہجے میں۔ تعبیر کو لگا وہ اگر چند منٹ بھی یہاں ٹھہری تو ٹوٹ جائے گی، بکھر جائے گی۔ وہ چند قدم بے اختیار ہی پیچھے ہٹی۔

''میں نے جو فیصلہ کرلیا ہے۔ میں اسے نہیں بدلوں گی۔'' اس کے لفظوں نے حمدان کی آنکھوں میں موجود محبت کو مار ڈالا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے ساختہ نمی ابھری تھی۔ جسے چھپانے کے لیے وہ رخ بدل گیا۔ اس نے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کو شیشے کی میز کی سطح پر رکھا۔ ہلکی سی آواز کمرے میں گونجی۔ حمدان بے اختیار پلٹا۔ وہ اس کے ہر استحقاق کو اسے واپس لوٹا رہی تھی۔

''تو کیا میں یہ سمجھوں تمہیں مجھ سے محبت نہیں تھی تعبیر؟'' کیا کچھ نہیں تھا اس کے اس فقرے میں۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔ محبت تو اسے بس حمدان اشرف سے ہوئی تھی۔ اور عورت کا دل ایک بار جس کے لیے دھڑک جائے پھر تادم اسی کے لیے دھڑکتا ہے۔ لیکن اسے کچھ نہیں کہنا تھا۔ وہ خاموشی سے پلٹ آئی تھی۔ اور نومبر کی اس سرد شام وہ حمدان اشرف کی زندگی سے خود کو ہمیشہ کے لیے خود ہی نکال آئی تھی۔ اس نے اپنے دل کے ہر کواڑ کو سختی سے بند کرلیا تھا۔ اس نے اپنی بینائی اور سماعتوں کو بند کرلیا تھا۔ وہ بے حس نہیں تھی مگر اس نے کچھ بھی محسوس کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اپنے جو اس پر جان دیتے تھے نامحسوس طریقے سے ایک دیوار اس کے اور گھر والوں کے بیچ در آئی تھی۔ زندگی بدل گئی تھی۔ بہت بدل گئی تھی۔ اور اس سال حمدان کے ساتھ، ساتھ تعبیر نے اپنوں کو بھی کھو ڈالا تھا۔ لیکن نہ جانے کیا بات تھی، وہ مطمئن تھی۔ اور اس کی یہ طمانیت گھر والوں کو غصے میں مبتلا کردیتی۔ مگر جو بھی تھا، وہ خود میں مگن اور زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتی چند ماہ ایسے ہی گزر گئے۔ اور اب اس کی زندگی میں ایک اور بھونچال آنے والا تھا۔ جس سے وہ بے خبر تھی۔

''رشتہ بہت اچھا ہے۔ لڑکا پڑھا لکھا اور سیٹلڈ ہے۔ اور وہ لوگ بہت عزت اور مان سے تمہارا رشتہ مانگ رہے ہیں۔'' ماں کی بات سن کر تعبیر کا چہرہ دھواں، دھواں ہورہا تھا۔ اس نے گھبرا کر ماں کے چہرے کی طرف دیکھا اور تیزی سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

''مما مجھے شادی نہیں کرنی۔ آپ انکار کردیں۔'' اس کے لہجے میں غصہ عود آیا تھا جس نے مِنا بیگم کو طیش دلا دیا تھا۔

''کیوں شادی نہیں کرنی۔ ساری زندگی کیا ہمارے سینے پر مونگ دلنے کے لیے بیٹھی رہو گی۔ تمہارے پاپا اور عادل کو یہ رشتہ بہت اچھا لگا ہے۔ اور یوں بھی ہم تم سے تمہاری مرضی نہیں پوچھ رہے، تمہیں مطلع کررہے ہیں۔''

منا بیگم نے سبزی بناتے ہوئے درشتگی سے کہا۔

''مجھے شادی نہیں کرنی۔'' وہ کہہ کر اٹھی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

''کیوں نہیں کرنی۔ اب یہ کون سا کھیل ہمارے ساتھ کھیل رہی ہو۔ جب تک تم شادی نہیں کرو گی۔ حمدان بھی شادی نہیں کرے گا۔ وہ تمہاری ہاں کے انتظار میں ہے۔ یا تو تم مجھے آج صاف صاف بتا ہی دو، تم چاہتی کیا ہو؟'' ہاتھ میں پکڑے پالک کے پتے پرات میں پھینکتے ہوئے منا بیگم نے سیڑھیوں کے آغاز پر کھڑی تعبیر سے استفسار کیا۔

''اس سارے معاملے میں حمدان کا نام کہاں سے آ گیا۔ میری شادی سے اس کا کیا لینا دینا ہے؟'' وہ پلٹ کر روہانسی ہو کر ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

''تمہاری شادی سے ہی اس کی شادی کا لینا دینا ہے۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے کہ شاید تمہیں اپنے فیصلے کی غلطی کا احساس ہو جائے۔ اور تم اپنے اس احمقانہ فیصلے سے پیچھے ہٹ جاؤ۔ صاف بات ہے تعبیر تمہیں اب فیصلہ کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اشرف بھائی اور بھابی اپنے اکلوتے بیٹے کی وجہ سے سخت ڈسٹرب ہیں۔ اور اس کی تینوں بہنیں سخت پریشان۔ لیکن تمہیں تو اس سارے معاملے سے کوئی لینا دینا نہیں۔ پوری دنیا جائے بھاڑ میں، بس ہم سب تمہارے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیں۔ جھکا تو دیا تھا بی بی سر۔ اب کیا تمہارے قدموں میں اپنا سر رکھیں۔'' ان کی بات پر تعبیر نے شکوہ کناں نظروں سے ماں کی طرف دیکھا اور تھکے ہوئے قدموں سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

''تمہیں جو فیصلہ کرنا ہے۔ ایک دو دن میں فائنل کر کے بتا دو۔ تاکہ ہم لڑکے والوں کو پراپر جواب دے سکیں۔'' اس کے عقب میں ماں کی آواز گونجی تو اس کے قدموں میں تیزی آ گئی۔ وہ جلدی سے سیڑھیاں عبور کرتی اپنے کمرے میں آ گئی۔ حمدان کے سوا اس نے کب کسی اور کے بارے میں سوچا تھا۔ اس کے سوا کسی اور کے بارے میں سوچنا بھی سوہانِ روح تھا۔ اور اب گھر والے اس کی شادی کسی اور سے...... وہ کمرے میں بے تابی سے پھر رہی تھی۔ اس بارے میں تو اس نے سوچا تک نہیں تھا۔ کیا زندگی اتنی تلخ بھی ہو سکتی تھی۔ وہ بے اختیار زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ وہ جانے کیوں کانپ رہی تھی۔ یہ بھلا کیسے ممکن تھا، وہ حمدان کی جگہ کسی اور کو دیتی۔ ''ممکن تو یہ بھی نہیں تھا تم حمدان کو چھوڑتیں'' کوئی اس کے اندر سے بولا۔

''میں نے اسے اپنی خوشی اور رضا سے نہیں چھوڑا۔ نہیں...... میں نے اسے خوشی سے نہیں چھوڑا۔ اس کی جدائی میرے لیے موت کے مانند تھی اور موت کو اپنی مرضی سے گلے نہیں لگایا جاتا۔ زندگی نے بہت مشکل اور کٹھن راستے میرے سامنے لا کر کھڑے کر دیے ہیں۔'' وہ سوچتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اور پھر تعبیر کے لیے آنے والا یہ رشتہ جہاں حمدان کو بے کل کر گیا تھا وہیں اسے امید کی کرن بھی دکھلا گیا تھا۔ اسے یقین تھا۔ تعبیر کبھی اس رشتے کے لیے ہامی نہیں بھرے گی۔ وہ اس کی جگہ کبھی کسی اور کو نہیں دے سکتی۔ مگر اس بار بھی تعبیر نے اس کی امیدوں کو مکمل توڑ ڈالا تھا۔

گھر والوں کے بڑھتے اصرار اور دباؤ کی وجہ سے اس نے دانیال آفندی کے رشتے کے لیے ہاں کر دی تھی۔ آخری امید کے ساتھ کیا کچھ تھا جو حمدان کے اندر ٹوٹ گیا تھا۔ تعبیر کا رشتہ طے ہونے کے ساتھ ہی ڈائریکٹ شادی کی تاریخ طے کر دی گئی تھی۔ دانیال کی دونوں بہنوں کو چونکہ بیرون ملک واپس جانا تھا، اس لیے ان لوگوں کی منت ساجت پر ایک ماہ کے بعد شادی کی تاریخ رکھ دی گئی تھی۔

وقت کم تھا اور کام زیادہ۔ سب گھر والے بے انتہا مصروف ہو چکے تھے۔ لیکن ان دنوں تعبیر کے پاس کچھ زیادہ ہی فراغت میسر تھی۔ وہ روتی نہیں تھی۔ گڑگڑاتی بھی نہیں تھی۔ بس خاموش بیٹھی یا تو دور خلاؤں میں گھورتی رہتی یا پھر اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں جانے کیا کھوجتی رہتی۔ اور پھر وہ دن بھی آ گیا۔ جب وہ دلہن بنی۔ لیکن وہ حمدان کی دلہن نہیں تھی۔ اور پھر وہ دلہن بن کر دانیال آفندی کے ہمراہ اس گھر سے رخصت ہو چکی تھی۔

حمدان ٹوٹ چکا تھا۔ بکھر چکا تھا۔ اتنا کہ اسی رات اسے شدید بخار نے گھیر لیا تھا۔ اور اس رات اس گھر میں کسی نے تعبیر کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ سب کو فکر تھی تو بس حمدان کی۔ حمدان اشرف جیسے تعبیر کے دکھ کے عمیق سمندر میں پھنک رہا تھا۔ اور تعبیر خود جانے درد کی کون سی انتہاؤں پر تھی۔

☆☆☆

digest library.com

وہ اتنی بہادر نہیں تھی، جتنے بڑے وہ فیصلے کر چکی تھی۔ زندگی کا یہ نیا دور اس کے لیے غیر متوقع تھا۔ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر تھکن سے چور، چور تھی۔ اسی لیے پل بھر کو ستانے کے لیے بیڈ کے کراؤن سے سر ٹکایا ہی تھا کہ آہٹ پر سرعت سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے جھکی ہوئی نظروں سے دو قدموں کو اندر آتے دیکھا۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا قدم، قدم آگے بڑھنے لگا۔ تعبیر کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا تھا۔ خدشات سے سہا دل ڈر کر دھڑکنے لگا تھا۔ وہ یہ فیصلہ تو کر چکی تھی مگر اس رشتے کو نبھانے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ یہی سوچ کر اس پر ہلکی گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔ اور ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں۔

وہ پچھلے چند ماہ سے خود کو لپوز کیے سرد مہر جامہ اوڑھے خاموشی کی دبیز چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ اس وقت عجیب مخمصے میں تھی۔

''یہ میں نے کیا کر ڈالا'' اس نے گھبرا کر اپنے وجود کو سمیٹا۔ آنے والا اس کے پاس آ کر بیٹھ چکا تھا۔ وہ دلہنا پا بھول کر پلکیں جھپکے بنا دانیال کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بے حد ...ڈیسنٹ تھا۔ اس کی پرسنالٹی میں وقار تھا۔ وہ بے حد شاندار لگ رہا تھا۔ لیکن تعبیر کو اس سے خوف آ رہا تھا۔ وہ دو زانو بیٹھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''یعنی جو سب کہہ رہے تھے، ٹھیک کہہ رہے تھے۔'' اس نے تعبیر کی آنکھوں میں جھانک کر استفسار کیا۔ تعبیر بری طرح گھبرا گئی۔

''کک......کیا کہہ رہے تھے؟'' وہ ڈر کر کہتی پیچھے کی سمت ہوئی۔ دانیال اس کے گریز اور ڈر کو محسوس کر چکا تھا۔

''مجھ سے ڈر رہی ہو؟'' جیسے ہی دانیال کا ہاتھ اس کی سمت بڑھا۔ اس سے زیادہ برداشت تعبیر کے اندر نہیں تھی۔ اس کے اعصاب جواب دے چکے تھے۔ اس کا سر چکرایا اور وہ ایک جانب لڑکھڑا کر گر چکی تھی۔

جیسے ہی اسے ہوش آیا اور اس نے آنکھیں کھولیں تو فوری طور پر اسے سمجھ نہیں آیا تھا، وہ کہاں ہے؟ آنکھیں کھولے وہ غائب دماغی سے اپنے گرد لگی پھولوں کی لڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔

''تھینک گاڈ، آپ ہوش میں آ گئیں۔'' ایک مہربان آواز تعبیر کے کانوں میں ٹکرائی۔ اس نے تیزی سے گردن گھمائی اور اپنے سے کچھ فاصلے پر بیٹھے دانیال کو دیکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

''آپ لیٹی رہیں۔ آرام کریں۔'' دانیال نے ہاتھ میں موجود موبائل فون پرے رکھتے ہوئے فکر مندی سے کہا۔ مگر وہ اس کے منع کرنے کے باوجود اٹھ کر بیٹھ چکی تھی اور اب ہراساں نظروں سے دانیال کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''آپ مجھ سے ڈر کیوں رہی ہیں۔ جسٹ ریلیکس، میں آپ کو کچھ نہیں کہوں گا۔'' کہتے ہوئے ایک نرم مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری تو تعبیر بدقت تمام مسکرائی۔

''آپ چینج کر لیں۔ چائے پئیں گی آپ؟'' وہ کہہ کر تعبیر کی سمت دیکھنے لگا تو اس کا سر بے اختیار ہی اثبات میں ہل گیا تھا۔

''اوکے! میں آپ کے لیے چائے منگواتا ہوں۔ تب تک آپ چینج کر لیں۔'' دانیال نے اس کی جیولری اور لہنگے کی سمت اشارہ کیا اور بیڈ سے نیچے اتر گیا۔

''مم......مجھے کیا ہوا تھا؟'' اسے یاد آیا وہ چکرا کر گری تھی۔

''کچھ خاص نہیں۔ شاید ٹینشن یا پھر کوئی ذہنی دباؤ تھا۔ جس کی وجہ سے آپ بے ہوش ہو گئی تھیں۔ فرح نے آپ کو ٹریٹ منٹ دے دیا تھا۔ اس کے خیال میں تو آپ کو صبح اٹھنا چاہیے تھا انجکشن کی وجہ سے لیکن آپ پہلے ہی اٹھ گئیں۔'' وہ کہہ کر پھر سے مسکرایا۔

تعبیر اس بار چاہ کر بھی مسکرا نہیں پائی تھی۔

''کیا ہوا کوئی پریشانی ہے؟'' دانیال کے کہنے کی دیر تھی کہ تعبیر نے بے اختیار ہی رونا شروع کر دیا تھا۔

دانیال گھبرا گیا اور تیزی سے تعبیر کے پاس آ بیٹھا۔ ''پلیز آپ رونا تو بند کریں۔ مجھے تو بالکل بھی آپ کے رونے کی سمجھ نہیں آ رہی۔ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟''

تعبیر نے خود کو سنبھالا اور زور سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''مم...... میں بھی اپنے گھر سے اور اپنے گھر والوں سے دور نہیں رہی ہوں۔ مجھے میرے گھر والے یاد آ رہے ہیں۔'' اب کچھ تو بہانہ بنانا تھا۔

''اوہ، بس اتنی سی بات ہے۔'' دانیال نے اس کے سامنے ٹشو بکس بڑھاتے ہوئے استفسار کیا تو اپنی سرخ ناک صاف کرتے ہوئے تعبیر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دانیال نے اسے غور سے دیکھا۔ باکس سے ایک اور ٹشو الگ کرتے تعبیر نے سر اٹھایا اور اپنی جانب پُرشوق نظروں سے دیکھتے دانیال کی طرف دیکھا۔

''میں چینج کر کے آتی ہوں۔'' وہ فوراً ہی اپنا لہنگا سنبھالتی بیڈ سے اتری اور ملحقہ ڈریسنگ روم میں گھس گئی۔

''آپ کے لیے چائے لینے جا رہا ہوں۔ اور پلیز رونے کا شوق کمرے میں واپس آ کر پورا کر لیجیے گا۔ کیونکہ کوئی پتا نہیں، آپ کب پھر سے بے ہوش ہو جائیں۔'' دانیال نے ڈریسنگ کے دروازے کے قریب آ کر کہا تو روتی ہوئی تعبیر جلدی سے آنسو صاف کرتی ہوئی اپنی جیولری اتارنے لگی۔

جس وقت وہ چینج کر کے کمرے میں آئی، دانیال کمرے میں موجود نہیں تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور بیڈ کے کنارے آ کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے یونہی بیٹھے رہنے کے بعد وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ جس وقت دانیال چائے لے کر واپس آیا... وہ گہری نیند سو چکی تھی۔ اس نے سر جھٹکا۔ لائٹ آف کر کے نائٹ بلب آن کیا اور خود بھی بیڈ کے دوسری سمت آ کر لیٹ گئے۔ اور جلد ہی خود بھی سو چکا تھا۔

☆☆☆

وہ جانتی تھی حمدان اس کے ولیمے کی تقریب میں نہیں آئے گا۔ لیکن پھر بھی وہ لاشعوری طور پر اس کی منتظر تھی۔ جونہی مشعل اس کے پاس آ کر بیٹھی تعبیر نے.... بے تابی سے اس کے بارے میں استفسار کیا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' وہ کہہ کر دانیال کی سمت متوجہ ہو گئی تھی۔ ثنا بیگم جو بیٹی کی وجہ سے پریشان تھیں، دانیال کو مطمئن اور ہنستا مسکراتا دیکھ کر سکون بھری سانس بھر کر رہ گئیں۔ تعبیر سے وہ کتنا بھی غصہ یا ناراض کیوں نہیں تھیں مگر بیٹی کی نئی زندگی کے لیے وہ سخت متفکر تھیں۔

''بھائی حمدان کیسا ہے؟'' مشعل سے مایوس ہونے کے بعد تعبیر نے بے تابی سے عنایہ سے دریافت کیا۔ اور جواباً عنایہ بھابی نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ اندر تک شرمندہ ہو کر، سر جھکا گئی۔

''حمدان سے زیادہ دانیال کی فکر ہونی چاہیے۔ اب یہ فکرمندی کے ڈرامے کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟''

''ڈرامے۔'' تعبیر نے زیرِ لب دُہرایا اور حیرت سے بھابی کی طرف دیکھا۔ یہ وہ عنایہ بھابی تو نہیں تھیں۔ جنہیں وہ جانتی تھی۔ ایک گھونسا سا اس کے دل پر پڑا تھا۔ وہ رخ بدل گئی اور سر جھکا کر ایک بار پھر اپنے حنائی ہاتھوں کی لکیروں میں جانے کیا تلاش کرنے لگی۔

اور پھر ولیمے کے بعد مکلاوے پر گھر آئی تو سب کا رویہ اس کے ساتھ اکھڑا اکھڑا تھا۔ اگلے دن ہی اس کی سسرال والے لینے آ چکے تھے اور جب اس کی ماں نے کہا تھا۔

''بس اب یہاں بھاگ بھاگ کر آنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے گھر میں رہو۔ اپنے گھر والے کے ساتھ دل لگاؤ۔''

تعبیر کی آنکھیں بھیگی نہیں تھیں، صحرا بن گئی تھیں۔

''تم لوگ ایسا سلوک مت کرو بچی کے ساتھ۔'' اشرف صاحب نے ثنا بیگم کو ڈانٹا۔

''تایا جان، مما بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہی ہم سب کے لیے بہتر ہے۔ اب یہ ہمیں بار، بار اپنی شکل نہ... دکھائے۔'' عادل نے نخوت بھرے لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اور پھر خاموشی سے ایک بھی لفظ منہ سے نکالے بنا تعبیر دانیال کے ہمراہ اس گھر سے نکل آئی تھی۔

☆☆☆

تمام شب جہاں جلتا ہے ایک اداس دیا
ہوا کی راہ میں اک ایسا گھر بھی آتا ہے
وفا کی کون سی منزل پہ اس نے چھوڑا تھا
کہ وہ تو یاد ہمیں بھول کر بھی آتا ہے

وہ چاہ کر بھی حمدان کو بھول نہیں پا رہی تھی۔ یہ درد ہر درد سے سوا تھا۔ جو گھن کی طرح اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ بظاہر وہ اپنی سُسرال میں سیٹ ہو چکی تھی۔ یوں بھی سُسرال میں اس کے سسر اور دانیال کے سوا تھا ہی کون۔ دانیال کی دونوں بہنیں اور بھائی بیرون ممالک سیٹل تھے۔ صرف دانیال ہی تھا جو اپنے والد کے ساتھ یہاں مقیم تھا۔ وہ کوشش کر رہی تھی دانیال کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے کی اور چند ماہ میں ہی کافی حد تک ایڈجسٹ کر بھی چکی تھی۔ اور جس کی سب سے بڑی وجہ خود دانیال تھا۔ دھیمے لہجے میں بات کرتا... فکر کرتا... اس کی اچھی طرح سے کیئر کرتا... وہ بہت چاہنے کے باوجود بھی اسے خود سے دور نہیں کر پاتی تھی۔ مگر وہ اس دل کا کیا کرتی۔ دل اپنوں کی بیگانگی اور بے اعتنائی کی وجہ سے درد میں تھا۔ سب تو...

لاعلم تھے۔ کسی کو بھی کچھ نہیں معلوم تھا۔

''لیکن مشعل تو سب جانتی ہے تو پھر وہ کیوں مجھ سے اکھڑی، اکھڑی اور بیزار ہے۔ میں جب بھی اسے فون کرتی ہوں یا تو وہ فون اٹھاتی نہیں اور اگر اٹھالے تو چند منٹ بعد ہی فون بند کردیتی ہے۔'' وہ سوچ، سوچ کر ہلکان ہوچکی تھی۔

اور پھر انہی دنوں اسے منا بیگم کے ذریعہ پتا چلا۔

''حمدان اور مشعل کی بات طے کردی گئی ہے۔ حمدان تو مان ہی نہیں رہا تھا۔ لیکن بھائی صاحب اور بہنوں کے اصرار اور بہت منتوں پر اسے ماننا ہی پڑا۔'' منا بیگم نے کہتے ہوئے تعبیر کی سمت دیکھا۔ اس کے چہرے پر بس حیرانی نمودار ہوئی تھی۔ اور پھر وہ بھی معدوم ہوگئی۔

''تمہیں ماں باپ کی یاد نہیں آتی تعبیر؟'' وہ خود کو شکوہ کرنے سے روک نہیں پائی تھیں۔

سیب کی قاشیں کاٹتے ہوئے تعبیر کے ہاتھ لحظہ بھر کے لیے رکے۔ اس نے سر اٹھایا اور ماں کی طرف دیکھا۔

''خود ہی تو منع کیا تھا۔ گھر مت آنا۔'' وہ شکوہ کرنا نہیں چاہتی تھی مگر خود کو روک نہیں پائی تھی۔

''وہ تو بس حمدان کی وجہ سے کہا تھا۔ اب تو خیر سے اس کی شادی ہوجائے، وہ بھی اپنی بیوی اور بچوں میں مصروف ہوجائے گا تو سب بھول جائے گا۔'' منا بیگم شرمندہ ہوگئیں۔

''اچھا.....!'' تعبیر نے بے تاثر انداز میں کہا اور پھر سے سیب کی قاشیں کاٹنے لگی۔ ''میں بہت خوش ہوں مما۔ میری طرف سے فکر مند مت ہوں۔ دانیال بہت اچھے ہیں۔ پتا نہیں میری کون سی نیکی کا صلہ مجھے دانیال کی صورت میں ملا ہے۔'' ماں کی کھوجتی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرکے تعبیر دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولی تو ایک طمانیت بھری سانس منا بیگم کے سینے سے نکلی۔

''بس اللہ حمدان کو بھی خوش رکھے۔ تم آؤ گی اس کی شادی میں؟'' منا بیگم نے استفسار کیا۔

''دیکھوں گی۔ اب آپ آئی ہیں تو کھانا کھا کر جائیے گا۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ پتا نہیں کیوں بیٹی کی طمانیت بھی انہیں وہ خوشی نہیں دے پارہی تھی جو انہیں محسوس ہونی چاہیے تھی۔

☆☆☆

''پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔'' یہ خبر سنتے ہی وہ ڈرائیور کے ہمراہ گھر آئی۔ بہت فون کرنے پر بھی کوئی بھی اس کا فون پک نہیں کررہا تھا۔ انہی دنوں دانیال اپنے والد کے ہمراہ لاہور گیا ہوا تھا..... وہ انہیں فون پر اطلاع دے کر گھر آگئی تھی۔

گھر آکر وہ جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوئی، سامنے ہی حمدان صوفے کی بیک پر سر رکھے آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ وہ ویسا کب رہا تھا۔ وہ بدل گیا تھا۔ بہت بدل گیا تھا۔ اچانک ہی حمدان نے آنکھیں کھولیں اور اپنے سامنے کھڑی تعبیر کی سمت دیکھا۔ اس کی نگاہیں جوں ہی اس کے وجود پر پڑیں۔ وہ غصے سے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور نفرت سے رخ موڑ لیا۔ اگر محبت سکھانے والا شخص نفرت سے منہ موڑے، اس سے زیادہ دل کو چیرنے والا لمحہ زندگی میں نہیں ہوسکتا۔

''حمدان تم کیسے ہو؟'' اپنی تکلیف کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے سوال کیا اور اس کا یہ سوال حمدان کو آگ لگا چکا تھا۔ وہ پلٹا اور ایک حقارت بھری نظر اس پر ڈالی۔

''میرا نام آج کے بعد اپنی زبان پر مت لانا۔'' وہ انگلی اٹھا کر اسے غصے سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''حمدان ایسے مت کرو۔ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے۔ تمہارے لیے کیا ہے۔'' وہ بے قراری سے اس کی طرف بڑھی۔

''شٹ اپ، شٹ اپ۔'' وہ چلایا۔ ''میرے لیے کیا ہے تم نے، میرے لیے؟'' وہ غیظ و غضب سے اس کی سمت بڑھا۔ تعبیر بے اختیار ہی ڈر کر پیچھے ہٹی۔

''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ تم نے میرا، میری محبت کا جس طرح مذاق بنایا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے۔ تم اسی طرح خوش رہوگی۔ اپنا گھر بنالوگی۔ اپنی فیملی بنالوگی۔'' اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہورہی تھیں۔

''ایک بار حمدان میری بات تو سن لو۔ بے شک تم مشعل سے پوچھ لو۔ میں نے یہ سب تمہارے لیے.....'' اس کی بات ادھوری رہ چکی تھی۔ حمدان کی آہنی گرفت میں اس کا گلا آچکا تھا۔

''مشعل کا نام بھی مت لینا۔ اب میں اس سے شادی کررہا ہوں۔ تم مجھے اس سے بدظن کرنے چلی آئیں۔ میں تمہیں زمین میں گاڑ دوں گا تعبیر اگر تم میرے

یا مشغل کے بیچ آئیں۔" اس کی گرفت بڑھتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ تعبیر کو سانس لینے میں مشکل ہو رہی تھی۔

"ہائے صاحب جی! یہ کیا کر رہے ہیں، چھوڑیں تعبیر بی بی کو۔ دیکھیں تو سہی وہ کس حالت میں ہیں؟" ملازمہ نے زبردستی حمدان کے ہاتھ سے تعبیر کا گلا چھڑایا۔

"تم نے مجھے دھوکا دیا ہے تعبیر۔ دانیال درانی اچانک سے تمہاری زندگی میں نہیں آیا۔ مجھے سب معلوم ہو چکا ہے۔ تم نے کس طرح مجھے اور باقی گھر والوں کو فول بنایا ہے۔" وہ کھانستی ہوئی تعبیر پر طنز کے گولے برسا رہا تھا۔

"تم نے مجھے میرے لیے نہیں بلکہ دانیال درانی کے لیے چھوڑا ہے۔" وہ کیا بولے جا رہا تھا تعبیر کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"تم کیوں ایسی باتیں کر رہے ہو حمدان؟" وہ رو رہی تھی۔

"صاحب جی آپ یہاں سے چلے جائیں۔ تعبیر بی بی کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" رضیہ نے حمدان کے سامنے ہاتھ باندھے تو وہ ایک تیر برساتی نگاہ اس پر ڈال کر واپس پلٹ گیا۔

"اسے روکو رضیہ، وہ کیوں ایسے بجھ رہا ہے۔ وہ کیوں ایسی باتیں کر رہا ہے؟" وہ اتنا روئی کہ رضیہ خود بھی اس کے ساتھ رو پڑی۔

☆☆☆

وہ مشکل سے چند گھنٹے بابا کے پاس رکی تھی۔ اس کی بار، بار شکوہ کرتی نظریں مشغل کی سمت اٹھ رہی تھیں۔ وہ تو سب جانتی ہے۔ وہ تو حمدان کو بتا سکتی تھی، اصل بات کیا تھی۔ اس نے ایک بار بھی تعبیر کی طرف سے حمدان کا دل صاف کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تم واپس گھر کیوں چلی گئیں؟" منا بیگم نے تعبیر سے سوال کیا جو اسپتال آ گئی تھی۔

"فون کر تو رہی تھی۔ یہ کہاں کا طریقہ ہے۔ بابا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، کہہ کر فون آف کر دیا۔ اسپتال کا بتایا اور نہ ہی کچھ اور۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"وہ بس پریشانی میں تھا سادل، تو بس اس لیے۔" منا بیگم مبہم سا جواب دے کر خاموش ہو گئیں۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" عنایہ بھابی نے اس کے سرخ چہرے اور سوجی ہوئی آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ تعبیر کوئی جواب دیتی کاریڈور کے سرے پر حمدان کا سراپا ابھرا۔ حمدان کو دیکھتے ہی بے پروائی سے کھڑی مشغل الرٹ ہو گئی تھی۔ اور تعبیر کی آنکھوں میں اتنی ہی تیزی سے گرم سیال مادہ جمع ہونے لگا تھا۔

"میں پھر آؤں گی۔" اس نے بینچ پر پڑا اپنا پرس اٹھایا اور کندھے پر ڈال کر آگے بڑھ گئی۔

"ارے رکو تعبیر، تم اکیلی کہاں جاؤ گی۔ میں عادل سے کہتی ہوں تمہیں گھر چھوڑ آتا ہے۔" منا بیگم نے اسے روکنا چاہا۔

"میں خود چلی جاؤں گی۔ ڈرائیور ہے میرے ساتھ۔" وہ کہہ کر اپنی آنکھوں کے سامنے چھائی دھند کو صاف کرتی ہوئی آگے کی جانب بڑھ گئی۔ یہ پہلا موقع تھا، نہ حمدان نے اس کی جانب دیکھا تھا اور نہ ہی تعبیر نے حمدان کی سمت۔ "تم نے یہ سب میرے لیے نہیں بلکہ دانیال درانی کے لیے کیا ہے۔" حمدان کے لفظ اس کی روح تک کو چھلنی کر گئے تھے۔

"تمہیں زندگی کو آگے بڑھانا ہے حمدان تو بڑھا لو۔ لیکن اس طرح...... اس طرح تو مت مجھے ذلیل کرتے۔ میری تذلیل تو نہ کرتے، میری ذات کی تحقیر تو نہ کرتے۔"

وہ کئی دن تک مضطرب رہی تھی۔ دل کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اتنا کہ اسے سہارنا ناممکن سا ہو گیا تھا۔ اسے اپنا درد کہنے اور سنانے کے لیے کسی سامع کی ضرورت تھی، کسی کے کندھے کی ضرورت تھی۔ اور یہاں بھی اسے دانیال درانی کا کندھا مل گیا تھا۔ اس رات جب وہ ٹیرس پر کھڑی تھی اور.....

digest library.com

☆☆☆

دن کو خاموشیوں کا گھن لگ چکا تھا اور شام میں اداسی کا پیراہن اوڑھے رکھتی۔ اور رات اپنے سینے میں ہزاروں بھید لیے چلی آتی۔ آج رات بھی چاند سیاہ آسمان پر جاہ و جلال کے ساتھ چمک رہا تھا اور اس کے ہمراہ چاندنی بھی تھی۔ اندر جانے کیوں تعبیر کا دم گھٹ رہا تھا۔

تعبیر نے گردن موڑ کر گہری نیند سوئے ہوئے دانیال کی سمت دیکھا۔ اور پھر چادر اپنے گرد لپیٹتی ہوئی ٹیرس کا دروازہ کھول کر کھلے آسمان کے نیچے چلی آئی۔ تعبیر کی اداس راتیں تھیں اور موسم نے کافی حد تک تبدیلی کی چادر

اوڑھ لی تھی۔ دن تو اب بھی قدرے گرم ہی تھے۔ مگر راتیں ذرا سرد ہونے لگی تھیں۔ وہ دھیرے، دھیرے چلتی ہوئی ٹیرس کی گرل کی طرف آئی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں گرل تھام کر سر اٹھا کر آسمان پر موجود چاند کو دیکھنے لگی۔ کتنی ہی باتیں تھیں جن کے جنگل میں وہ تنہا بھٹک رہی تھی۔ رات گہری ہونے لگی تھی۔ اگرچہ چھوڑنا آسان نہیں تھا۔ مگر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن حمدان کی وہ باتیں اسے کسی بھی طرح سے سکون لینے نہیں دے رہی تھیں۔ کتنے ماہ ہو گئے تھے اسے گھر گئے۔ ان سب سے ملے لیکن حمدان کی آخری ملاقات میں کہی گئیں وہ باتیں اس کے قدموں کو وہاں جانے سے روک دیتیں۔

''میرے لیے نہیں، تم نے جو بھی کیا، دانیال درانی کے لیے کیا۔'' حمدان کی آواز اس کے کانوں میں صور کے مانند بازگشت کر رہی تھی۔

''دانیال کا ذکر کہاں تھا جب حمدان..... اور میں کیوں دانیال کے لیے تمہیں چھوڑتی۔'' اس نے کہہ کر اپنے بائیں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی کنپٹی کو دبایا۔

''مشعل کا نام بھی مت لینا۔ تم اس لیے اس کا نام لے رہی ہو کیونکہ میں اس سے شادی کر رہا ہوں۔'' ایک جملہ تیزاب کے مانند اس کے کانوں میں انڈیلا گیا تھا۔

''مشعل تم نے کیوں حمدان کو نہیں بتایا، تم تو میرے ساتھ تھیں۔'' وہ خیالوں میں اسے مخاطب کر کے بولی۔ ''میں ایک بار تم سے بات کر لیتی، میں تمہیں خود ایک بار حقیقت بتا دیتی حمدان۔''

''تعبیر۔'' اس کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔

''حمدان جو تم مجھے سمجھ رہے ہو وہ درست......'' وہ کہتے ہوئے پلٹی۔ وہاں حمدان نہیں دانیال تھا۔

جانے وہ کب اٹھ کر آیا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں اس بری طرح مستغرق تھی کہ اسے دانیال کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ دانیال کی کشادہ پیشانی پر دو لکیریں نمودار ہوئیں۔

''اس وقت حمدان کو سوچ رہی ہو؟'' دانیال نے خجالت سے سر جھکا کر کھڑی تعبیر کی ٹھوڑی کو دو انگلیوں سے اوپر اٹھایا۔ تعبیر کی گھنیری پلکوں میں لرزاہٹ تھی۔

''حالانکہ اس وقت تمہیں ہمارے بچے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔'' دانیال نے کہتے ہوئے گھبرائی ہوئی تعبیر کے کندھے کے گرد اپنا بازو پھیلایا اور کمرے کی سمت بڑھ گیا۔

''کیا کوئی پرابلم ہے؟ میں کئی دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں۔ بہت الجھی، الجھی رہتی ہو۔'' دانیال اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔ اور وہ..... وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر رو پڑی۔ اس نے دھیرے، دھیرے اپنے سینے پر پڑے بوجھ کو دانیال کے ساتھ بانٹ لیا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم، حمدان نے سوچا بھی کیسے، اسے چھوڑنے کی وجہ آپ ہو سکتے ہیں۔ لیکن میرے لیے یہ خیال بہت اذیت ناک ہے، مشعل کو سب معلوم ہے تو پھر وہ کیوں......؟''

''مشعل کیوں حمدان کو حقیقت بتائے گی۔ وہ کبھی حمدان کو سچائی نہیں بتائے گی۔ کیونکہ وہ ایک عورت ہے۔ اسے خوف ہوگا۔ حمدان جو تم سے متنفر اور بدظن ہو کر نفرت کرنے لگا ہے۔ اس کے حق میں تو یہ اچھا ہے۔ وہ تم سے جتنی نفرت کرے گا۔ مشعل کو سکون ملے گا۔ آخر کو وہ اس کی بیوی بن چکی ہے۔ اور اگر مرد کو شراکت نہیں پسند تو عورت کو بھی نہیں پسند، وہ بھی اگر شراکت دل کی ہو۔ وہ تمہیں اس کے دل سے نکال دینا چاہتی ہے۔ تو اس کے لیے اس سے اچھا کیا ہوگا۔ وہ تم سے نفرت کرے اور ٹوٹ کر کرے۔'' دھیمے لہجے میں کہتا دانیال اس کے سامنے سوچ کے کئی در وا کر گیا تھا۔

تعبیر بری طرح چونکی۔ وہ لحظہ بھر کے لیے بھول گئی تھی سامنے اس کا شوہر ہے۔ وہ خوف زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور ہمیشہ کی طرح دانیال نے اس کی سوچ کو پڑھ لیا تھا۔ ''تم مجھے نہ بھی بتاتیں تب بھی میں جان چکا تھا۔ تم کسی سے محبت کرتی ہو۔''

''کیسے؟'' تعبیر کی آنکھوں میں سوال ابھرا۔

''تمہارا مجھ سے ڈر جانا۔ خوف زدہ ہو جانا۔ اور پھر بے بسی سے رو پڑنا۔ عموماً مرد ایسی عورتوں کو پسند نہیں کرتے۔ لیکن پتا ہے میری ماں کیا کہتی تھیں۔ پسند کرنا، محبت کرنا گناہ نہیں۔ ہاں دھوکا دینا گناہ ضرور ہے۔ اگر کوئی لڑکی شادی سے پہلے محبت کر بیٹھے۔ یہ غلط تو ہو سکتا ہے، گناہ نہیں۔ گناہ تب ہے جب وہ شادی کے بعد اپنے شوہر سے خیانت کرے۔ اسے دھوکا دے۔ تو پھر سمجھ لینا ایسی عورت محبت نہیں گناہ کرتی ہے۔ اور پھر بار، بار کرتی ہے...... اور ایسی عورت کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ اور

پتا ہے میری ماں کیا کہا کرتی تھیں۔'' دانیال نے ساکت بیٹھی اپنی باتیں سنتی تعبیر کی آنکھوں میں جھانکا۔

''کیا؟'' تعبیر کی ہلکی سی آواز بلند ہوئی۔

''کہ یہ جو لڑکیاں ہوتی ہیں ناں۔ ان کے دل کی زمین بڑی ہی نرم ہوتی ہے۔ مرد اپنے رویے سے چاہے تو اس زمین پر اپنی محبت کے بیج بو دے تو بہت جلد یہ محبت کے ننھے منے بیج تناور درخت کی صورت میں پروان چڑھ جاتے ہیں۔ تمہارا ماضی کیا تھا۔ مجھے اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔ تمہارا حال میں ہوں۔ اور تمہارا مستقبل ہمارا بچہ۔ ماضی گزر جائے تو اس کے دھندلکے تو ماند پڑتے جاتے ہیں۔ حال کے رنگ مستقبل کے رنگوں سے مل جائیں تو بڑے پکے رنگ زندگی اور چہروں پر نظر آنے لگتے ہیں۔''

وہ کہہ کر مسکرایا۔۔۔ تعبیر نے بے ساختہ ہی اپنا سر استحقاق سے اس کے چوڑے سینے پر رکھ دیا۔ اور جانے کتنے ہی آنسو بہا ڈالے تھے۔ مگر جو بھی تھا، وہ اس رات ان ڈیڑھ سالوں میں پہلی بار گہری اور پرسکون نیند سوئی تھی۔

اور دوسری طرف یہی وہ رات تھی جب مشعل اور حمدان کی زبردست قسم کی لڑائی ہوئی تھی۔

☆☆☆

''آخر تم اسے بھول کیوں نہیں جاتے۔'' مشعل نے اسموکنگ کرتے حمدان کے سر پر کھڑے ہو کر چلاتے ہوئے کہا۔

''کوئی بکواس نہیں۔ تم جا کر سو جاؤ۔'' حمدان نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا اور ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کے لیے کہا۔

''کیوں بکواس نہیں... سچ بول رہی ہوں تو تمہیں بکواس لگ رہی ہے۔ آخر اس میں ایسا کیا ہے جو تم میرے ہو کر بھی میرے نہیں ہو۔'' وہ چلائی اور اس بار حمدان کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے اپنے سامنے پڑے ٹیبل کو پوری شدت سے ٹھوکر ماری۔ ایش ٹرے اور ٹیبل پر موجود سب چیزیں گھاس پر اوندھے منہ گر چکی تھیں۔ مشعل ڈر کر پیچھے کی طرف اچھلی۔

''میں تمہیں کہہ رہا ہوں۔ اس کا نام میرے سامنے مت لیا کرو۔ اور تم بار بار اس کا نام میرے سامنے لیتی ہو۔'' اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

''حمدان میں......'' مشعل نے فوراً خود کو سنبھالا اور اس کا بازو تھامنا چاہا۔

''پیچھے رہو مجھ سے۔'' وہ درشتی سے اپنا بازو چھڑاتا، اندر کمرے کی سمت بڑھا۔ اور جس وقت مشعل اس کے عقب میں آئی۔ وہ ٹیبل سے اپنا فون اور والٹ اٹھا رہا تھا۔

''میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی حمدان۔'' وہ سرعت سے اس کے سامنے آئی۔ ''آئی ایم سوری میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔ میں آئندہ اس کا نام نہیں لوں گی۔ آئی پرامس۔'' مشعل اس کی منتیں کر رہی تھی۔ وہ جب بھی خاموش ہوتا یا پھر زیادہ اسموکنگ کرتا...... مشعل کو جانے کیوں لگتا وہ تعبیر کو یاد کر رہا ہے۔ اور یہ سوچ اس کے تن بدن میں آگ لگا دیتی۔ کیا کچھ نہیں کیا تھا اس نے حمدان کو پانے کے لیے اور وہ مل کر بھی اس کا نہیں ہو پا رہا تھا۔

''شٹ اپ!'' حمدان نے اس کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑایا اور بیرونی دروازے کی سمت بڑھ گیا اور مشعل وہیں بیڈ کے قریب زمین پر بیٹھ کر رونے لگی تھی۔

☆☆☆

چھ ماہ بعد

''پتا نہیں کیا بنے گا۔ حمدان اور مشعل کی لڑائی آئے روز بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ پتا نہیں اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے۔ ذرا سی دیر ہو جائے تب ہنگامہ۔ وہ خاموش بیٹھ جائے تب تماشا۔'' وہ جب سے آئی تھی منا بیگم یہی بات کیے جا رہی تھیں۔ ''ویسے تم نے اچھا کیا جو پاکستان سے جا رہی ہو۔ شاید تبھی ان کے بیچ سب کچھ ٹھیک ہو پائے گا۔'' منا بیگم بے دھیانی میں کہہ گئیں تو اپنے بیٹے کو سلاتی تعبیر نے شکوہ بھری نظروں سے ماں کی سمت دیکھا۔

''نہیں، میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' منا بیگم اس کی خاموش نگاہوں کا گلہ سمجھ چکی تھیں، اسی لیے بوکھلا کر بولیں۔

''میں آپ کی اکلوتی بیٹی ہوں مما۔ میں نے آپ سب کا دل توڑا۔ نافرمانی کی، میں مانتی ہوں غلط کیا تھا۔ اور میں اس نافرمانی کی سزا آپ سب کی ناراضی کی صورت میں بھگت بھی رہی ہوں اور جہاں تک حمدان اور مشعل کے مسئلے ہیں تو مما وہ ان کے اپنے پرسنل ایشو ہیں۔ اس میں میرا کوئی دخل ہے اور نہ کوئی لینا دینا۔ پھر کیوں آپ میرے جانے پر اس طرح خوش ہو رہی ہیں؟'' وہ کہتے ہوئے رو پڑی تھی۔

''نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم بھی ناں ہر بات کو دل سے لگا لیتی ہو۔'' منا بیگم شرمندہ ہو گئی تھیں۔

عنایہ بھابی نے کھانے کا انتظام کیا تھا تو اسی سلسلے میں دانیال کو بھی بار، بار فون کر کے کھانے پر بلایا گیا تھا۔ پھپو، تایا اور تائی بھی آ چکے تھے۔ سب ہی اس کے امریکا جانے پر افسردہ تھے۔ وہ مسکراتی رہی۔ وہ جانتی تھی دل سے سب ہی خوش تھے کہ وہ یہاں سے جا رہی ہے۔ مشعل عجیب نظروں سے تعبیر کو دیکھ رہی تھی۔

''تعبیر ویسے ماننا پڑے گا تمہیں بڑے گُن آتے ہیں، اپنے پیچھے لوگوں کو پاگل کرنے کے۔'' دانیال وقتاً فوقتاً اس کی پلیٹ میں کچھ نہ کچھ رکھ دیتا تھا اور پھر اس سے کھانے پر اصرار کرتا.... مشعل یہ دیکھ کر خود کو کہنے سے روک نہیں سکی تھی۔

''لوگوں کو نہیں شوہر کو...... میری بیوی ہے ہی اتنی اچھی مشعل کہ مجھے اس کا گرویدہ ہونا ہی پڑا۔'' دانیال نے ہنس کر کہا تو مشعل چہرے پر بمشکل مسکراہٹ سجا پائی تھی۔

''چلیں۔'' کھانے کے بعد چائے کا دور چلا اور پھر اس کے بعد دانیال نے تعبیر سے چلنے کے لیے کہا۔

''جی!'' تعبیر بھی فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ سب سے ملنے کے بعد وہ جیسے ہی پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کے پاس پہنچے تو اچانک ہی حمدان گیٹ پار کر کے اندر داخل ہوا۔ دانیال اور تعبیر کو دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رکا۔ اور پھر سر جھٹک کر آگے بڑھا۔

''گھر کی چابی لاؤ۔'' اس نے مشعل کو مخاطب کیا۔

''ہائے! کیسے ہیں حمدان؟'' دانیال نے خود آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ حمدان کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔

حمدان نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھاما۔

''ٹھیک ہوں۔'' کہہ کر ایک اچٹتی نظر تعبیر پر ڈال کر پلٹ گیا۔ اس ایک نگاہ میں کیا کچھ نہیں تھا۔ نفرت، استہزائیہ پن یا پھر کچھ اور......

''دانیال چلیں۔'' تعبیر کے لیے خود کو کمپوز کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا اور گاڑی کے اندر آ بیٹھی۔ یہ اس کے اپنے تھے۔ وہ اپنے جن کے بنا وہ ایک پل نہیں رہتی تھی۔ وہ سب کے سب اس سے خوف زدہ تھے۔ وہ خوش بھی تھے کہ وہ جا رہی ہے۔ ان کی زندگیوں میں سکون آ جائے گا۔ اس نے تھک کر اپنا سر گاڑی کی سیٹ کے ہیڈ ریسٹ پر ٹکا دیا۔

پتا نہیں وہ کون سی نیکی تھی۔ جس کے بدلے اسے دانیال ملا تھا۔ اور اگر دانیال عام روایتی مرد ہوتا تو جانے وہ کیا کرتی۔ کس طرح مینج کرتی۔ اور پھر اس سے اگلی صبح وہ پاکستان چھوڑ کر امریکا کے لیے رختِ سفر باندھ چکی تھی۔ زندگی کا یہ سفر اسے کہاں سے کہاں لے گیا تھا۔ اور اب اس کی زندگی دانیال اور اپنے بچوں کے گرد مصروف ہو چکی تھی۔ مگر دل کا وہ خانہ جہاں حمدان تھا۔ وہ تاریک رہا۔ دل میں یہ قلق رہا، حمدان نے اسے بے وفا سمجھا۔ اور یہ قلق ہمیشہ رہتا مگر شاید قدرت نے اس قلق کو مٹانے کا اور حقیقت کو سب پر آشکار کرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ برسوں بعد سہی حقیقت یوں سب کے سامنے آئی کہ سب حیران رہ گئے۔ وہ جو برسوں تعبیر سے نفرت اور بیزاریت کا اظہار کرتے رہے کسی اور کا اصل چہرہ سامنے آنے پر محوِ حیرت تھے اور سب ہی کیوں خود تعبیر بھی اس انکشاف پر انگشت بدنداں تھی۔

digest library.com

☆☆☆

پاپا کے انتقال کی خبر جیسے ہی تعبیر کو ملی تھی، دانیال نے پہلی فلائٹ کا ٹکٹ بک کروا دیا تھا۔

''تم خود کو سنبھالو تعبیر۔ جو انسان اس دنیا میں آیا ہے اسے جانا ہے۔'' دانیال نے روتی ہوئی تعبیر کو گلے سے لگاتے ہوئے تسلی دی۔ مگر دل کو قرار کہاں تھا۔ ایک کسک تھی جو پھانس بن کر اس کے دل میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کے پاپا اس سے ناراض اس دنیا سے چلے گئے۔

''میں تمہارے ساتھ ضرور چلتا۔ لیکن بچوں کے ہمراہ یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر پوری فیملی ساتھ جاتی ہے تو پھر کچھ دن لگیں گے۔ میں نے عادل سے کہا ہے۔ انکل کو دفنایا نہ جائے، تمہارا انتظار کیا جائے۔'' دانیال نے اسے بتایا تو تعبیر نے ممنونیت بھری نظروں سے دانیال کی طرف دیکھا۔

''نہیں معلوم دانیال، آپ میری کس نیکی کا انعام ہیں۔ میں اس قابل نہیں تھی۔ مجھے آپ جیسے انسان کا ساتھ ملا۔'' وہ کہتے ہوئے دانیال کے ہاتھوں پر سر رکھ کر اور شدت سے رو دی۔

''پاگل، خوش قسمت تو میں ہوں جو مجھے تمہارے جیسی شریکِ حیات ملی۔'' دانیال نے کہا اس کے ماتھے کو بوسہ دیا۔ اور پھر سامان کی پیکنگ کروانے میں اس کی مدد کی۔

''بچوں کی فکر مت کرنا۔ میں ہوں، بھابیاں ہیں...... اور اپنا بہت خیال رکھنا۔'' اس کے جہاز میں بیٹھنے تک دانیال کی ہدایات فون پر بھی جاری تھیں۔

''آپ بھی اپنا خیال رکھنا۔'' وہ محبت بھرے لہجے میں بولی تو دانیال مسکرا اٹھے تھے۔ بہت مشکل تھا یوں اکیلے سفر کرنا، بچوں اور دانیال کو چھوڑ کر آنا۔ مگر وہ باپ کے جنازے پر پہنچ چکی تھی۔ اور بہت مشکل تھا اپنے باپ کو اس حالت میں دیکھنا۔ وہ باپ کے جنازے کے پائنتی آ گری۔

''مجھے معاف کر دیں پاپا۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کا دل دکھایا۔ نافرمانی کی۔ بس مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے ناراض نہ ہونا۔'' وہ کہتے ہوئے سب کو رلا گئی تھی۔

عادل نے بے ساختہ ہی اپنی چھوٹی بہن کو گلے لگا لیا تھا۔ اس کا قصور اتنا بڑا نہیں تھا، جتنی ان سب نے مل کر اسے سزا دی تھی۔ وہ دونوں بہن بھائی برسوں بعد گلے مل کر بہت روئے تھے۔ بلکہ سب کو رلا گئے تھے۔

☆☆☆

وقت کا کام ہے گزرنا سو وہ گزر رہا تھا۔ یہ ندیم صاحب کے قل کی بات ہے۔ وہ عادل بھائی کے بچوں کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ جب حمدان لاؤنج میں داخل ہوا اور تھکے ہوئے انداز میں آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے شاید تعبیر کو نہیں دیکھا تھا۔ اپنی پیشانی مسلتا وہ صوفے کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند گیا۔ تعبیر کے دل کو کچھ ہوا۔ یہ وہ حمدان کہاں تھا۔ جسے وہ جانتی تھی۔ وہ بدل گیا تھا۔ اور بہت بدل گیا تھا۔

''تعبیر پھپھو۔'' علی نے اسے پکارا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب حمدان نے تیزی سے آنکھیں کھولیں اور سامنے صوفے کی طرف دیکھا۔ اسے واقعی پتا نہیں چلا تھا کہ بچوں میں گھری تعبیر بیٹھی ہوئی ہے۔ پیشانی پر لکیریں نمودار ہوئیں۔ وہ اٹھا اور کچن سے نکلتی مشعل کی سمت بڑھا۔

''کتنی بار کہا ہے میں نے تم سے، گھر کو لاک مت لگایا کرو۔ تمہیں میری بات سمجھ نہیں آتی۔'' وہ مشعل پر گرج رہا تھا۔ اور اگلے ہی لمحے لمبے، لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا۔ مشعل اس کے عقب میں لپکی۔ تعبیر کا دل دکھ سے بھر گیا۔ وہ اسے اتنا برا سمجھتا ہے کہ اس کی طرف دیکھنا گناہ سمجھتا ہے۔ اس نے ایک بار بھی اسے مخاطب نہیں کیا۔ نہ ہی اس کے پاپا کا افسوس کیا۔ ضروری تو نہیں محبت ہی کو یاد رکھا جاتا۔ وہ آپس میں کزن بھی تو تھے۔ وہ بھرائے ہوئے دل کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''جس دن تمہیں نہ دیکھوں تو لگتا ہے میرا دن ہی نہیں چڑھا۔'' وہ کتنی بھی گہری نیند میں کیوں نہ ہوتی۔ وہ اسے اٹھا کر گڈ مارننگ کہتا اور اس کے ناراض ہونے پر کندھے اچکا کر چہرے پر جہاں بھر کی معصومیت سجا کر کہتا تو وہ غصے میں بھی ہنس پڑتی۔ اور اب...... ہاں برسوں کا فاصلہ تو بہر حال آ گیا تھا۔ وہ دھیرے، دھیرے چلتی کھڑکی میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کھڑکی سے ساتھ والے گھر کا لان نظر آتا تھا۔ لان میں پڑی کرسی پر حمدان بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا اور مشعل اس کے قریب کھڑی جانے کیا بول رہی تھی۔ لیکن اس کے بولنے کے انداز سے صاف لگ رہا تھا وہ کسی نہ کسی بات پر اس سے الجھ رہی تھی۔ پھر مشعل نے گیٹ سے داخل ہوتے بیٹے کی سمت دیکھا اور اسے دیکھتی پاؤں پٹخ کر اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔ احد بھی ماں کے عقب میں جا چکا تھا۔ حمدان نے گہرا کش لگایا اور منہ میں موجود دھوئیں کے مرغولے کو فضا کے سپرد کیا۔ کچھ دیر کے لیے ہی سہی ان دونوں کے بیچ دھوئیں کا باریک ہیولہ آ چکا تھا۔ اچانک ہی حمدان نے ہاتھ سے اس ہیولے کو پرے کیا۔ وہ شاید تعبیر کی جھلک دیکھ چکا تھا۔ جانے کیا بات تھی۔ تعبیر اپنی جگہ سے ہٹ نہیں پائی تھی۔ حمدان کی آنکھیں ویسی روشن نہیں تھیں جیسی پہلے ہوا کرتی تھیں۔ وہ پہلے جیسا کب رہا تھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں اور پھر حمدان ایک جھٹکے سے اٹھا، ہاتھ میں پکڑی سگریٹ گھاس پر گرا کر پاؤں تلے روندی اور اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ مگر جانے کیوں وہ وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

ہر گزرتا دن مشعل کو مشتعل کرتا جا رہا تھا۔ جانے اسے کس بات کا ڈر تھا۔ اس ایک ماہ میں حمدان نے تعبیر سے بات نہیں کی تھی۔ وہ جہاں ہوتی۔ وہ وہاں آتا تک نہیں تھا۔ اور پھر تعبیر شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں تھی۔ خود مشعل اور حمدان کے پاس ایک بیٹا تھا۔ زندگی آگے بڑھ چکی تھی۔ بلکہ بہت آگے بڑھ چکی تھی۔ مشعل کے اس طرز عمل کو

دیکھ کر اس نے جلد واپس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے عادل بھائی سے کہہ کر واپسی کی ٹکٹ بھی کروائی تھی۔ صنا بیگم کے ساتھ اس بار تایا، تائی نے اسے رکنے پر اتنا اصرار کیا کہ مجبوراً اسے اپنی سیٹ ایک ہفتہ آگے کروانی پڑی۔

''اس سے زیادہ نہیں رک سکتی۔ بچے اور دانیال بہت ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔'' اس نے بہانہ گھڑا۔ حالانکہ دانیال اسے کئی بار کہہ چکا تھا۔ وہ رہنا چاہتی ہے تو مزید رہ لے۔ مگر شاید اب اس کے چلے جانے میں ہی عافیت تھی۔ وہ مشعل کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ کہنے سے پہلے یہاں سے چلی جانا چاہتی تھی۔ اور پھر یہ اس کے جانے سے دو دن پہلے کی بات تھی۔ جب...... حمدان نے بائے چانس مشعل کی گفتگو سن لی تھی جو وہ اپنی دوست کے ساتھ کر رہی تھی۔ حمدان نے تعبیر کی وجہ سے اپنے گیٹ کا لاک آٹو چینک لگوا لیا تھا۔ وہ تعبیر کو دیکھنا تک نہیں چاہتا تھا۔ مشعل اور شہلا بیگم اکثر اوقات ہی ساتھ والے گھر میں ہوتیں۔ شہلا بیگم اور اشرف صاحب بھائی کے گھر تھے اور احد بھی ان کے ساتھ تھا۔ حمدان جلدی گھر آ گیا تھا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس کا ارادہ تھا وہ خاموشی سے لاک کھول کر اندر جائے گا اور اپنے کمرے میں جا کر سو جائے گا۔ اور وہ اسی لیے اپنی چابی سے لاک کھول کر گھر میں داخل ہوا۔ اور جیسے ہی اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ اندر سے آتی آوازوں پر وہ ٹھٹک کر رکا۔

مشعل، تعبیر کے بارے میں بات کر رہی تھی۔ حمدان بلا ارادہ ہی رک کر اس کی باتیں سننے لگا۔

''جب میرا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ تو میری بلا سے مشعل اس کے بارے میں کچھ بھی بولے، کچھ بھی کہے۔'' وہ سوچ کر پلٹا اور ابھی دو قدم چلا ہی تھا۔ جب مشعل کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس کے قدم زمین پر گڑ گئے تھے۔ وہ تیسرا قدم چاہ کر بھی نہیں اٹھا پایا تھا۔

☆☆☆

''آج تک حمدان کو یہ نہیں پتا چلا کہ تعبیر نے اسے کیوں چھوڑا۔ میں نے حمدان کو اس منحوس سے اتنا متنفر کر دیا۔ وہ اس کی طرف دیکھنا تک نہیں۔ میں نے تعبیر کو شکست دے دی۔ اور دیکھو آج تک تعبیر کو بھی نہیں پتا چلا وہ نجومی جھوٹا تھا۔ میں نے پیسے دے کر اس سے وہ سب کہلوایا تھا۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔ اس ہنسی میں دوسری ہنسی بھی شامل ہوئی۔

''ویسے یار تم نے تعبیر کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اسے اتنا ڈرایا کہ حمدان سے شادی کی تو وہ مر جائے گا۔ وہ بیچاری ڈر گئی۔ خوف زدہ ہو گئی۔ ویسے تھی بڑی رحم دل تعبیر۔ ساری دنیا مخالف ہو گئی۔ وہ بیچاری بدنام ہوئی پر آج تک اس نے یہ بات منہ سے نہیں نکالی۔ ویسے مشعل تمہیں افسوس نہیں ہوتا۔ تم نے ان دونوں کو الگ کر دیا۔''

''افسوس، افسوس کیوں ہو گا صبا۔ حمدان سے میں محبت کرتی تھی اور تمہیں پتا ہے میرے سامنے...... میری آنکھوں کے سامنے وہ میرے حمدان کو لے اڑی تھی۔ میں ابھی محبت کے اظہار کے بارے میں کیا سوچتی۔ وہ تو اس سے پہلے ہی حمدان کو اپنا اسیر بنا چکی تھی۔ میں اس سے بڑی تھی تو حمدان پر پہلا حق میرا تھا۔ تم وہ درد نہیں سمجھو گی جو مجھے حمدان کو اس کے ساتھ دیکھ کر ہوتا تھا۔ حمدان نے اس سے اتنی دھوم دھام سے منگنی کی۔ کتنی تکلیف ہوئی تھی مجھے۔ کتنا درد ہوا تھا۔ میں کتنا روئی تھی۔ یہ بس مجھے ہی پتا ہے اور پھر میں نے چار سال سوچا ہر پل، ہر لمحہ...... میں کیسے ان دونوں کو الگ کر دوں۔ اور پھر یونی ورسٹی میں جب ایک لڑکی دوسری لڑکی کا ہاتھ دیکھ رہی تھی، اس نے یونہی اسے کہہ دیا جس سے تم محبت کرتی ہو، اگر اس سے تمہاری شادی ہوئی تو وہ مر جائے گا۔ دیکھو اللہ نے کیسا مجھے آئیڈیا دیا کہ میں اچھل پڑی۔ میری دعائیں پوری ہو گئیں۔ میں نے تعبیر تک اس لڑکی کو پہنچایا۔ اس نے وہی کہا جو میں نے اسے سکھایا تھا۔ تعبیر خوف زدہ ہو گئی اور ڈر گئی۔ لیکن میں نے اسے تسلی دی اور کہا یہ تو ایسے ہی کہتی ہیں...... اور پھر ہم ہوٹل گئے۔ وہاں باہر بیٹھے نجومی کو میں نے منہ مانگی قیمت دی۔ اور جان بوجھ کر آتے ہوئے تعبیر کو اس کے پاس لے گئی۔ اس نے وہی کہا۔ ''حمدان مر جائے گا۔ اگر تعبیر کی شادی اس سے ہوئی......'' اور پھر تعبیر نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ اس نے اپنی محبت کا گلا گھونٹ ڈالا۔ حمدان کو چھوڑ دیا۔ اور پھر......'' دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تھا۔ حمدان کو دیکھ کر ایک پل کے لیے مشعل اور اس کی دوست کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا حمدان اس وقت واپس آ سکتا ہے۔

حمدان، مشعل کے قریب گیا۔

"حمران آپ..... کب آئے؟" لفظ آدھے مشعل کے منہ میں تھے کہ حمران کا ہاتھ اٹھا اور پوری قوت سے مشعل کے جبڑے پر پڑا تھا۔ وہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اسی لیے توازن برقرار نہ رکھ سکی اور منہ کے بل زمین پر گری۔

"حمران میری بات....." صبا آگے بڑھی۔

"آؤٹ، آؤٹ۔" وہ پوری شدت سے چلایا تھا۔ صبا نے ایک نظر زمین پر گری مشعل کی سمت دیکھا اور پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔

"ایسے نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔ تمہارا یہ مکروہ چہرہ میں سب کے سامنے لے کر آؤں گا۔" اس نے کہتے ہوئے مشعل کو بازو سے جکڑا اور گھسیٹتے ہوئے اپنے ساتھ تعبیر کے گھر لے آیا۔

"میری بات سنو حمران۔ میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ تمہاری بیوی ہوں میں۔ تم ایک بار میری بات تو سنو۔" مشعل اس کے ساتھ گھسٹتی چلی آرہی تھی اور منت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ مگر وہ کہاں سن رہا تھا۔ اس نے مشعل کو لاکر سب کے بیچ میں لا پھینکا تھا۔

"حمران یہ کیا بدتمیزی ہے۔" اشرف صاحب خفگی سے کہتے ہوئے کھڑے ہوئے۔

"حمران ایک بار میری بات تو سنو۔" مشعل نے اسے پکڑنا چاہا۔

"دور رہو مجھ سے۔" اس نے بری طرح مشعل کو دھکا دیا۔

باقی سب حیرت کی تصویر بنے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ حمران بت بنی کھڑی تعبیر کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔

"کیا..... کیا تم نے میرے لیے تعبیر ایک بار..... ایک بار بھی نہیں سوچا، میں مر جاؤں گا تمہارے بغیر۔" اس کا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔ چہرہ ضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔

"سب اس نے کیا ہے۔ اس نے تمہیں مجھ سے دور کیا۔" وہ عجب درد کی منزل پر تھا۔

"حمران میرے بچے۔" شہلا بیگم اس کی حالت پر تڑپ گئی تھیں۔

"اعتراف کرو۔ اعتراف کرو، سب کے سامنے۔ اپنے گناہوں کا۔" اس نے مشعل کو کھینچ کر سب کے بیچ کھڑا کیا۔

شیطان کی تباہی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"روزہ شیطان کے چہرے کو سیاہ کر دیتا ہے۔ صدقہ اس کی کمر توڑ دیتا ہے اور خدا کے لیے محبت کرنا اور نیک عمل انجام دیتے رہنا اس کی جڑ کو کاٹ دیتا ہے اور استغفار کرنا اس کے دل کی رگ کو پھاڑ دیتا ہے۔" (بحار الانوار ۹۳)

مرسلہ: اقصیٰ زینب، کراچی

مہکتی کلیاں

☆ ناراضی ظاہر کرنا، دل میں برائی رکھنے سے بہتر ہے۔

☆ تلخ ہو جانا منافق ہونے سے ہزار گنا اچھا ہے۔

☆ سب کچھ میسر ہونا زندگی نہیں بلکہ جو کچھ میسر ہے اس پر خوش رہنا اور شکر ادا کرتے رہنا زندگی ہے۔

مرسلہ: مہوش فاطمہ، حیدرآباد

اعجاز علمی

☆ خدا نے قرآن کریم چودہ صدی پہلے ایک دور دراز سرزمین پر جو کہ علم و علم دوستی سے دور تھی نازل کیا۔ اور آج کا انسان اس علم سے استفادہ کرنے کے قابل ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (انبیاء۔۳۰)

اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے خلق کیا۔

ماہرین حیاتیات کہتے ہیں کہ اولین زندہ موجود پانی سے وجود میں آیا۔ اسی لیے جاندار کے جسم کا اہم حصہ پانی ہے اور جاندار اپنی حیات میں پانی کے محتاج ہیں۔

کیا قرآن مجید کا اشارہ فقط اسی طرف تھا؟ شاید اس کے اور بھی معنی اور راز ہوں جو مستقبل میں علم کی پیش رفت سے کھل کر سامنے آئیں۔

مرسلہ: فرزانہ صادق، اوکاڑہ

digestlibrary.com

قصہ ایک پکنک کا

میٹرک کی کلاس کو اسکول پرنسپل کئی بار پکنک پر لے جاتے۔ زیادہ تر یہ تفریح کے ساتھ، ساتھ معلوماتی اسٹڈی ٹور بھی ہوتے ہیں۔ ہم نے ان کے طفیل پشاور کے مضافات میں ترناب فارم، مردان میں شوگر مل، نشاط ٹیکسٹائل ملز نوشہرہ، فیروز سنز لیبارٹریز کی سیر بھی کی۔

کچھ عرصہ بغیر پکنک کے گزرا تو سینئر کلاس کی لڑکیاں اور اسٹاف کے ساتھ پرائیویٹ پکنک کا پروگرام بنا۔ ہماری گائیڈ اور سرپرست ایک سینئر ٹیچر تھیں جو خود بھی سیر و تفریح کی شوقین تھیں۔ گھر سے اجازت ملنے پر آٹھ لڑکیاں، چار ٹیچرز ایک آیا اور چوکیدار کے ساتھ یہ قافلہ پشاور سے اٹک کے لیے روانہ ہوا۔ پشاور سے صبح 8 بجے جی ٹی ایس بس پنڈی کے لیے نکلتی تھی یہ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ سروس تھی، بے حد شاندار۔ (اب تو اس کا نام و نشان بھی نہیں ہے) خیر ہم سب اپنے ٹفن بکس اور دیگر سامان خورونوش کے ساتھ جا کر بس میں بیٹھ گئے۔ خالی بس نہایت آرام سے اٹک تک کا یہ سفر طے ہوا۔ سارا دن دریا کے کنارے پانیوں میں خوشگوار دن گزرا۔ یہ بھولے ہوئے تھے کہ واپس گھر بھی جانا ہے۔ سہ پہر کے چار بجے تو واپسی کے لیے روڈ کنارے کھڑے ہوگئے۔ راولپنڈی سے پشاور آنے والی بسیں بھری ہوئی ملتیں اور وہ ہاتھ کے اشارے سے کہتے کہ خالی نہیں ہے۔

آہستہ آہستہ شام کے سائے گہرے ہوتے گئے اور ہم سب کی پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا کہ اب کیا، کیا جائے۔ کافی انتظار کے بعد پنڈی سے آنے والے ایک کوئلوں کے خالی ٹرک کو چوکیدار نے اشارے سے رکوایا۔ وہ اتنی ساری مخلوق کو دیکھ کر حیران ہوا۔ طے یہ ہوا کہ وہ ہم سب کو اٹک ریلوے اسٹیشن (اٹک خورد) تک لفٹ دے دے۔

خیر ہم سب بکریوں کی طرح ٹرک پر لوڈ ہوئے۔ مارے ہنسی کے برا حال تھا۔ اس وقت روڈ بل کھاتی ہوئی پل

"حمدان میری بات سنو۔" مشعل نے اسے کچھ کہنا چاہا۔

"میں تمہیں ابھی اور اسی وقت طلاق دے دوں گا اگر تم نے سچ نہ بتایا، خاص طور پر اسے۔" حمدان نے دانت پیس کر تعبیر کی سمت اشارہ کیا۔

"نن..... نہیں، مجھے طلاق مت دینا حمدان۔ میں نے کیا ہے یہ سب تعبیر۔ میں نے اس لڑکی اور نجومی سے کہا تھا، تمہیں کہے، جس سے تم محبت کرتی ہو...... اگر اس سے شادی کی تو وہ مر جائے گا۔ میں نے ان سے جھوٹ بلوایا تھا۔ کیونکہ میں حمدان سے محبت کرتی تھی۔ اور مجھے اس سے شادی کرنی تھی۔" وہ اٹک، اٹک کر کہہ رہی تھی۔

حقیقت اتنی کرب ناک تھی، تعبیر کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"معاف نہیں کروں گا تمہیں میں تعبیر۔ کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کتنا پوچھا تھا تم سے، کتنی منتیں کی تھیں میں نے تمہاری، کیوں انکار کر رہی ہو۔ ایک بار تو بتادو۔ اور تم......" اس کا ضبط ختم ہو چکا تھا۔ وہ رو رہا تھا۔ تعبیر کو لگا وہ اب کبھی جی نہیں پائے گی۔ اس کی دوست، اس کی کزن نے اس کے ساتھ......

"حمدان...... میرے بچے۔" شہلا بیگم بیٹے کو روتا دیکھ کر ٹوٹ گئی تھیں۔

حمدان نے سر اٹھایا اور اپنی آنکھوں کو آستین سے صاف کیا۔ اور وہاں سے نکل آیا۔ اشرف صاحب اور عادل اس کے عقب میں لپکے مگر وہ......

"میں گھر جا رہا ہوں۔ مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔" باپ کو اپنے پیچھے لاچاری سے بھاگتا دیکھ کر وہ رک گیا تھا۔

"میں گھر جا رہا ہوں بابا۔ آپ فکر مت کریں۔" وہ ٹوٹا ہوا تھا مگر بوڑھے باپ کا خیال اسے اب بھی تھا۔

"میرا بیٹا۔" اشرف صاحب کو سمجھ نہیں آرہا تھا۔ وہ اسے کیا کہیں۔ وہ خاموشی سے گھر کی طرف چل پڑا۔ اسے تنہائی کی ضرورت تھی۔ ایسی تنہائی جو اس کی وحشتوں کو نگل لیتی۔ اسے حقیقت کے سامنے کھڑے ہونے کے قابل بنا دیتی۔ ورنہ تو وہ ان چھپے رازوں کے عیاں ہونے سے اپاہج ہو چکا تھا، بے جان ہو چکا تھا۔

☆☆☆

سب ایک دوسرے سے نظریں چرائے پھر رہے تھے۔ مشعل کے اس راز نے سب کی زبانوں کو گنگ کر دیا

تک جاتی تھی آج کل یہ روڈ سیدھی پشاور جاتی ہے، ریلوے پل کو چھوڑ کر۔ خیر جب اٹک پل کے پاس ٹرک رکا اور اس میں سے مخلوق چھلانگیں مارتی نیچے اتری تو ڈیوٹی پر کھڑے ایف سی کے جوان الرٹ ہو گئے۔ ہماری سربراہ ٹیچر نے جا کر ان سے کہا میرے ساتھ یہ بچیاں ہیں۔ ہم نے اٹک ریلوے اسٹیشن تک جانا ہے۔ خیر اسٹیشن پہنچے تو گروپ لیڈر، اسٹیشن ماسٹر کے آفس گئیں اور سارا ماجرا بیان کیا۔ شام کے 7 بج چکے تھے، اندھیرا چھا گیا تھا۔ اسٹیشن ماسٹر نے کہا کہ صرف پسنجر ٹرین یہاں سے گزرے گی اور میں ایک منٹ کیلئے ٹرین روکوں گا۔ آپ سب نے ایک منٹ میں ٹرین میں چڑھنا ہوگا۔

وہ وقت بھی خوش گپیوں میں گزرا اور ہم ٹرین پر سوار ہوئے۔ چھک، چھک، پھک، پھک دھیمی رفتار سے رات گیارہ بجے پشاور سٹی اسٹیشن پہنچی۔ پیچھے گھر والوں کا برا حال تھا۔ میرے والد بار، بار والدہ سے کہتے...... ''یہ لڑکیاں اٹک دریا میں ڈوب گئی ہیں۔'' اور یہ حال سارے گھر والوں کا تھا۔ خیر وہاں تانگوں میں سوار ہو کر منزل مقصود تک پہنچے اور ہمارے والد صاحب پریشانی کے عالم میں انتظار کرتے نظر آئے۔ زوردار ڈانٹ کے بعد حکم صادر ہوا کہ اب اگر کبھی پکنک کا نام لیا تو ٹانگیں توڑ دوں گا مگر ہم کہاں باز آنے والے تھے۔

بس خاموشی سے امی سے ایک کپ چائے اور سر درد کی گولیوں کی فرمائش کی اور تھکے ہارے نیند کی وادی میں گم ہو گئے۔ اب بھی کبھی جب اس راستے سے گزر ہوتا ہے تو ہنسی چھوٹ جاتی ہے...... ہائے کیا دن تھے وہ بھی۔

یہ لکھنا تو بھول گئی کہ کوئلوں کے ٹرک میں سفر سے ہمارا لباس اور ہاتھ منہ بھی کالے ہو گئے تھے اور ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر قہقہے مارنے لگیں۔

تحریر: فریدہ افتخار، اسلام آباد

تھا۔ اور سب سے زیادہ درد میں تو تعبیر تھی۔ اعتبار، اندھے اعتبار کی سزا اسے یوں دی گئی تھی۔ ہر لمحہ اذیت ناک تھا۔ ہر پل کرب ناک۔ یہ اس نے کیا کر ڈالا تھا۔ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے حمدان کو خود سے دور کر دیا تھا۔ آہ! رو، رو کر اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں۔ دل زخم زدہ تھا۔ لیکن اسے واپس جانا تھا۔ اس کا مخلص، وفادار شوہر اور پیارے بچے اس کے منتظر تھے۔ مشعل کی سچائی اب اسے کبھی حمدان سے نہیں ملا سکتی تھی۔ مگر ہاں وہ حمدان سے معافی تو مانگ سکتی تھی۔ اسی لیے وہ تایا کے گھر چلی آئی۔

''تعبیر'' تائی اسے دیکھ کر اٹھ کر کھڑی ہوئیں۔ وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

''تمہاری آج رات کی فلائٹ ہے۔'' شہلا بیگم نے اس سے پوچھا تھا یا خود کو یاد دلایا تھا۔ جو بھی تھا تعبیر نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آؤ ناں...... بیٹھو تعبیر'' ہما باجی کچن سے نکل کر آئیں۔ وہ اور فائزہ باجی بیٹھی تھیں۔ سب کی طرح حیرت زدہ اور افسردہ۔ مشعل نے اپنی خود غرضی میں کتنے دل اور کتنوں کے مان کو توڑا تھا اور اسے کبھی اپنے کیے پر افسوس بھی نہیں ہوا تھا۔

''میں تو کہہ رہی ہوں جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اب آپ حمدان کو سمجھائیں۔ حقیقت تو یہی ہے۔ مشعل اس کی بیوی اور اس کے بیٹے کی ماں ہے۔ وہ اسے آنے کی اجازت دے، دے۔ پھوپھو بیٹی کی حرکت سے پہلے ہی افسردہ ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ حمدان نے مشعل کو سختی سے گھر آنے سے منع کر دیا ہے۔ ایسے کیسے چلے گا ماما؟'' فائزہ نے بیٹے کو گود میں سلاتے ہوئے ماں سے استفسار کیا۔

''مجھے حمدان سے ملنا ہے۔'' تعبیر کو کسی بھی بات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اسے بس حمدان سے مل کر واپس جانا تھا۔

''تم ہی سمجھاؤ تعبیر، حمدان کو۔ زندگی بدل تو نہیں سکتی۔ اب تم بھی شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں ہو۔ تم حمدان کو سمجھاؤ۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔'' ہما نے منت بھرے لہجے میں تعبیر سے کہا۔ تو وہ کچھ بھی کہے بنا حمدان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی اور دروازہ ناک کر کے کمرے میں چلی آئی۔

وہ جھجکتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ

سامنے ہی بیڈ پر چت لیٹا بہت گم صم اور اداس سا غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ دھیرے، دھیرے آگے بڑھی اور اس کے بیڈ کے قریب پڑی کرسی پر آبیٹھی۔ اس نے بغور محسوس کیا تھا کہ اس کی آمد پر حمدان کے چہرے پر ناگواری کے بادل چھا گئے تھے۔ تاثرات صاف بتا رہے تھے۔ اسے اس کا آنا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ حمدان نہ تو تعبیر سے ملنا چاہتا تھا اور نہ ہی اس سے کوئی بات کرنا چاہتا تھا۔

''حمدان!'' تعبیر کے لب ہولے سے پھڑپھڑائے۔

''یہاں سے اسی وقت چلی جاؤ۔'' روکھا اور سرد لہجہ عیاں تھا۔ اس نے کہہ کر ناگواری سے اپنا دایاں بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ اجنبیت بھرے رویے میں تضحیک کی آمیزش بھی گھلی ہوئی تھی۔ لیکن وہ اسی قابل تھی، اسی لائق تھی۔ کچھ ساعتیں یونہی خاموشی کی نذر ہو گئی تھیں۔ اور پھر حمدان جھٹکے سے اٹھا۔ تعبیر اس کے سامنے جھکی رو رہی تھی۔

''میں نے تم سے کہا ہے۔ یہاں سے چلی جاؤ۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے جینے دو۔'' وہ درشتی سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑتا، بدلحاظی سے بولا اور اٹھ کر کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اضطراب، بے خوابی اور اندرونی توڑ پھوڑ نے اسے مضمحل کر ڈالا تھا۔ اس نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور سگریٹ سلگالی۔

وہ وہیں بیٹھی رو رہی تھی۔ اذیتیں اس کے پورے وجود کو جکڑنے لگی تھیں۔ حمدان کو لگ رہا تھا وہ اذیت کے مضبوط جال میں قید ہو گیا ہے۔ اذیت و تکلیف نے اس کے زخموں کو ناسور بنا دیا تھا جو اب اس کی جان لینے کے درپے تھا۔ اس نے زور سے ہاتھ میں پکڑی سگریٹ کو زمین پر پھینکا اور پلٹ کر روتی ہوئی تعبیر کو دیکھا۔ اس کے اندر مزید کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تھی تو وہ وہی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ چکا تھا۔

''چلی جاؤ تعبیر۔ یہاں سے چلی جاؤ۔ مجھے یقین کرنے میں شاید صدیاں لگیں گی۔ تم نے مجھے اپنی... بے اعتقادی کی وجہ سے چھوڑا۔ تمہیں نہ خدا پر یقین تھا۔ نہ میری محبت پر۔ آخر تم ایسے کیسے مجھے اس پامسٹ کی بات پر یقین کر کے چھوڑ سکتی ہو۔ زندگی اور موت کا مالک خدا ہے۔ اور کب، کون، کہاں مرے گا۔ یہ کیسے کوئی بتا سکتا ہے؟'' اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ ڈھیروں کرچیوں کے مانند بکھرا ہوا۔

''میں... میں بہت ڈر گئی تھی حمدان۔ تم سے تمہاری زندگی سے بڑھ کر میرے لیے کچھ اہم نہیں تھا۔ اور پھر اس ڈر کو اور بڑھاوا دینے لیے مش... ع... ل...'' تعبیر یہیں رک گئی تھی۔

''مر جاتا، مان لیا میں تمہیں پا کر مر بھی جاتا۔ تب بھی وہ موت اس زندگی سے بہتر ہوتی۔ جس زندگی میں تم نہیں۔ وہ زندگی میرے کسی کام کی نہیں۔ لیکن میں یہ سب کچھ تمہیں کیوں کہہ رہا ہوں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے رکا اور چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا تعبیر دانیال درانی۔ کبھی نہیں۔'' وہ کہتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اٹھا اور اپنی جانب دیکھتی تعبیر کے قریب آیا۔

''تم جاؤ یہاں سے، چلی جاؤ۔'' وہ کہتے ہوئے چلایا۔

''معاف کر دو حمدان مجھے، معاف کر دو۔'' وہ پوری شدت سے رو دی۔ ''میں اتنے بڑے بوجھ کے ساتھ کیسے واپس جاؤں گی۔'' اس نے بے بسی سے فرش پر اپنے ہاتھوں کی مٹھیوں کو مارا۔ اسے یوں بے بسی سے روتا دیکھ کر حمدان رکا اور پھر تھکے ہوئے انداز میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اگر اس نے تعبیر کو کھو دیا تھا تو تعبیر نے کون سا خوشی سے اسے چھوڑا تھا۔ یہ دچھوڑا تو دونوں کے لیے ہی اذیت ناک تھا۔

''میں نہیں جانتی تھی، مشعل تم سے محبت کرتی ہے۔ اس نے کبھی کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ جو کہتی رہی میں یقین کرتی رہی۔ مجھے اس نجومی یا پھر اس لڑکی نے نہیں۔ اپنوں پر اندھا اعتماد کرنے کی سزا تم سے دوری کی صورت میں ملی۔ ہاں غلطی ہے میری... مجھے تمہارے پوچھنے پر تمہیں بتا دینا چاہیے تھا۔ لیکن مشعل نے کہا اگر تم نے غلطی سے بھی پامسٹ کی بات حمدان کو بتائی تو وہ کبھی یقین نہیں کرے گا۔ بلکہ زبردستی شادی کرلے گا۔ تمہیں چھوڑنا آسان نہیں تھا حمدان۔ کرب کے بے کراں سمندر میں، میں بھی تو ڈوبی ہوں۔ جانے وہ کون سی نیکی تھی جو دانیال مل گئے۔ ورنہ میں، میں تو تم سے بچھڑ کر کب کی مر جاتی۔'' وہ رو دی تھی۔

''کاش تعبیر...... کاش تم ایک بار اپنے خدا پر یقین کرتیں۔ اپنی دعاؤں پر یقین رکھتیں۔ وہ دعاؤں کو سنتا ہے۔ وہ کیسے ہماری دعائیں نہ سنتا۔ ہاتھوں کی لکیریں علم ہیں۔ یہ لکیریں بے وجہ بھی نہیں۔ لیکن کیا تم نے سنا نہیں تھا۔ دعا

کی طاقت ہاتھوں کی لکیروں کو بدل ڈالتی ہے۔ خدا پر بھروسا تقدیر کے لکھے کو بدل سکتا ہے۔'' وہ ہارے ہوئے لہجے میں بولا تو تعبیر نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ کتنے ہی خاموش پل ان دونوں کے بیچ حائل ہونے لگے تھے۔ یہ خاموشی بڑی جان لیوا تھی جیسے جدائی جان لیوا تھی۔

جدائی موت ہوتی ہے۔

کبھی فرصت ملے تو تم دیکھنا، پتوں کا گرنا کہ جب یہ شجر سے گر کر زمین پر آن پڑتے ہیں۔ تو کیسے پاؤں تلے روندے جاتے ہیں۔ کبھی قطار میں بچھڑی ہوئی کونجوں کے نوحے پر نگاہ کرنا کہ کیسے ایک دوسرے کی جدائی پر تڑپ کر بین کرتی ہیں۔ کبھی رخصت ہوتے ان لمحوں میں سے کسی کی آنکھ سے لڑھکتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھنا تو جان جاؤ گے جدائی موت ہوتی ہے۔

خاموشی کے ان لمحوں میں تعبیر کے فون کی بیل گونج اٹھی۔ وہ دونوں اپنے اپنے خیالوں سے چونکے۔ تعبیر نے اپنے پاس پڑے فون کو دیکھا۔ دانیال کا فون تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا اور دانیال کا فون پک کیا۔

''کچھ گھنٹوں میں تمہاری فلائٹ ہے۔ کیا تم گھر سے نکل چکی ہو؟'' دانیال محبت بھرے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

''نکلنے لگی ہوں۔'' وہ بمشکل تین لفظ بول پائی تھی۔

''بچے تمہیں بہت مس کر رہے ہیں۔ اور سب سے زیادہ تمہیں بچوں کے بابا مس کر رہے ہیں۔ جلدی سے آ جاؤ۔'' دانیال کہہ کر دھیرے سے ہنسا تو تعبیر نے..... بے اختیار ہی اپنے سے کچھ فاصلے پر بیٹھے حمدان کی طرف دیکھا۔ اس نے آج بیزاری یا پھر نفرت سے نگاہیں نہیں بدلی تھیں۔ تعبیر نے دھیرے سے فون کاٹ دیا۔ اور خود کو سنبھالتی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

''ہماری قسمت میں شاید اسی طرح جدائی لکھی تھی حمدان۔'' وہ رکی اور گہری سانس لینے لگی۔ حمدان کی نظریں تعبیر کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔

''مشعل، مشعل تم سے محبت کرتی ہے حمدان اور اس نے اس محبت اور تمہیں پانے کے لیے بہت گناہ کیے ہیں۔ لیکن احد کے لیے اور پھپو کے لیے اسے معاف کر دو..... اور۔'' وہ رکی، آنسوؤں کی جھڑی ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے رواں ہوئی۔

''اور ہو سکے تو مجھے بھی معاف کر دینا۔'' اس نے کہہ کر اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑا اور تیزی سے باہر نکل آئی۔ وہ مزید حمدان کے سامنے کھڑی رہتی تو ٹوٹ کر بکھر جاتی یا پھر شاید کبھی واپس نہ جاتی یا پاگل ہی ہو جاتی۔

''معاف۔'' حمدان کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔ ''عورت کا دل بدل سکتا ہے۔ من پسند مرد نہ ملے تو وہ قسمت سے ملے شخص کو من پسند بنانے کی کوشش کرنے لگتی ہے۔ لیکن مرد کا دل کبھی نہیں بدلتا، ایک بار اس کا دل جس عورت پر آ جائے پھر کبھی اس سے کم پر راضی نہیں ہوتا۔'' وہ دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے بولا۔ جہاں سے تعبیر گزر کر گئی تھی۔

اور جہاز کی سیٹ کی پشت پر سر لگا کر آنکھیں موندتے ہوئے تعبیر کی آنکھوں سے دو آنسو نکلے اور اس کے بالوں میں گم ہو گئے۔ اس بار وہ بہت سارا بوجھ لے کر واپس جا رہی تھی۔ وہ محبت کے بچھڑنے پر روتی تو خود کو دلاسا دینے کے لیے بہت ساری دلیلیں خود کو پیش کر دیتی۔ سب سے بڑی دلیل حمدان کی زندگی کو بچانے کی خاطر اس نے یہ سب کیا اور اس بار تو اس کے پاس خود کو بہلاوے کے لیے یہ دلیل بھی نہیں رہی تھی۔ یعنی دل کا وہ تاریک حصہ ہمیشہ کے لیے تاریک رہ گیا تھا۔

وہ دونوں جدا نہیں ہوئے تھے بلکہ جدا کر دیے گئے تھے۔ یہ کسک ہمیشہ کے لیے پھانس بن کر دل میں رہنے والی تھی۔ اور اس بار وہ دل کا بوجھ دانیال کے ساتھ بھی بانٹ نہیں سکتی تھی۔

مجھے پتا ہے کہ ایک جگنو کے جاگنے سے
یہ تیرگی کی دبیز چادر نہیں کٹے گی
مجھے خبر ہے [illegible]
فصیل دہشت نہیں ہٹے گی
میں جانتا ہوں کہ میرا شعلہ چمک کے رزقِ غبار ہوگا
تو بے خبر یہ دیار ہوگا
میں جانتا ہوں کہ میری کم تاب روشنی سے سحر نہ ہوگی
مگر پھر بھی......

آنسو آنکھوں سے گرنے کے بجائے تعبیر کے دل پر گرنے لگے تھے۔ عذابِ جاں کے درد کئی گنا بڑھ چکے تھے۔

digest library.com

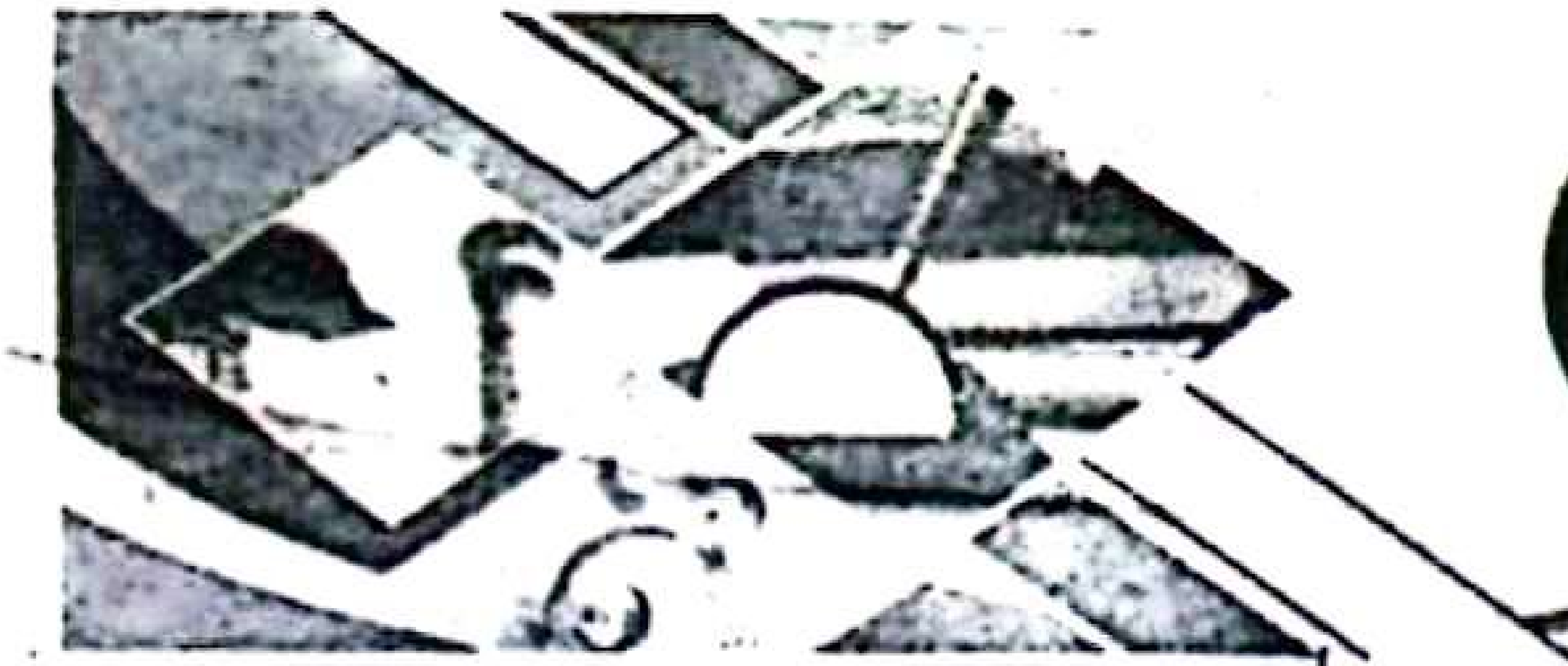

شمعِ ہدایت

اختر شجاعت

سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا

تمام تر حمد و ثنا اللہ رب العزت کے لیے جو ہمارا مالک، خالق اور رازق ہے۔ جو بلند و برتر ہے...... اے میرے اللہ......عزت تیرا ہی جامہ ہے اور عظمت تیری ہی ردا ہے۔

سلام ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جن کی غلامی کے طوق سے اللہ رب العزت نے ہماری گردنوں کو زینت بخشی اور ہمیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا۔ اور یہ ہماری خوش قسمتی کی انتہا نہیں...... [illegible] اللہ کے اس کرم پر جتنا بھی شکر کریں کم ہے۔ نبی کریم [illegible] کے اہل بیت اطہار ہمارے سروں کا تاج ہیں۔ ہماری محبت، اور [illegible] احترام ان کے لیے وقف ہے۔ جب تک ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار سے محبت نہیں کرتے ہمارا ایمان مکمل نہیں...... اللہ کریم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار پر اپنی رحمتوں کا نزول فرماتا رہے اور ہمیں ان کے غلاموں میں شمار رکھے، آمین۔

آج ہمارا موضوع سیرت سیدہ زینبؓ بنت علیؓ کی شخصیت ہے۔ یہ وہ عظیم ہستی ہیں جن کی رگوں میں شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے لہو کی گرمی تھی جن کی آنکھوں میں رسالت کا نور تھا۔ کانوں میں حق کی صدا اور زبان پر اللہ رب العزت کا ذکر پاک تھا۔

معرکۂ کربلا حق و باطل کی ایک جنگ تھی جس میں ایک طرف نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اپنے 72 جانثاروں کے ساتھ شریک تھے اور دوسری طرف لاکھوں کی مسلح فوج تھی۔ جس نے ناحق نواسۂ رسول حضرت امام حسین علیہ السلام کا نہ صرف خون بہایا بلکہ رسول زادیوں کو اسیر کر کے رسوا کرنے کی کوشش کی۔

سیدہ زینبؓ وہ عظیم خاتون ہیں جنہوں نے نہ صرف واقعاتِ کربلا کی تاریخ مرتب کی بلکہ اس وقت کے خوابیدہ عوام میں ان کا صحیح فہم و ادراک پیدا کیا ان کے اذہان و قلوب کو جھنجوڑا انہیں حقائق سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اصل واقعہ کیا تھا۔ کربلا کی شیر دل خاتون نے یزید کے ایوانِ حکومت کو ہلا ڈالا اپنے وقت کے قوی دشمنوں اور جابروں کے سامنے کس طرح کلمۂ حق کہا۔ کسی خوف و خطر اور ڈر کے بغیر ان کے ایوانوں میں کھڑے ہو کر انہیں للکارا انہیں ان کے ظلم پر سرزنش کی۔ [illegible] عوام الناس کے دل واقعاتِ کربلا کی طرف مبذول کرائے آپؓ بغیر کسی شک و شبہ کے واقعۂ کربلا کی شخصیت دوئم [illegible] واقعۂ کربلا تاریخ میں ایک عظیم المیہ تسلیم کیا جاتا ہے [illegible] آپؓ کا اخلاق، عفت و تقویٰ بے مثال تھا۔

آپؓ نے شہدائے کربلا اور خونِ حسینؓ کی تبلیغ و اشاعت کے لیے خود کو وقف کر رکھا تھا۔ سیدہ زینبؓ واقعۂ کربلا کی امانت دار ہیں اور آپ نے یہ امانت دیانت داروں تک پہنچا کر دم لیا۔ آپؓ شجاعت و پامردی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھیں آپؓ حضرت امام حسین علیہ السلام کی عظیم قربانی کا حصہ بھی ہیں۔

سیدہ زینبؓ کے بلند و ارفع مقام پر روشنی ڈالنے کے لیے ان کے حالات کا جائزہ لینا ہوگا جو اس خوں ریزی اور قتلِ عام کا باعث ہے۔ آپ نے واقعۂ کربلا میں یہ ثابت کیا کہ وہ خانوادۂ رسول کی عظیم

digest library.com

الرتبت ہستی ہیں۔ جن کی پوری حیاتِ مقدسہ میں کہیں لغزش نظر نہیں آتی۔

حضرت زینبؓ حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے گلشنِ اقدس کا تیسرا پھول ہیں۔ آپ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر ثقہ ترین روایت یہ ہے کہ آپ ۵ ھ میں پیدا ہوئیں مصری مورخ ڈاکٹر فاطمہ بنت الشاطی نے اسے درست قرار دیا ہے۔

سیدہ زینبؓ اس عظیم باپ کی نورِ نظر ہیں جن کی شان کے بارے میں متعدد آیات قرآنی شہادت دیتی ہیں۔

☆☆☆

جس دن سیدہ زینبؓ دنیا میں تشریف لائیں۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں باہر تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لائے تو حسبِ معمول سب سے پہلے بیٹی کے گھر تشریف لے گئے دیکھا کہ گلستانِ زہراؓ کی شگفتہ کلی ماں کی گود میں لیٹی ہوئی ہے...... سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے حد خوشی کا اظہار فرمایا...... پھر ایک کھجور لے کر اسے اپنے منہ میں ڈال کر چبایا پھر اس کا لعاب دہن اپنی نواسی کے منہ میں ڈال دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچی کا نام زینب تجویز فرمایا۔ "زین آب" جس کا مطلب ہے باپ کی زینت...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچی کو بغور دیکھتے ہوئے فرمایا...... کہ اس کی شکل اپنی نانی جان حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے بہت زیادہ ملتی ہے...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس بیٹی کا گھر بچوں کی رونق سے جنت کا ایسا ٹکڑا بنا جس میں زندگی کی ہر راحت موجود ہے۔

جیسا عمدہ ماحول اور بہترین تربیت آپؓ کو میسر ہوئی ایسی تربیت کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ آپؓ نے آغوش رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پرورش پائی۔ سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہراؓ جیسی عظیم الرتبت ماں سے مادی و معنوی خوراک حاصل کی۔ سر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا سایہ تھا۔ بچپن میں حضرت حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ جیسے دو معصوم بھائیوں کے ساتھ کھیلیں۔ ایسی پُرنور فضا اور ماحول میں خیر وسعادت کے علاوہ کیا ہوسکتا ہے...... آپؓ اپنی والدہ کی ہم نوا اور ہم خیال بنیں۔ اس طرح آپ کی شخصیت اپنی والدہ محترمہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شخصیت کے ساتھ اس طرح استوار ہوئی کہ آپ کو عصمتِ کبریٰ کا پرتو تسلیم کیا گیا۔ سیدہ زینبؓ اپنی والدہ مقدسہ کی طرح عالمہ بھی تھیں۔ طاہرہ، صدیقہ، معلمہ، ادیبہ، صابرہ، خطیبہ، عابدہ اور زاہدہ بھی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؓ سے گہری محبت رکھتے تھے۔ اپنی آغوش مبارک میں بٹھاتے...... ان کی تربیت بھی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی۔ آپ اپنے نانا جان کی نوازشات سے بہت زیادہ بہرہ مند ہوئیں۔

سیدہ زینبؓ علم وفضل میں درجۂ کمال پر فائز تھیں آپ کو فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان ورثہ میں ملا۔ علم وحکمت کے خزانوں کے انمول موتی اپنے گھر سے ہی سمیٹے...... زہد وتقویٰ، عقل و دانش، فہم و فراست، حق گوئی و بے باکی، شجاعت، عبادت و شب بیداری، جرأت وہمت میں بے مثل تھیں۔

☆☆☆

بچپن میں سیدہ زینبؓ نے ایک خواب دیکھا کہ زبردست آندھی چل رہی ہے۔ تیز آندھی نے سیدہ زینبؓ کو دھکیلنا شروع کیا اور ہوا کے ایک زوردار تھپیڑے نے آپ کو اٹھا کر کسی بلند و بالا درخت کی شاخوں میں پھینک دیا۔ اسی لمحے آپ اس درخت کی ایک شاخ کو مضبوطی سے تھام لیتی ہیں۔ مگر یہ شاخ بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ فوراً ہی آپ درخت کی دو چھوٹی، چھوٹی ٹہنیوں کو پکڑ لیتی ہیں مگر وہ دوشاخہ بھی ٹوٹ گیا۔ آپ پریشان حیرت میں مبتلا اپنی جگہ کھڑی تھیں کہ

اتنے میں آپ کی آنکھ کھل گئی۔ تب یہ خواب آپؓ نے اپنے والد حضرت علیؓ کو سنایا۔ اس کے بعد دونوں باپ، بیٹی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تب سیدہؓ نے اپنا خواب سنایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خواب کی تعبیر یوں بیان فرمائی۔

''اے بیٹی! خواب میں درخت سے مراد میں ہوں اور میری موت کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ اس درخت کی شاخیں جس میں تے تم نے پناہ لینا چاہی وہ تمہارے والدین حضرت علیؓ اور والدہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ ہیں اور دو چھوٹی ٹہنیاں تمہارے بھائی ہیں۔ یہ سب تمہاری حیات میں تم سے جدا ہوں گے...... یہ خواب تقدیر کی آزمائش میں تمہاری بزرگی کو ظاہر کرتا ہے۔ تم اس آزمائش میں پوری اترو گی بعد کے مصائب اور تکالیف میں تمہاری استقامت بہت بلند ہوگی۔''

☆☆☆

آپ کو اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت آپؓ کی عمر مبارک چھ برس کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے قبل آپؓ اپنے نانا جان کے سینۂ اقدس پر سر رکھ کر بے اختیار رونے لگیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا سے ظاہری طور پر پردہ فرما جانا اس معصوم جان کے لیے بہت بڑا سانحہ تھا۔ لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ آئندہ زندگی میں ان پر اس قدر قیامت ٹوٹنے والی ہے کہ ان کی کنیت ''ام المصائب'' مشہور ہوجائے گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری وصال کے چند ماہ بعد آپ اپنی والدہ محترمہ کی آغوش شفقت سے بھی محروم ہوگئیں۔ ان حادثات نے ننھی زینبؓ کو سخت صدمات پہنچائے۔ والدہ محترمہ کے وصال کے بعد آپ کو حضرت ام البنینؓ والدہ حضرت عباسؓ علمدار اور حضرت اسما بنت عمیسؓ جیسی بلند پایہ خواتین کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ ان دونوں شخصیات نے اولاد زہراؓ کی اچھی دیکھ بھال کی اور خوب عزت واحترام کیا۔

سیدہ زینبؓ جب سن بلوغت کو پہنچیں تو بہت سے صحابہ کرامؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اپنے بیٹوں کے لیے سیدہ زینبؓ کے ساتھ نکاح کی درخواست کی مگر آپؓ نے بعض کو انکار کیا اور بعض کے ساتھ خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہ دیا۔

حضرت علیؓ نے اپنی فہم و فراست اور حسنِ بصیرت سے اپنی بیٹی زینبؓ کے لیے اپنے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کے بیٹے عبداللہؓ کے ساتھ اپنی بیٹی زینبؓ کی شادی کا فیصلہ کرلیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ بڑے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے۔ ان کی پیدائش حبشہ میں ہوئی۔ مدینہ طیبہ میں رہائش اختیار کی بے حد سخی تھے۔ ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برکت کی دعا کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اے اللہ! اس کی تجارت میں برکت عطا فرما......''

حضرت علیؓ اپنے بھتیجے حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ اپنے خاندان کے چند بزرگوں کے ہمراہ مسجد میں تشریف لائے اور نہایت سادہ طریقے سے اپنی لختِ جگر سیدہ زینبؓ کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے پڑھا دیا۔

☆☆☆

حضرت عبداللہؓ بہت مہمان نواز اور صلۂ رحمی کرنے والے تھے۔ آپ فقرا اور غریبوں کے مددگار اور سخاوت میں مشہور تھے۔ آپ مساکین پر فراخدلی سے خرچ کرتے...... بیواؤں کی حاجت روائی اور یتیموں کی دادرسی کرتے تھے۔ حضرت عبداللہؓ مالدار تاجر تھے۔ رب کریم نے شریکِ حیات بھی ایسی عطا فرمائی جس کا گھرانا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و صفات سے بہرہ ور تھا۔ سیدہ زینبؓ کی تربیت اسی ماحول میں ہوئی جہاں جان و مال اور راحت و آسائش کی قربانی دینا قربِ الٰہی کا ذریعہ تھا۔

حضرت سیدہ زینبؓ نے ایک پاکباز، فرمانبردار بیوی کی طرح اپنے شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی کا آغاز کیا..... حضرت عبداللہؓ جانتے تھے کہ ان کی شریکِ سفر اللہ کو بہت یاد کرنے والی اور تہجد گزار ہیں۔ سیدہ گھریلو امور سے فارغ ہو کر خوش الحانی سے تلاوتِ قرآن کریم کرتیں اور ہمیشہ لسان کو ذکرِ الٰہی سے معطر رکھتیں۔ آپؓ اپنی زوجہ محترمہ کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ بعض روایات کے مطابق ان کے ہاں چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی خلافت کے آغاز میں کوفہ کو دارالحکومت بنایا تو سیدہ زینبؓ اور ان کے اہلِ بیت بھی کوفہ میں رہائش پزیر ہو گئے۔ آپ کی ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار تھی، آپ اپنے شوہر کی بے حد خدمت گزار تھیں، آپ زیادہ تر کام کاج کر کے خوش ہوتی تھیں بچوں کی تربیت کا پورا، پورا خیال رکھتیں۔ آپ بے شمار خوبیوں کی مالکہ تھیں۔ حضرت عبداللہؓ فرمایا کرتے تھے کہ ”زینبؓ بہترین گھر والی ہے۔“ آپ اپنے والد محترم حضرت علی المرتضیٰؓ کی تربیت یافتہ تھیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بابِ العلم کہا تھا۔ سیدہ زینبؓ نے اس علم کے بحرِ بے کراں سے اپنے علم کی تشنگی کو دور کیا۔ ان کی صحبت میں رہ کر علوم کے وہ موتی چنے اور پھر وہ مقام حاصل کیا کہ علم و ادب، معرفت، فصاحت و بلاغت میں بے مثال بن گئیں وعظ و نصائح میں آپ مرتبۂ کمال پر فائز تھیں۔

☆☆☆

۳۷ھ میں حضرت علیؓ کے ساتھ کوفہ میں آ کر مقیم ہو گئی تھیں کوفہ میں آپ کے علم و فضل کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ آپؓ نے درس و تدریس وعظ و ہدایت اور پند و نصائح کا کام اس خوبی سے انجام دینا شروع کیا کہ بے شمار خواتین آپ کی مجلس سے مستفید ہو کر عالمہ فاضلہ بن گئیں۔

رمضان المبارک ۴۰ھ کو سیدہ زینبؓ کے والد ماجد حضرت علیؓ کو عبدالرحمٰن ابن ملجم نے کوفہ میں نمازِ فجر کے وقت حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ اس شدید زخم سے حضرت علیؓ جانبر نہ ہو سکے اور شہید ہو گئے۔ یہ ایک ،ور روح فرسا سانحہ تھا۔ سیدہ زینبؓ کے لیے..... آپ اس واقعے پر بے حد غمگین تھیں مگر آپ نے بڑے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور تمام خانوادے کے لیے حوصلے کا باعث بنیں۔ ۲۸ رجب ۶۰ھ کو امام حسین علیہ السلام کو جب مدینے سے سفر اختیار کرنا پڑا تو سیدہ زینبؓ بھی اپنے شوہر کی اجازت سے بیٹوں کے ہمراہ اس قافلے میں شامل تھیں۔ آپ کو اپنی والدہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی وصیت یاد تھی جو انہوں نے وصال سے پہلے اپنی بیٹی سیدہ زینبؓ سے فرمائی تھی کہ ”اے میری محبوب لختِ جگر کبھی کسی آزمائش کی گھڑی میں امام حسین علیہ السلام کو تنہا نہ چھوڑنا.....“ جب دینِ الٰہی میں تحریف کی جا رہی تھی تو امام حسین نے پرچمِ اسلام کو سربلند رکھنے کے لیے حق کا راستہ اختیار کیا اور اپنے انصار و خانوادے سمیت کوفہ کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔ واقعۂ کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام کا وہ عظیم کارنامہ اور قربانی ہے جو تاقیامت یاد رکھی جائے گی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام میدانِ کارزار میں علمِ حق بلند کرنے کے لیے نہ نکلتے اور یہ 72 تن بھی اپنے خون کا نذرانہ نہ پیش کرتے تو آج اسلام کی جو متاع، جمہوری قدروں، آزادیِ اظہار، جاہ و حشمت اور نفاذِ شریعت کی مسلسل جدوجہد کی صورت میں نظر آ رہی ہے اس کا کہیں وجود بھی نہ ہوتا۔ (واقعۂ کربلا کی تفصیل یہاں بیان کرنا ممکن نہیں)

واقعۂ کربلا جہاں فخرِ بشریت نواسۂ رسول امام حسینؓ کی قربانیوں کا مظہر ہے۔ وہیں دخترِ بتول سیدہ زینبؓ کے کامل کردار کی عظمتوں کا امین بھی ہے۔ تاریخ میں کوئی فتح عظیم ایسی نہیں دکھائی دیتی جس میں مردوں کے ساتھ، ساتھ خواتین بھی شریک کار نہ رہی ہوں۔

ایثار، قربانی، صدق، وفا، صبر، استقامت، جرأت، شجاعت کا سفر جو ملکۂ عرب سیدہ خدیجۃ الکبریٰ

سے شروع ہوا۔ میدانِ کربلا میں سیدہ زینبؑ کی صورت میں درجۂ کمال پر دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ آپ کو ثانیِ زہرا، عقیلہ بنی ہاشم، شریکۃ الحسین ام المصائب" جیسے ناموں سے بھی یاد کرتی ہے۔ کربلا کے عظیم معرکے کے دوران اور اس کے بعد سیدہ زینبؑ کے کردار کا ہر پہلو...... اہمیت کا حامل ہے۔ اور چراغِ راہ کے مانند ہے۔ آپ کا انقلابی کردار تاریخ کی کتاب میں درخشندہ باب کی طرح چمک رہا ہے۔

"اسلام کا سرمایۂ تسکین ہے زینبؑ
ایمان کا سلجھا ہوا آئین ہے زینبؑ
حیدرؓ کے خدوخال کی تزئین ہے زینبؑ
شبیرؓ ہے قرآن تو یٰسین ہے زینبؑ

معاشرے کی اصلاح اور دین کی بقا کے لیے حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک انوکھا اور نیا باب قیام اور [illegible] نو روائی) کھولا وہ دو مرحلوں میں تھا۔ بقول علامہ اقبال [illegible]

۱۔ پہلا مرحلہ...... خونِ جہاد اور شہادت کا مرحلہ تھا۔

۲۔ دوسرا مرحلہ...... پیغام رسانی، بیدار گری، خاطرات اور یادوں کو زندہ رکھنے کا مرحلہ تھا۔

سیدہ زینبؑ اپنی شخصیت کے ہر پہلو، انداز و اطوار، سلیقے اور اوصاف و وقار میں سیدہ فاطمۃ الزہراؑ کا عکس تھیں۔ آپ کی فصاحت و بلاغت، چال ڈھال، اندازِ گفتگو اور طرزِ خطابت اپنے والد حیدر کرار سے ملتا تھا۔

حلم، صبر و شکر، قناعت و درگزر، اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسنؓ سے جبکہ حق گوئی و بے باکی، شجاعت و بے خوفی اور باطل قوتوں سے ٹکرانا اپنے دوسرے بھائی شہید کربلا سیدنا امام حسینؓ سے سیکھا۔

کربلا کی یہ شیر دل خاتون جو نہ صرف مسلم خواتین کے لیے بلکہ دنیا بھر کی حریت پسند خواتین کے لیے مینارۂ نور ہیں۔

کربلا کے معرکے میں جب سب درجہ بدرجہ شہادت پر فائز ہو گئے دوسرے مرحلے میں... سیدہ زینبؑ کی قیادت میں خواتین اور بچوں کو اپنی نگرانی میں اپنے انجام تک پہنچانا تھا۔

جب حضرت امام زین العابدین اور خاندان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواتین کو دربارِ یزید لعین میں لایا گیا تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور بطور فخر و مباہات کہنے لگا۔ "الیوم بیوم بدر" آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے۔" اس وقت حضرت امام حسینؑ کا سر اقدس یزید کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اور یہ ملعون اپنی چھڑی سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے دندانِ مبارک کی بے ادبی کرنے لگا۔

"ہماری قوم نے ہمارے ساتھ انصاف کرنے سے جب انکار کیا تو ہمارے داہنے ہاتھوں میں موجود تلواروں نے خون بہا کر انصاف کیا۔ ہماری تلواریں ان جوانوں کی کھوپڑیاں توڑ دیتی ہیں جو کبھی ہمیں بہت عزیز تھے پھر وہ سخت نافرمان، سرکش اور باغی ہو گئے۔"

اس کی یہ فضول باتیں اور یہ سب قبیح حرکتیں دیکھ کر حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ نے اس سے کہا۔

"کیا تو اپنی چھڑی سے سیدنا امام حسین علیہ السلام کے دندانِ مبارک پر [illegible] خبردار تو جس جگہ اپنی چھڑی سے یہ مذموم حرکت کر رہا ہے میں نے بے شمار مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسے چومتے دیکھا ہے۔ سن لو اے یزید...... ! جب قیامت کے دن تو آئے گا تو تیرا سفارشی ابن زیاد ہوگا جو تجھے اپنے ساتھ جہنم میں لے کر جائے گا...... جب یہ آئیں گے تو ان کے سفارشی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے۔" پھر حضرت برزہؓ اٹھے اور یزید کی طرف پشت کر کے نفرت کے اظہار کے طور پر دربار سے باہر چل دیے۔

اس کے کفریہ اشعار سنتے ہی شیرِ خدا کی لختِ جگر سیدہ زینبؑ اٹھیں اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم...... ثنائے کامل عالمین

digest-library.com

کے پروردگار کے لیے ہے اور اللہ کا درود ہو اس کے رسولؐ اور ان کی آلؑ پر..... سچ فرمایا..... اللہ تعالیٰ نے کہ ”پھر جنہوں نے برا کیا ان کا انجام بھی برا ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کی تھی اور وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے۔“ (سورۂ روم)

”اے یزید! کیا تیرا یہ گمان ہے کہ زمین و آسمان کے راستے ہم پر بند کر کے اور ہم کو اسیروں کی طرح دربدر..... پھرا کر اللہ کی بارگاہ میں ہماری منزلت میں کمی آ گئی ہے اور تو عزت دار بن گیا اور اللہ کے نزدیک تیری اہمیت بڑھ گئی؟ اس گمان سے تیری ناک چڑھ گئی اور تو اپنے تکبر میں مگن ہے خوشی سے پھول رہا ہے یہ دیکھ کر کہ دنیا پر تیری گرفت مضبوط اور امور مملکت منظم ہیں یہ دیکھ کر کہ ہم پر حکومت اور سلطنت کرنے کا تجھے موقع مل گیا ہے۔ ٹھہر یزید ٹھہر.....!

”کیا تو نے اللہ عزوجل کا یہ فرمان فراموش کر دیا۔“ اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے ہم تو انہیں صرف اس لیے مہلت دے رہے ہیں کہ یہ لوگ اپنے گناہ میں اور اضافہ کریں اور آخر کار ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔“ (سورۂ آل عمران)

”کیا یہی انصاف ہے؟ تیری عورتیں اور کنیزیں پردے میں ہوں اور نبی زادیوں کو اسیر بنا کر پھرایا جائے ان کی چادریں چھین لی جائیں۔ اور ان کو بے نقاب کیا جائے۔ دشمن ان کو ایک شہر سے دوسرے شہر پھرائے..... قریبی، اجنبی، رزیل، کمینے اور نام نہاد شریف سب تماشا کر رہے ہیں..... ان خواتین کے ساتھ مردوں میں سے کوئی سرپرست موجود ہے..... اور نہ ان کا کوئی حمایتی موجود ہے۔ ایسے شخص سے رعایت کی امید کیسے کی جا سکتی ہے جو پاکباز ہستیوں کا کلیجا چبانے والا ہو اور جس کا گوشت شہیدوں کے خون سے اگا ہو..... وہ شخص ہم اہل بیت کے بغض میں کوئی کسر کیسے اٹھائے گا۔ جس نے ہم پر عداوت کی نظر رکھی ہو..... پھر کسی احساسِ جرم کے بغیر تم نے آسانی سے یہ بات بھی اگل دی۔ (آل احمدؐ سے انتقام کو دیکھ کر) کہ میرے اسلاف خوش ہو کر چلاتے اور کہتے ..... ”یزید تیرا بازو شل نہ ہو.....تو جنت کے سردار کے ہونٹوں کی طرف جھک کر ان کے ساتھ اپنی چھڑی سے گستاخی کرتا ہے.....تو نے ایسی باتیں کرنا ہی تھیں کیونکہ تو نے زخموں کو اور گہرا کر دیا ہے..... اپنے پرانے زخموں کا مداوا چاہتا ہے..... محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اور روئے زمین پر آل مطلب کے چاند تاروں کا لہو بہا کر تو اپنے اسلاف کو پکارتا ہے..... تیرا گمان ہے کہ تو ان (مُردوں) کو آواز دے رہا ہے جبکہ تو خود بھی اسی گھاٹ اترنے والا ہے جہاں وہ ہیں۔ پھر تیرا دل چاہے گا کاش ہاتھ شل ہوتا زباں بند ہو جاتی۔ جو کہا وہ نہ کہتا اور جو کیا وہ نہ کرتا.....“

اس کے بعد حضرت زینبؓ نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا..... ”اے اللہ! ہمارا حق ہم کو دلا دے۔ جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے..... ان سے انتقام لے۔ جن لوگوں نے ہمارا لہو بہایا ہے ہمارے حامیوں کو قتل کیا، ان پر اپنا غضب نازل فرما۔ قسم بخدا.....! اے یزید..... تو نے خود ہی اپنی کھال نوچی ہے۔ اور خود اپنے گوشت کو چیرا کاٹا ہے۔ اور تجھے رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش ہونا ہوگا۔ ان کی اولاد کا خون بہانے کا اور ان کی عزت اور رشتے داروں کی بے حرمتی کر کے..... رسول کی بے حرمتی کرنے کا جرم لے کر..... جہاں اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ و اولاد رسول کو اکٹھا فرمائے گا۔ اور پھر ان کو ان کا حق دلائے گا..... کیونکہ جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے ہیں انہیں مُردہ نہ سمجھو..... وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں..... فیصلے کے لیے اللہ اور مدعی کے لیے رسول اللہ کافی ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے انجام کا علم ہو جائے گا جنہوں نے تیرے لیے زمین ہموار کی اور تجھ کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کیا۔ ظالموں کی سزا بہت بری ہوگی وہاں پتا چلے گا کہ کس کا

ٹھکانا برا اور کس کے حمایتی بے حقیقت ہیں۔

''اگرچہ میں تجھ سے مخاطبت کی مصیبت سے دوچار ہوں میں تجھے چھوٹا، بے وقعت سمجھتی ہوں اور تیری سرزنش کو بڑی جسارت سمجھتی ہوں اور تیری دھمکی کو حد سے زیادہ سمجھتی ہوں...... مگر آنکھیں اشکبار ہیں اور دلوں میں سوزش ہے...... اگر تو ہمیں اسیر بنانے کو اپنے مفاد میں سمجھتا ہے تو کل اس کا خسارہ اٹھانا پڑے گا جہاں تجھے وہی ملے گا جو تو نے آگے بھیجا ہوگا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''تیرا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں......'' (سورۂ فصلت) ہم صرف اپنے اللہ سے اپنا حال بیان کرتے ہیں اور اسی پر بھروسا کرتے ہیں۔

''اے یزید! تو اپنی چال چل اپنی پوری کوشش کر اپنی جدوجہد کو تیز تر کر...... مگر تو ہمارا ذکر مٹا نہ سکے گا نہ تو ہماری منزل کو پا سکے نہ تو اس عار و ننگ کا دھبا دھو سکے گا۔ تیری رائے غلط ہے تیری زندگی تھوڑی رہ گئی ہے۔ تیری جمعیت کا شیرازہ بکھرنے والا ہے...... جب منادی ندا دے گا کہ ''ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو......'' (سورۂ ھود) اور ہر تعریف خدا ہی کے لیے ہے کہ جس نے ہمارا آغاز سعادت و مغفرت سے اختتام شہادت و رحمت پر کیا۔''

سیدہ زینب کا خطاب پُرجلال تھا۔ لہجہ باکمال تھا...... حشر جس سے برپا ہوا ایسا ہر سوال تھا یزید کو للکارنا زینبؓ ہی کا کمال تھا۔

حضرت پیغمبر اسلام ﷺ کی نواسی اور حیدر کرارؓ کی شیر دل بیٹی حضرت زینبؓ کبریٰ سلام اللہ علیہا کے اس فصیح و بلیغ خطبے نے یزیدی ایوانوں کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا...... اس سلسلے میں علامہ رازق الخیری (ممتاز ادیب، صحافی، ناول نگار سنی بریلوی) نے اپنی کتاب ''سیدہ کی بیٹی'' میں جناب زینبؓ کے اس خطبے پر تبصرہ کیا ہے وہ یقیناً قابلِ مطالعہ ہے۔

یزید کا دربار امرا، سفرا و روسائے اہل شام سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا...... مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کو سانپ سونگھ گیا ہو...... ہر شخص بے حس و حرکت اس طرح بیٹھا یا کھڑا تھا جس طرح پتھر کی مورتیں...... ان کی زبانیں اور ان کے ہونٹ چپکے ہوئے تھے...... ان کے دل دریائے حیرت میں غوطے کھا رہے تھے، ان کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں جب شیر خداؓ کی بیٹی لاکھوں کے مجمع میں شیر کی طرح دھاڑ رہی تھی...... اور رعیت کے سامنے ان کے بادشاہ کو للکار رہی تھیں۔ خود یزید دانت پیس، پیس لیتا...... ہونٹ چباتا...... تاؤ پیچ کھا رہا تھا مگر زبان سے ایک لفظ نہ نکلتا تھا۔ سیدہؓ کی بیٹی کی تقریر روانی کا ایک چشمہ تھا کہ ابلا چلا آرہا تھا اور فصاحت کا ایک دریا تھا جو بہے چلا جا رہا تھا اور کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اس تقریر سے بی بی زینبؓ نے صداقت اور حق گوئی کا حق ادا کر کے اسلام کی ناقابلِ فراموش خدمت انجام دی...... اس تقریر سے شامیوں کو معلوم ہوگیا کہ خلافت...... ملوکیت میں تبدیل ہو کر اسلام کو کیسا زبردست دھچکا لگا ہے۔

☆☆☆

اور اس طرح حضرت زینبؓ نے واقعۂ کربلا میں اپنی بے مثال شرکت کے ذریعے تاریخ بشریت میں حق کی سربلندی کے لیے لڑی جانے والی سب سے عظیم جنگ اور جہاد و سرفروشی کے سب سے بڑے معرکۂ کربلا کے انقلاب کو رہتی دنیا کے لیے جاوداں بنا دیا...... مردہ ضمیروں کو بیدار کر دیا...... اور پھر شام والے رفتہ رفتہ عراق میں گزر جانے والے حادثے کی حقیقت سے آگاہ ہو گئے اور انہیں یہ معلوم ہوگیا کہ کربلا والے یزید کے حکم اور کوفہ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حسین بن علیؓ اور یہ خواتین و بچے جنہیں قیدی بنا کر دمشق لایا گیا ہے...... یہ پیغمبر اسلام کے اہل بیت...... یہ اس کا خاندان ہے جس کی جانشینی کے نام پر...... یزید ان پر اور دوسرے مسلمانوں پر حکومت کر رہا ہے۔ خطبۂ زینبؓ کے سوختہ جگر اور تقویٰ سے

سرشار دل سے نکلے ہوئے کلمات کا ردعمل یہ ہوا کہ پتھر دل والا بھی جب ایمان وتقویٰ سے سرشار خود کو ناتواں اور مدِمقابل کو طاقتور سمجھنے لگا...... چند لمحوں کے بعد ہی قصرِ یزید میں موت کا سناٹا چھا گیا۔

حضرت زینبؓ نے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ اور مکہ معظمہ سے کربلا اور کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کے سفر کے دوران بڑی، بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ اور سفر میں ذرہ برابر آرام میسر نہیں آیا اور کسی ایک شخص یا جماعت کی حمایت کے بغیر قافلہ سالاری کو سنبھالے رہیں...... اور منزل بہ منزل ان کی حفاظت کرتی رہیں۔

کربلا کی یہ شیر دل خاتون اور ثانیِ زہرؓا جو نہ صرف مسلم خواتین کے لیے بلکہ دنیا بھر کی حریت پسند خواتین کے لیے ایک مینارۂ نور ہیں اس ماحول میں لب کشائی کے لیے شیر کا کلیجا اور جرأت درکار تھی جو زینبؓ کی رگوں میں دوڑنے والے حضرت علیؓ و فاطمہ کے خون و شیر نے عطا کر دی تھی...... آپ نے اپنے زمانے کے بڑے طاغوت کے سامنے اس شجاعت و جرأت سے کلام کیا کہ قیامِ امام حسین علیہ السلام کی تکمیل کر دی۔

حضرت زینبؓ کی قیادت میں خواتین و بچوں نے ایمان واخلاص کا مظاہرہ کرتے ہوئے صبر و تحمل اور شجاعت واستقامت کے وہ جوہر پیش کیے جس کی مثال تاریخ اسلام میں ہی نہیں بلکہ تاریخ بشریت میں بھی ملنا ناممکن ہے۔

گلشنِ نبوت کی وہ معصوم کلی ہیںؓ
تطہیر میں زہرؓا ہیں تو تیور میں علیؓ ہیں

وہ ایک مسلمان خاتون کا مکمل نمونہ تھیں۔ یعنی وہ آئیڈیل خاتون جسے اسلام نے خواتین کی تربیت کے لیے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے...... حضرت زینب کبریٰؓ کی شخصیت ایک ہمہ گیر شخصیت ہے۔ عالم و دانا، صاحبِ معرفت اور ایک نمایاں انسان جب بھی کوئی انسان ان کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ ان کی علمی و معنوی عظمت و معرفت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ آج بھی موقع ہے میدان آپ کے لیے کھلا ہے۔ جہاں چاہیں کردار زینبؓ میں ڈھل کر اس میدان میں اتر جائیں۔ وہ میدان علم وعمل کا ہو، شجاعت و بہادری کا ہو، قربانی و ایثار کا ہو یا رشتوں کو بچانے کا...... ظلم کے خلاف مزاحمت کا یا پھر خطابت کے ذریعے ظالم کو روکنے والے اور سوئے ہوؤں کو بیدار کرنے کا...... سارے میدان آپ کے منتظر ہیں بس دیر کیسی؟ قرآن سے جڑی جائیں اللہ کی رضا میں ڈھلتی جائیں۔ ضمیر کو بیدار رکھیں اور اپنی اولادوں کو وراثت میں قرآن و اہل بیت کی محبت دیجیے پھر دیکھیے گا کہ ایک بار پھر اسلام کو عروج ملے گا ان شاء اللہ...... اپنے حصے کا کام کرنا ہے اپنے حصے کی شمع روشن کرنی ہے...... یہ دنیا تو بالآخر فانی ہے اس باقی دنیا کے لیے ہم سب کو اپنا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں رکھنے کی جد وجہد کرنی ہے۔

حرفِ آخر:

انتہائی دکھی دل اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ اللہ کریم کے حضور دعا گو ہوں کہ سیدہ زینبؓ کی سیرت مبارکہ میں کہیں کوئی غلطی، کوتاہی، بے ادبی کوئی ہو تو اللہ رب العزت مجھے معاف کردے، آمین۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی سیرت مبارکہ پر تحریر کرنے کا حق ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ بس چند صفحات ہیں جو بڑی محبت سے تحریر کیے ہیں اللہ کریم قبول فرمائے، آمین۔ اور دعا ہے کہ اللہ کریم اہل بیت کی محبت عطا فرمائے، آمین۔

جن قابلِ احترام ہستیوں کی کتب سے مضامین لیے ہیں اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

کتاب ، مصنف

۱۔ البتول، حضرت علامہ صائم چشتی
۲۔ القول المتین فی امر، ڈاکٹر محمد طاہر القادری یزید اللعین
۳۔ حضرت زینبؓ بنت علیؓ، ڈاکٹر منصور القادری
۴۔ ام المصائب سیدہ زینبؓ، محمد الیاس عادل
۵۔ علمی وفکری لیکچر، محترمہ عالمہ سعدیہ حبیب

digest library.com

آج مل کے بیٹھے سب رفتگاں کی باتیں کیں

شائستہ زریں

شاہدہ حسن نے کہا تھا

آج مل کے بیٹھے سب رفتگاں کی باتیں کیں
مشکبو ہوئی محفل عطر بادِ باراں سے

سچ تو یہی ہے کہ موسم باراں میں مل بیٹھتے ہی جو بات سب سے پہلے اپنے حصار میں لیتی ہے وہ گئے دنوں کی بارشیں ہیں۔ بلاشبہ بارش کو یادوں سے گہری نسبت ہے جب ہی تو اِدھر برکھا کی پہلی جھڑی لگی اُدھر ماضی کی بارشوں نے دردِل پر دستکیں دینی شروع کردیں۔ یادوں کے در کھلتے چلے جاتے ہیں اور سب سے پہلے یاد آنے والا زمانہ بچپن اور لڑکپن کا ہوتا ہے جب ہر قسم کی ذمے داریوں سے بے نیاز صرف اور صرف برستی بارش سے لطف اٹھایا جاتا تھا۔ وسائل کم تھے اور مسائل بھی زیادہ نہ تھے۔ مہنگائی بھی برساتی پکوانوں اور بارش کی تفریح کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ اب بے شک وسائل زیادہ ہیں اور مہنگائی کی کوئی حد نہیں ہے، اشیائے خورونوش کے دام بھی قوت خرید سے بہت بڑھ گئے ہیں اس پر طرّہ بلدیہ کی ناقص کارکردگی کے نتیجے میں در آنے والے مسائل اور نقصانات جو کبھی آٹے میں نمک کے برابر ہوا کرتے تھے اب بے حساب ہیں۔ بارش سے منسوب یادیں خوشگوار بھی ہوتی ہیں اور ناخوشگوار بھی۔ جو جانے انجانے میں موسم برسات میں چھم سے دھیان میں آجاتی ہیں۔

ساون نمبر کی مناسبت سے ان تمام معاملات کے پیشِ نظر ہم نے سروے میں شریک معزز خواتین سے معلوم کیا کہ......

سوال 1۔ بارش میں اپنوں کے سنگ لطف اندوز ہوتے ہوئے یکایک بیتے دنوں کی برسات یاد آگئی...... تب کل اور آج کا موازنہ کرتے ہوئے آپ کس کیفیت سے گزریں؟

سوال 2۔ بارش کا کوئی بھی خوشگوار یا ناخوشگوار واقعہ جس کے تصور سے ہی طبیعت پُرلطف یا بدمزہ ہو جاتی ہے؟

مہناز رحمٰن

(سابق ریذیڈنٹ ڈائریکٹر عورت فاؤنڈیشن)

1۔ بچپن سے ابر آلود موسم، ٹھنڈی ہوائیں اور بارشیں اچھی لگتی تھیں۔ ابھی ایک دو سال پہلے اپنی نواسی کے ساتھ بارش سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ ہوا یوں کہ ہم لوگ اپنے اپارٹمنٹ کی بالکونی میں کھڑی ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہو رہی تھیں کہ اچانک رم جھم رم جھم پھوار پڑنی شروع ہو گئی۔ میرے اندر کی بچی جاگ گئی میں نے اپنی نواسی سے کہا۔

"چلو باہر چلتے ہیں۔" یہاں بتاتی چلوں کہ سمندر ہمارے گھر سے بہت نزدیک ہے۔ ہم دونوں نیچے اتر کر سڑک پر آگئیں۔ سامنے سے ایک ویگن آتی نظر آئی ہم اس میں بیٹھ کر سمندر کے کنارے جا اترے اور وہاں پتھریلی دیوار پر بیٹھ کر اپنی ہم جولیوں کے ساتھ گئے دنوں کی بارشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے موسم سے لطف اندوز ہونے کے بعد اگلی ویگن میں بیٹھ کر گھر واپس آگئے۔ ایک عجیب سا احساس ہوا آزاد ہونے کا احساس، ویسے بھی بڑے ہونے کے بعد کبھی ایسے ایڈونچرز کیے نہیں تھے۔ سچ

ہے بچے اور بوڑھے ایک جیسے ہوتے ہیں۔

2۔ یہ 1973ء یا 1974ء کا ذکر ہے۔ کراچی میں ایسی بارش ہوئی کہ پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میں ڈینسو ہال کے قریب سرائے روڈ پر واقع روزنامہ مساوات کے دفتر میں کام کرتی تھی۔ کچھ ہوشیار مرد تو موسم کے تیور دیکھ کر کام پر آئے ہی نہیں تھے، کچھ بارش شروع ہوتے ہی کھسک لیے۔ ہم کام میں مصروف رہے اور بارش رکنے کا انتظار کرتے رہے۔ شام کو جب ہم نے دفتر کی بالکونی سے نیچے جھانکا تو سڑک پر گھٹنوں، گھٹنوں پانی کھڑا تھا اور دو برقع پوش عورتیں شلواریں گھٹنوں تک چڑھائے وہاں سے گزر رہی تھیں۔ ہمارے ایڈیٹر شوکت صدیقی صاحب بھی بالکنی میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے فکر مند ہو کر کہا ”ہائے میں گھر کیسے جاؤں گی“۔ وہ ہنسنے لگے اور ان برقع پوش خواتین کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے ”جیسے وہ جا رہی ہیں“ مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن مارے ادب اور لحاظ کے کچھ کہا نہیں۔ دفتر میں بیٹھے، بیٹھے رات کے نو بج گئے اور تب ہمارے ایک دوست کو خیال آیا کہ میں دفتر میں پھنس گئی ہوں۔ وہ مجھے لینے آئے۔ سڑک پر ٹریفک کا نام و نشان نہیں تھا۔ 2k کی ایک بھولی بھٹکی خالی بس نظر آئی تو ہم اس میں سوار ہو کر ناظم آباد اپنے گھر پہنچے۔ اس دوست کی یہ مہربانی زندگی میں جب بھی یاد آئی۔ مجھے رُلا گئی۔

شہناز احد (سینئر صحافی)

1۔ بارش کے لفظ میں اتنی رومانویت ہے کہ بارش کا ذکر آتے ہی کانوں میں ایک عجیب طرح کا جلترنگ بجنے لگتا ہے اور بنا بارش ہی مٹی کی سوندھی خوشبو آنے لگتی ہے۔ بچپن کی بارشوں کا اپنا ایک لطف تھا۔ بادل دیکھتے ہی بارش میں نہانے کا پروگرام بننے لگتا تھا۔ مجھے یاد ہے امی پکوڑے ضرور بناتی تھیں۔ پہلے تو سب کچھ گھر میں ہی بنتا تھا۔ اب تو ہر چیز کے لیے بازار حاضر ہے۔ پھر سب سے مزے کی چیز وہ بیر بہوٹیاں ہوتی تھیں جو بارش رکنے پر زمین سے نکلتی تھیں۔ پتا نہیں اب وہ کہاں چلی گئی ہیں؟ آج کے بچے کیا جانیں۔ ہم بہن بھائیوں میں مقابلہ ہوتا

تھا کہ کس کے پاس کتنی ہیں۔ عمر کے مختلف حصوں کی اپنی، اپنی یادیں ہیں۔ اب کس کس کا قصہ سنائیں۔ جب یونیورسٹی میں پڑھتے تھے دھواں دھار بارش ہو گئی۔ بڑی مشکل سے پوائنٹ چلا اور جب بس ڈرگ روڈ کے پل پر پہنچی تو آگے سے وہ پل ٹوٹ گیا تھا۔ سب گاڑیاں آدھے پل پر کھڑی تھیں۔ بس بھی رک گئی۔ وہاں سے سب لوگ کمر سے اونچے پانی میں چلتے ہوئے گھروں کو گئے۔ اس وقت ڈر بھی لگ رہا تھا، تھک بھی گئے، لیکن مزہ بھی بہت آ رہا تھا۔ میں نے کہا ناں عمر کے ہر دور کا ایک اپنا الگ مزہ ہوتا ہے اس مزے کی بڑی وجہ وہ سنگت ہوتی ہے جو عمر کے اس حصے میں میسر ہوتی ہے۔

2۔ 2020ء میں جو بارش ہوئی تھی۔ میں گھر میں اکیلی تھی کورونا کا دور تھا۔ چند ماہ قبل امی کا انتقال ہوا تھا۔ سب بہن بھائی باہر تھے۔ جس انداز کی وہ بارش تھی میرے گھر میں پانی تھا اور گھر کے ہر سوراخ سے پانی اندر آ رہا تھا۔ چند منٹ تک تو میں گھر کی چیزوں کو اِدھر اُدھر کرتی رہی پھر میں بالکل سُن کیفیت میں گھر کے اندر لہریں مارتے پانی کو دیکھتی رہی اور سوچتی رہی اب کیا ہوگا؟ میں آج بھی اس دن کے بارے میں سوچتی ہوں تو رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں۔

شاہین ضمیر

(بینکر، نیوز کاسٹر، آر جے)

1۔ اپنی مٹی پر پڑنے والی بارش کی بوندیں اور پھر اس کی سوندھی خوشبو ہمیشہ ہی سے ایک خوشگوار احساس پیدا کرتی آئی ہے اور میرے خیال میں اس میں نہ کل کوئی فرق تھا نہ آج ہے۔ بارش میں بنائے جانے والے پکوان، بارش میں بھیگنا، کشتیاں بنانا اور انہیں پانی میں

بہانا ماضی کی خوشگوار یادیں ہیں۔ اور آج سب سے پہلے بارش میں اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ سب لوگ گھر پر ہوں، بجلی موجود ہو، میں تو خاص طور پر دعا مانگتی ہوں کہ بارش چھٹی کے دن ہوتا کہ بارانِ رحمت بارانِ زحمت نہ بنے۔ ماضی میں سڑکیں کھدی ہوئی تھیں نہ ایسے گڑھے، نہ ٹریفک میں ایسا خلل ہوتا تھا نہ اتنی بڑی آبادی تھی۔ اب تو معلوم نہیں ہوتا کون سا بجلی کا تار اور کون سا گڑھا جان لیوا بن جائے۔ پہلے یہ سب پیدل چلنے والوں کے لیے تھا اب تو گاڑیاں بھی بارش میں بہہ جاتی ہیں۔

2۔ خوفناک اور خوشگوار دونوں واقعات میرے ذہن میں اچھی طرح سے محفوظ ہیں۔ خوشگوار یاد تو میرے پی ٹی وی پر خبرنامہ پڑھنے کے دور سے ہے جب میں نے دو دن لگاتار خبرنامہ پڑھا۔ اس دوران کراچی میں اتنی بارش ہوئی کہ شہر کا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ بارش کے اثرات اتنے تھے کہ نہ صرف خبروں کا اسٹوڈیو تبدیل ہوا بلکہ جس اسٹوڈیو سے خبریں آن ایئر گئیں اس اسٹوڈیو میں بھی پانی موجود تھا۔ قالین، میز تک پانی میں ڈوبے ہوئے تھے اور مکھیاں بھی موجود تھیں۔ جشنِ آزادی کا زمانہ تھا 13 اور 14 اگست کی تاریخیں ایسے میں ناظرین تک خبریں پہنچانا ایک خوشگوار تجربہ اور ایک اہم فرض کی ادائیگی تھا چونکہ یہ میرا شوق تھا تو مجھے تمام ناگواریت کے باوجود خوشگوار لگا۔ ناخوشگوار واقعہ زیادہ پرانا نہیں اس دن اتنی بارش ہوئی کہ آفس کی بلڈنگ میں پارکنگ کو بند کرنے کا اعلان کیا گیا اور سب گھر کے لیے نکل پڑے۔ راستے میں مغرب کی اذان بھی ہو گئی۔ ہم نے کچھ خریداری بھی کر لی موسم کی مناسبت سے۔ راستے میں ساری دعائیں خاص طور حادثات کی دعا بھی پڑھی۔ گھر کے عین قریب پہنچ کر گھر والوں کو اطلاع دی پانچ منٹ میں پہنچ جائیں گے۔ لیکن! ہمارے ڈرائیور نے دیکھا فلائی اوور پر پانی جمع ہے اور ٹریفک جام ہے اس نے گاڑی بیک کی اور گاڑی کو وہاں پہنچا دیا جو جگہ بارش کے لیے نہایت خطرناک تصور کی جاتی تھی اور آج بھی ہے۔ آناً فاناً گاڑی میں پانی داخل ہو گیا اور گاڑی بند ہو گئی۔ بڑی مشکل سے وہاں سے نکلے اور گھر پہنچے۔

لیلیٰ زبیری (ٹی وی آرٹسٹ)

1۔ برسات اب جب بھی ہوتی ہے تو مجھے اپنا بچپن بہت یاد آتا ہے بچپن میں ہم کراچی میں تھے اور کراچی میں بارش بہت کم ہوا کرتی تھی تو جب بارش ہوتی تو ایسا لگتا تھا کہ پتا نہیں ہمیں کیا چیز مل گئی اور اس میں یہ ہوتا تھا کہ تیز بارش میں اسکولوں میں چھٹی ہو جاتی تھی کیونکہ... پانی کھڑا ہو جاتا تھا ہر جگہ۔ گھر میں پکوڑے بنتے تھے اور سب مل کر کھاتے تھے۔ باہر بارش میں نہاتے تھے اس کا اپنا ہی مزہ تھا۔ اب کیونکہ ہم اسلام آباد میں رہتے ہیں اور یہاں پر تو اکثر بارش ہوتی ہے تو بارش

کی وہ بات نہیں رہی جو اس وقت ہوا کرتی تھی۔ مگر اب بھی مجھے بارش بہت پسند ہے۔ مجھے برسات کا موسم بہت اچھا لگتا ہے اور جب بارش ہوتی ہے تو میرا دل چاہتا ہے میں بارش میں جا کر بھیگوں، باہر جاؤں مگر اب ہوتا نہیں ایسا لیکن میں ٹیرس میں بیٹھ کر بارش دیکھتی ضرور ہوں۔ انجوائے بھی بہت کرتی ہوں ساتھ ہی یادیں بھی بہت آتی ہیں۔

2۔ ایک دفعہ ہوا یہ تھا کہ میں اسکول گئی ہوئی تھی۔ اس زمانے میں اسکول بس سے گھر آیا کرتی تھی تو بالکل اچانک غیر متوقع بارش ہو گئی اور اتنی شدید کہ سڑکوں کے اوپر پانی کھڑا ہو گیا۔ بس جب گھر چھوڑنے آرہی تھی تو اس نے مجھے گھر سے بہت دور اتار دیا۔ اتفاق سے اس دن میں چپل پہن کر اسکول گئی تھی تو جب بس نے مجھے

digest library.com

اتارا اور میں نے چلنا شروع کیا تو چپل ٹوٹ گئی اور پانی کھڑا تھا، عجب بے بسی کا عالم تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا زور، زور سے چیخیں مار کر رونا شروع کردوں اور میں اسی پانی میں شڑپ شڑپ چلتی ہوئی گھر کی طرف آئی تو میں نے دیکھا کہ امی اور میری پوری فیملی باہر کھڑی ہوئی تھی۔ امی شدید پریشان تھیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح مجھے لینے جائیں اور لے کر آئیں۔ امی نے کہا جب مجھے دور سے نقطہ چلتا ہوا نظر آیا تو میری کچھ جان میں جان آئی۔ اسی طرح سے روتی پیٹتی گھر پہنچی تو وہ وقت مجھے آج بھی بارش میں بہت یاد آتا ہے کہ میں کیسی دشواری سے گھر پہنچی تھی۔ مگر ہاں اس روز کی بارش سے مجھے یہ سبق ضرور مل گیا تھا کہ چپل پہن کر اسکول نہیں جانا چاہیے خاص کر بارش میں۔

ربیعہ اکرم (براڈکاسٹر)

1۔ اپنوں کے ساتھ بیٹھ کر ہم برسات سے جب بھی لطف اندوز ہوتے ہیں تو کچھ ماضی کی تلخ یادیں برسات کے حوالے سے آجاتی ہیں۔ جب ہم حیدر آباد والے گھر میں تھے تو وہ ذرا سا نیچے تھا۔ اس وقت تک ہم نے اس کو نیا بنوایا نہیں تھا تو پانی بھر جاتا تھا اور ہم لوگ پانی کو بالٹیوں سے بھر، بھر کر گلی میں نکالتے تھے، اسی طرح ایک دفعہ ماہ رمضان آیا تو اس میں بارش ہوئی تو سحری بنانے کے لیے ہمیں چولہوں کو اوپر انگیٹھی پر رکھنا پڑا۔ پانی اتنا تھا کچن میں کہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح سحری تیار ہوگی؟ میں اس وقت کمسن تھی لیکن میری یاد میں وہ چیز ایسی بسی ہوئی ہے کہ کس طرح امی نے ہم

سب کے لیے روٹیاں اور پراٹھے بنائے اور ہم نے سحری کی۔ خدا، خدا کر کے بارش صبح رکی تو پھر پانی اترنا شروع ہوا۔ اب جب میں اپنے گھر میں ہوتی ہوں اور میں دیکھتی ہوں کہ ماشاء اللہ گھر اونچائی پر ہے ہم اپنی

تا ابد تو سلامت رہے اے وطن

تیرے ذرات بنتے رہیں سیم و زر
لعل و گوہر بکف ہوں ترے بحر و بر
ہر سحر کے جلو میں ہو نور سحر
اے مرے گل ادا، گل قبا، گل بدن
تا ابد تو سلامت رہے اے وطن

شاد و آباد ہر ایک بستی رہے
رحمت حق ہمیشہ برستی رہے
بادۂ دیں کی آنکھوں میں مستی رہے
تیری ندیوں سے شرمائیں گنگ و جمن
تا ابد تو سلامت رہے اے وطن

تجھ سے خائف رہیں فتنہ خو، فتنہ جو
تیری فوجوں سے لرزاں رہے ہر عدو
تیرے شاہیں رہیں ہر جگہ سرخرو
ہو ہر اک ضرب کاری و دنداں شکن
تا ابد تو سلامت رہے اے وطن

کلام: تقی دہلوی
پسند: شمع تفسیر، کراچی

مطالعہ سے کیا ملتا ہے؟

دیکھا گیا ہے کہ کتابوں کے مطالعہ نے انسان کے مستقبل کو سنوار دیا ہے۔ اس حوالے سے چند دانشوروں کے جملے ملاحظہ فرمائیں۔

☆ مطالعہ انسان کے لیے اخلاق کا معیار ہے۔ (ڈاکٹر محمد اقبال)

☆ بری صحبت سے تنہائی اچھی ہے لیکن تنہائی سے پریشان ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے اچھی کتابوں کے مطالعے کی ضرورت ہے۔ (امام غزالی)

☆ تیل کے لیے پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے میں رات کو چوکیداروں کی قندیلوں کے پاس کھڑے ہو کر کتاب کا مطالعہ کرتا تھا۔ (حکیم ابونصر فارابی)

☆ ورزش سے جسم مضبوط ہوتا ہے اور مطالعے کی دماغ کے لیے وہی اہمیت ہے جو ورزش کی جسم کے لیے۔ (ایڈیسن)

☆ مطالعے سے انسان کی تکمیل ہوتی ہے۔ (بیکن)

مرسلہ: ملیکہ حسن، اسلام آباد

Digest Novels .com

بالکونی سے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں، لطف اندوز ہوتے ہیں کہ کیسی اچھی بارش لگ رہی ہے۔ پانی کے اندر آنے کا یا برسنے کا یا کسی چھت کے ٹپکنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے تو بس شکر ادا کرتے ہیں اللہ کا اس کی رحمت کا کہ اس نے اس قابل کر دیا کہ اب بارش بری نہیں لگتی بلکہ بارش کو انجوائے کرتے ہیں۔

2۔ خوشگوار باتیں تو بہت سی ہوتی ہیں۔ لیکن ایک ناخوشگوار واقعہ اس وقت پیش آیا جب بچے بہت چھوٹے تھے ہمارے۔ بچے ضد کرتے تھے ویک اینڈ پر کھانا باہر کھائیں گے، آئس کریم کھائیں گے۔ ہم نکل کھڑے ہوئے۔ موسم ابر آلود بھی نہ تھا ہلکی، ہلکی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ ہم نے کہا چلتے ہیں as usual اچنبھے کی بات نہیں تھی اس وقت جانا ہمارا۔ اچانک جب ہم نیپا کا برج کراس کر کے نیچے اترے تو ایک دم گرج چمک کے ساتھ بارش شروع ہو گئی۔ یا اللہ یہ تو کہیں بارش کے آثار نہیں تھے۔ ہمیں جس جگہ جانا تھا ہم وہاں سے پلٹے کہ واپس گھر لوٹ جاتے ہیں۔ اتنی تیز بارش میں کہاں جائیں گے کچھ گھر پر منگوا کے کھالیں گے۔ بھیا وہ گھر پہنچنا ہی دشوار ہو گیا۔ وہ چھما چھم برسی بارش وہ چھما چھم کہ ہماری گاڑی میں (اس وقت ہمارے پاس چھوٹی گاڑی تھی، مہران) میری کمر، کمر تک پانی گاڑی میں بھر گیا تھا اور گاڑی بیچ راستے میں رکی ہوئی تھی، سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ گاڑی چلائیں گے کیسے؟ میرے بیچارے شوہر بار، بار ریس دے رہے تھے کہ نکل جائیں گے کسی طرح۔ فیضی صاحب ڈر رہے تھے ایسا نہ ہو میرا موبائل ڈوب جائے۔ میں نے کہا کہ میرا موبائل دو میں اوپر رکھ دیتی ہوں چھت پر۔ یہ واقعہ جب بھی یاد آتا ہے۔ جب لوگ ہماری گاڑی کو دھکے لگا رہے تھے، مدد بھی کر رہے تھے۔ مگر وہ بالکل ایسا ایک ڈراؤنا خواب تھا ہم کسی ایک اپارٹمنٹ بلڈنگ تک دھکے کھا، کھا کے الٹتے پلٹتے پہنچے اور پھر وہاں جا کر سائبان ملا دوبارہ ہماری گاڑی کا پانی کم ہونا شروع ہوا۔ بارش کی وہ خطرناک، خوفناک یاد مجھے نہیں بھولتی۔ ہم لوگوں نے توبہ کی۔ اب ذرا سا بھی ابر آلود موسم دیکھتی ہوں تو کہتی ہوں بھئی نہ نکلو گھر سے پتا نہیں کس وقت کتنی موسلا دھار ہو جائے۔

فرحین اظفر (قلم کار)

1۔ بارش کے موسم میں اب گزرے دنوں کا موازنہ نہیں ہوتا بلکہ بچپن اور جوانی کا موازنہ ہوتا ہے۔ ویسے بھی جس رفتار سے زندگی آگے کی طرف رواں دواں ہے اس سے جوانی بھی اب ادھیڑ عمری سے ملتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ تو بارش کی یادیں اصل میں بچپن کی یادیں ہیں۔ جب ذرا سی بوندیں پڑتے ہی دیوانوں کی طرح باہر بھاگتے تھے۔ جتنا پانی گھر کے باہر ہوتا تھا اتنا ہی گھر کے اندر بھی کچھر کچھر مچاتے تھے۔ ڈانٹیں بھی پڑتی تھیں لیکن اثر کوئی نہ۔ اب نہ موسموں میں شدت رہی ہے نہ شہر کا حال اتنا اچھا ہے۔ تب کے اور اب کے موسم میں کیا کچھ بدل گیا۔ جیسے ہمارا دل ہی بدل گیا۔ ساتھ ہی دل سے پکار نکلتی ہے "میرا بچپن کسی مول لا دے کوئی" اب اگر بارش کا موسم دل خوش کر بھی دے تو کہیں نہ کہیں اداسی کی ہمک بھی ساتھ رہتی ہے۔

2۔ ہائے کیا یاد دلا دیا۔ بارش سے میری شادی کی یادیں جڑی ہوئی ہیں۔ میری شادی پر اتنی بارش ہوئی اتنی بارش ہوئی، بمشکل بارات کا فنکشن نمٹایا اور بہت کوشش کے بعد بھی ولیمہ پورا نیست ہی ہوا۔ میرے گھر والوں میں سے کوئی بھی نہ پہنچ سکا۔ یہاں تک کہ میرے امی ابو اور بھائی بھی نہیں آسکے تھے۔ شوہر صاحب کی طرف سے بلائے گئے مہمان بھی غائب ڈھیروں ڈھیر کھانا ضائع ہونے سے بمشکل بچایا۔ بس میری شادی میں بارش نے جو تباہی پھیری تھی وہ مت پوچھیں۔ تو ابھی تک کی زندگی میں جیسی بھی کھٹی، میٹھی، کڑوی یاد ہے وہ یہی شادی والی

ہے۔سب خاندان والے ابھی تک میری شادی پر ہونے والی بارش کو یاد کرتے ہیں تو پناہ مانگتے ہیں کہ اب کسی کی شادی پر ویسی بارش نہ ہو۔

دانیہ احمد (لائبریرین)

1۔جی بالکل بیتے دنوں کی برسات تو بہت یاد آتی ہے۔خاص کر بچپن اور یونیورسٹی کا زمانہ جہاں ہم بہت انجوائے کرتے تھے۔چائے پینے کے ساتھ ہنسی مذاق چلتا تھا کہ پڑھائی اور پڑھائی کی ٹینشن سب ایک طرف ہو جاتی۔اب زندگی اتنی تیز ہوگئی ہے کہ چیزوں کو،ٹاسک کو مکمل کر رہے ہوتے ہیں۔اگر گھر میں بھی ہیں تو مختلف چیزیں ہوتی ہیں تو وقت ہی نہیں مل پاتا کہ بارش انجوائے کرسکیں۔بچپن کی دوستی بہت قیمتی ہوتی ہے سچ بات یہ کہ اب وہ دوست نہیں رہے بس اس وقت کی یادیں ہیں جو بارش میں اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔لیکن پھر بھی وقت مل جائے تو بارش انجوائے کرتی ضرور ہوں۔مزے کی بات یہ ہے کہ اکیلی ہوں تب بھی ماضی کا میلہ میرے ساتھ ہوتا ہے۔

2۔بارش کی بہت سی خوشگوار یادیں ہیں۔بچپن کی بارشوں میں اپنی ساری دوستوں کے ساتھ مل کر ایک نہیں لگا تار تین چار آئس کریم کھاتے ہوئے بارش سے بھرپور انجوائے کرنا،اس کے ساتھ امی کے ہاتھ کے بنے پکوڑے اور مختلف چیزیں بھی کھاتے تھے۔بچپن کی بارشوں میں بھاگ دوڑ اور اچھل کود کے نتیجے میں پانی میں پھسلنے سے چوٹیں بھی بہت لگتی تھیں۔

لیکن اس وقت تکلیفیں محسوس نہیں ہوتی تھیں۔بارش میں بھیگنے اور آئس کریم کھانے سے بیماری کا خوف بھی نہیں ہوتا تھا۔بچپن کی ایک خوشگوار یاد جو جوانی تک کی ہے وہ گرمیوں کی بارش میں آم کھانے کی عادت پاپا نے ڈال دی تھی اور پھر بارش میں پھپو آم لے کر آتی تھیں اور اگر نہیں لاتیں تو میرے ساتھ جا کر لاتی تھیں۔پھپو کے ساتھ بارش میں آم کھانے کا مزہ ہی اور تھا۔آج کل میری پھپو بہت بیمار ہیں اللہ ان کو تندرستی عطا فرمائے آمین۔آپ سب بھی میری پھپو کی صحتیابی کے لیے دعا ضرور کیجیے گا۔(جی ضرور)

☆☆☆

عزیز قارئین! اپنوں کے سنگ ہوں اور برستے بادل ہوں تب گئے دنوں کی بارشیں بہت ستاتی ہیں اور لاشعوری طور پر ماضی و حال کا موازنہ ہوجاتا ہے۔گزرتے وقت کے ساتھ در آنے والی تبدیلیوں کے ساتھ،ساتھ یادوں کے قافلے بھی قلب و ذہن کو جگمگانے لگتے ہیں۔شکیب جلالی نے کہا تھا

اک یاد ہے کہ دامنِ دل چھوڑتی نہیں
اک بیل ہے کہ لپٹی ہوئی ہے شجر کے ساتھ

بارش سے منسوب ایک نہیں کئی خوشگوار اور ناخوشگوار یادیں ہیں جو برستے ہی اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔یہ سطور رقم کرتے ہوئے موسم باراں سے لطف اندوز ہورہی ہوں اور میرے تصور میں بچپن سے اب تک کے کئی واقعات آرہے ہیں۔ان یادوں کا خیال اگر دل کی مٹی کو نم کر رہا ہے تو چہرے پر مسکراہٹ بھی بکھیر رہا ہے۔بچپن کی طرح آج بھی کچی مٹی کی سوندھی،سوندھی خوشبو عجب روحانی آسودگی بخشتی ہے اور ہمیشہ کی طرح آج بھی قلم برکھا رُت میں خود کو منوانے کو....بے چین ہو رہا ہے۔ایسے ہی موسم میں کہی جانے والی اپنی ایک ہائیکو یاد آرہی ہے۔

رات کی رانی
کچی مٹی کی خوشبو اور
آنچل دھانی

دلی دعا ہے کہ موسمِ برسات میں اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے اور ہم بارانِ رحمت سے جی بھر کر لطف اندوز ہوں۔آمین!

☆☆☆

ادھورے کام اور یہ زندگی

سیما رضا

لوگ اچھے ہیں، بہت دل میں اتر جاتے ہیں
اک برائی ہے تو بس یہ ہے کہ مر جاتے ہیں

سائرہ رضا کے بارے میں کچھ لکھتے ہوئے دل کانپ رہا ہے۔ یقین نہیں آرہا وہ اس دنیائے فانی سے جاچکی ہے۔ ہنستی مسکراتی، سادگی کا پیکر سائرہ، جب ملتی محبتوں کے خزانے لٹاتی ہوئی۔ سائرہ رضا اپنی گہری سوچ جذباتی کہانیوں اور متاثر کن تحریروں کی وجہ سے جانی جاتی

سیما رضا، سائرہ رضا کے ہمراہ

ہیں۔ با اخلاق، باوقار یوں لگتا ہے جیسے کل کی بات ہے۔ ایک ٹیلی فلم کے لیے رابطہ کیا تو میں نے کہا ”آجائیں، میٹنگ کرتے ہیں۔“ حسبِ وعدہ اپنے مخصوص انداز میں وقت طے کیا اور ملنے آگئیں۔ باتیں کرتے ہوئے وقت کا پتا نہیں چلا۔ ”جھوٹی فریبی“ کی کہانی مل کر بنائی۔ انہوں نے بہت سے پوائنٹس لکھے اور رخصت ہوگئیں۔

”دل موم کا دیا“ سے شہرت ملی تو سائرہ رضا نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اور اُن کا قلم نئے ڈرامے تخلیق کرنے میں لگ گیا۔ میرے ہم سفر“ نے دھوم مچائی تو ”دل موم کا دیا“ ”محبت داغ کی صورت“ ”انتقام نہیں“ جیسے کئی سپر ہٹ اور مقبول ترین ڈرامے لکھے۔

سائرہ رضا نہ صرف ایک کامیاب اسکرین رائٹر تھیں بلکہ وہ ایک حساس دل رکھنے والی تخلیق کار بھی تھیں، جنہوں نے انسانی جذبات، رشتوں اور معاشرتی مسائل کو نہایت خوبی سے اپنی تحریروں میں سمویا۔

ڈراما ”میرے ہم سفر“ جسے دسمبر 2021ء سے ستمبر 2022ء تک اے آر وائی ڈیجیٹل پر نشر کیا گیا، ایک ایسی کہانی تھی جو محبت، صبر اور خاندانی بندھنوں کے گرد گھومتی ہے۔ اس ڈرامے نے فرحان سعید اور ہانیہ عامر کی شاندار اداکاری کے ساتھ تقریباً 2 ارب ویوز حاصل کیے اور اسے جنوبی ایشیا، مشرقِ وسطیٰ میں غیر معمولی پذیرائی ملی۔

ابھی کل کی بات لگتی ہے کہ ایک روز سائرہ رضا کا فون آگیا۔ مجھے لگا اپنی ٹیلی فلم کے بارے میں پوچھیں گی کہ تم لوگوں نے ابھی تک فیڈ بیک نہیں دیا۔ مگر نہیں، اُن کی گفتگو پروفیشنل رویے سے ہٹ کر تھی۔ انہوں نے ایک نوآموز لکھاری کے بارے میں کہا کہ ”دیکھو سیما، وہ لڑکی بہت اچھا لکھتی ہے۔ اُس کی سوچ بہت اچھی ہے۔ وہ بہت سیدھی سادی ہے۔ بہت سارے افسانے اور ناولز لکھ چکی ہے۔ ڈراما انڈسٹری کا اُسے کچھ پتا نہیں ہے۔ وہ مجھ سے بھی اصلاح لیتی ہے۔ پلیز تم اسے ضرور موقع دو۔ یقین کرو وہ تم لوگوں کو مایوس نہیں کرے گی۔“ سائرہ رضا

digest library.com

نے اس نو آموز رائٹر کے لیے بہت خلوص سے بات کی۔
میں نے کہا۔ہاں سائرہ آپ اسے میرا نمبر دے دیں میں اُس کی کہانی پڑھ کے دیکھتی ہوں۔" پھر کہنے لگیں۔
"ایک بات اور سن لو سیما، جب میں اس فیلڈ میں آئی تو میں نے بھی بہت کوشش کی۔ راستے ڈھونڈے اور سہارا بالآخر مل ہی جاتا ہے۔تو تم بھی اسے ضرور موقع دینا۔اس لڑکی کو میں ریکمنڈ کر رہی ہوں۔"

سائرہ رضا اور میری گفتگو اس اجنبی رائٹر کے متعلق یہ ... آخری بات تھی۔ اس سے پہلے ایک شادی میں ملاقات ہوئی، جہاں وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ تشریف فرما تھیں۔ اُن کے ساتھ ان کی پیاری، پیاری تین بیٹیاں تھیں، جو ماں کا عکس لگیں۔ چہرے پر سنجیدگی کی چھاپ ...مگر مسکراہٹ میں ماں کی شبیہ تھیں۔ ہلکی انگوری ستاروں والی ساڑی میں ملبوس سائرہ رضا ہمیشہ کی طرح سادہ ہی لگیں۔ مسکرا کر سب سے حال احوال پوچھا۔

جب میں اور ریحانہ امجد بخاری آئسکریم لینے کے لیے گئے تو وہ اپنی پلیٹ لیے ہمارے قریب سے گزریں اور کسی ڈش کے بارے میں کہا اُسے بھی ٹرائی کرنا، بہت مزے کی ہے۔" اور یہ کہتی ہوئی چلی گئیں۔ میں نے مسکرا کر "ہاں" میں سر ہلایا کہ ضرور ...

وہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ وہی منظر آنکھوں میں بسا ہے۔سادہ آواز جو کسی کو آگے بڑھانے کا راستہ مانگ رہی تھی۔

انسان کی زندگی کچھ نہیں ہے۔ سانسوں کا اعتبار نہیں۔

بہت سے ادھورے کام اُن کے منتظر تھے۔ کئی پروجیکٹ مختلف چینلز پر ادھورے پڑے ہیں۔ کیا کچھ سوچتی ہوں گی وہ، اپنے لیے... اپنی بچیوں کے لیے۔ زندگی نے وفا نہیں کی ... اور زندگی کب کسی کے ساتھ وفا کرتی ہے۔

سائرہ رضا اللہ پاک آپ کی مغفرت فرمائے۔ آپ کے درجات بلند ہوں۔ آمین!

غزل

مری زندگی کا وہ پل قیمتی ہے
جو گزرا ہے میرا وہ کل قیمتی ہے

جہاں ستی، پتوں کے قصے بنے تھے
وہ مٹی کے ٹیلے وہ تھل قیمتی ہے

سنو خونِ دل سے لکھی ہے جو ہم نے
جسے پڑھ رہے ہو غزل قیمتی ہے

یہاں ہر کسی کے بہت مسئلے ہیں
یہاں مسئلوں کا بھی حل قیمتی ہے

تری دسترس میں تو ہرگز نہیں ہے
جہاں رہ رہی ہوں محل قیمتی ہے

اگر میری آنکھوں سے دیکھو گی فری
یہ پانی میں بہتا کنول قیمتی ہے

کلام: فریدہ جاوید فری، لاہور

شاعری میری پہچان

شائستہ زریں

باہمت اور زندہ دل شخصیت کی مالک

معروف شاعرہ شگفتہ شفیق

Digest Novel .com

میں محبت ہوں حدوں میں نہ کرو قید مجھے
روشنی بن کے فضاؤں میں بکھر جانے دو
بیگم ممتاز مرزا کے اس شعر کی عملی تفسیر کا نام ہے

شگفتہ شفیق۔ محبت شگفتہ کی فطرت کا تقاضا، طبیعت کا خاصہ، آپ کی زندگی کا لازمہ اور اپنے رب کریم سے رابطے کا مؤثر وسیلہ بھی ہے۔

جو چراغِ محبت جلاتا رہا ہے
خدا کی وہ قربت کو پاتا رہا ہے
شگفتہ شفیق

شگفتہ کا خمیر محبت سے اٹھا ہے محبت سے سرشار آپ کا دل محبت لے کر خوش ہوتا ہے تو محبت دے کر بھی شادمانی وطمانیت محسوس کرتا ہے۔ محبت سے آراستہ تمام رنگ آپ کی زندگی کا حصہ ہی نہیں آپ کی شاعری میں بھی جلوہ گر ہیں۔

عاجزی و انکساری، سادگی اور عمدہ اخلاق کے اوصاف آپ کی طبیعت میں ایسے رچ بس گئے ہیں جس کا اثر آپ کے کلام میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ بے حد حساس اور دردمند دل رکھنے والی، دوسروں کے دکھ پر تڑپ جانے والی شگفتہ شفیق پر جب کینسر جیسے موذی مرض کا انکشاف ہوا تو ہمت ہارنے کے بجائے اپنی زندگی میں آنے والے اس طوفان کا مقابلہ جی داری سے کرتے ہوئے قلم سے اپنا رشتہ اور مضبوط کرلیا۔ تادم تحریر آپ کی پانچ کتابیں آچکی ہیں۔ آپ کے کلام کو سراہتے ہوئے پاکستان اور بیرون ممالک میں آپ کے اعزاز میں کئی تقریبات منعقد ہوئیں۔ آپ کی کتاب ”میری شاعری گنگنا کر تو دیکھو“ پر سعدیہ فاطمہ نے بی ایس اردو کے لیے تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔

ماہنامہ پاکیزہ سے شگفتہ کی رفاقت پچیس برسوں سے زائد پر محیط ہے۔ شگفتہ شفیق کی شاعری اور زندگی کے مختلف گوشوں پر ان سے کی جانے والی گفتگو نذر قارئین ہے۔

پاکیزہ ✧......پہلا شعر کس عمر میں کہا؟ تحریک کیسے ملی؟

شگفتہ شفیق ✧......ویسے تو طبیعت بچپن ہی سے موزوں تھی۔ اس کے بغیر لکھنا بہت مشکل ہے لیکن باقاعدہ لکھنا میں نے نویں کلاس سے شروع کیا تھا تب میں اپنی اندرونی کیفیات کو لطیف پیرائے میں ڈھال دیتی تو بہت مطمئن اور پُرسکون ہوجاتی تھی۔ اس زمانے میں دیکھا ہی ایسا لگا تھا کہ زندہ رہنا محال ہوا جاتا تھا امی ہارٹ اٹیک کے سبب اچانک اللہ کو پیاری ہوگئی تھیں تب پہلی نظم میں نے اپنی ماں کی یاد میں لکھی تھی۔ اس کے علاوہ پاکیزہ میں جو سب سے پہلی غزل جون 2000ء میں چھپی تھی اس کا ایک شعر ہے۔

جس طرف بھی دیکھیے اب یہ نظارہ عام ہے
سب سے اونچا قہقہہ ہے اور دل میں ہے غمی

پاکیزہ ✧......شاعری میں باقاعدہ اصلاح لی یا محض مشاورت پر اکتفا کیا؟

شگفتہ شفیق ✧......بات یہ ہے کہ میں نے باقاعدہ اصلاح نہیں لی البتہ کبھی، کبھی دوستوں سے مشورہ کرلیتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......آپ کا نظریۂ شعر کیا ہے؟

شگفتہ شفیق ✧......یہی کہ زبان و بیان سادہ ہو، الفاظ مشکل نہ ہوں۔ کوئی ابہام نہ رہے سہل ممتنع میں ہو اور دل میں اتر جائے۔

عذرا رسول، شگفتہ شفیق کی پُرخلوص دعوت پر ان کے گھر کی لائبریری میں

ہو چراغ محبت جلاتا رہا ہے
خدا کی وہ قربت کو پاتا رہا ہے

شگفتہ شفیق

شگفتہ کا خمیر محبت سے اٹھا ہے محبت سے سرشار آپ کا دل محبت سے لے کر خوش ہوتا ہے تو محبت دے کر بھی شادمانی و طمانیت محسوس کرتا ہے۔ محبت سے آراستہ تمام رنگ آپ کی زندگی کا حصہ ہی نہیں آپ کی شاعری میں بھی جلوہ گر ہیں۔

عاجزی و انکساری، سادگی اور عمدہ اخلاق کے اوصاف آپ کی طبیعت میں ایسے رچ بس گئے ہیں جس کا اثر آپ کے کلام میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ بے حد حساس اور دردمند دل رکھنے والی، دوسروں کے دکھ پر تڑپ جانے والی شگفتہ شفیق پر جب کینسر جیسے موذی مرض کا انکشاف ہوا تو ہمت ہارنے کے بجائے اپنی زندگی میں آنے والے اس طوفان کا مقابلہ جی داری سے کرتے ہوئے قلم سے اپنا رشتہ اور مضبوط کر لیا۔ تادم تحریر آپ کی پانچ کتابیں آچکی ہیں۔ آپ کے کلام کو سراہتے ہوئے پاکستان اور بیرون ممالک میں آپ کے اعزاز میں کئی تقریبات منعقد ہوئیں۔ آپ کی کتاب "میری شاعری گنگنا کر تو دیکھو" پر سعدیہ فاطمہ نے بی ایس اردو کے لیے تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔

ماہنامہ پاکیزہ سے شگفتہ کی رفاقت پچیس برسوں سے زائد پر محیط ہے۔ شگفتہ شفیق کی شاعری اور زندگی کے مختلف گوشوں پر ان سے کی جانے والی گفتگو نذر قارئین ہے۔

پاکیزہ ⟡...... پہلا شعر کس عمر میں کہا؟ تحریک کیسے ملی؟

شگفتہ شفیق ⟡...... ویسے تو طبیعت بچپن ہی سے موزوں تھی۔ اس کے بغیر لکھنا بہت مشکل ہے لیکن باقاعدہ لکھنا میں نے نویں کلاس سے شروع کیا تھا جب میں اپنی اندرونی کیفیات کو لطیف پیرائے میں ڈھال دیتی تو بہت مطمئن اور پرسکون ہو جاتی تھی۔ اس زمانے میں دھچکا ہی ایسا لگا تھا کہ زندہ رہنا محال ہوا جاتا تھا امی ہارٹ اٹیک کے سبب اچانک اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں تب پہلی نظم میں نے اپنی ماں کی یاد میں لکھی تھی۔ اس کے علاوہ پاکیزہ میں جو سب سے پہلی غزل جون 2000ء میں چھپی تھی اس کا ایک شعر ہے۔

جس طرف بھی دیکھیے اب یہ نظارہ عام ہے
سب سے اونچا قہقہہ ہے اور دل میں ہے غمی

پاکیزہ ⟡...... شاعری میں باقاعدہ اصلاح لی یا محض مشاورت پر اکتفا کیا؟

شگفتہ شفیق ⟡...... بات یہ ہے کہ میں نے باقاعدہ اصلاح نہیں لی البتہ کبھی کبھی دوستوں سے مشورہ کر لیتی ہوں۔

پاکیزہ ⟡...... آپ کا نظریۂ شعر کیا ہے؟

شگفتہ شفیق ⟡...... یہی کہ زبان و بیان سادہ ہو، الفاظ مشکل نہ ہوں۔ کوئی ابہام نہ رہے سہل ممتنع میں ہو اور دل میں اتر جائے۔

مدرار رسول، شگفتہ شفیق کی پرخلوص دعوت پر ان کے گھر کی لائبریری میں

digest library.com

انگلینڈ لیوٹن میں عالمی چیریٹی مشاعرے میں امجد اسلام امجد اور انور مسعود کے ساتھ شگفتہ شفیق

پاکیزہ ✧...... پہلا مشاعرہ کب اور کس کی صدارت میں پڑھا؟

شگفتہ شفیق ✧......میں نے اپنا پہلا باقاعدہ مشاعرہ ۲۰۱۱ء کینیڈا ٹورنٹو میں رحمٰن خاور صاحب کی صدارت میں پڑھا، ورنہ اس سے قبل سہیلیوں کے جھرمٹ میں گھریلو نشستوں میں کلام سنایا کرتی تھی۔

پاکیزہ ✧...... آپ کا تخلیقی جوہر آپ کی نظموں میں زیادہ کھل کر سامنے آتا ہے یا غزلوں میں؟

شگفتہ شفیق ✧......شاعری مجھے ہر روپ میں پسند ہے۔ چاہے نظم کہوں یا غزل کہوں، حمدیہ، نعتیہ کلام ہو یا وطن کی محبت میں ڈوبے اشعار۔ غرض مجھے دونوں اصنافِ سخن ہی پسند ہیں۔ بعض موضوعات ایسے ہوتے ہیں جنہیں ہم نظم میں بہت اچھی طرح بیان کر سکتے ہیں۔ غزل کے تو ہر ایک شعر میں مکمل بات کر سکتے ہیں سو نظم اور غزل دونوں اصناف میں اپنا تخلیقی جوہر دکھانے کی بھرپور کوشش کرتی ہوں اور احباب کی داد اس پر سند ہے۔

پاکیزہ ✧...... آپ کی نظموں کے موضوعات زندگی سے قریب تر ہیں جنہیں بڑی مہارت سے آپ نے شعری سانچے میں ڈھالا ہے۔ اس کے باوجود کبھی محسوس ہوا کہ آپ ان کا حق ادا نہیں کرسکیں؟

شگفتہ شفیق ✧......شعر و نظم کہتے ہوئے کوئی سمجھوتا نہیں کرسکتی جو میرے دل میں ہوتا ہے وہی سطحِ قرطاس پر آتا ہے اور میں اس کو سچائی سے پیش کرتی ہوں۔ گویا میں اپنے دل کی باتیں لکھتی ہوں...... ویسے بھی شاعری میں خود کو خوش کرنے کے لیے کرتی ہوں اس سے مجھے بہت تسکین ملتی ہے آپ کو میری نظمیں زندگی سے قریب تر لگتی ہیں جس کے لیے آپ کی شکر گزار ہوں۔

پاکیزہ ✧...... آپ کی شاعری فطرت کے حسین رنگوں سے مزین ہے...... بھلا کیوں؟

شگفتہ شفیق ✧......شاعری فطرت کا حسین تحفہ ہے۔ میری ساری تھکن ایک خوب صورت شعر یا نظم پڑھ کے تازگی میں ڈھل جاتی ہے اور یہ کہ مجھے فطرت سے عشق ہے۔ فطرت کے حسین نظارے بارش، پہاڑ، وادیاں اور محبت دل کو لبھاتے ہیں اس لیے میری شاعری میں فطرت کے حسین رنگ آپ کو جا بجا نظر آتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......ماں اور بارش پر کہا جانے والا آپ کا کلام بہت مؤثر اور توانا ہے۔ کبھی سوچا کہ ان موضوعات پر مبنی کلام کو یکجا کر کے ایک الگ مجموعہ شائع کروائیں؟

شگفتہ شفیق ✧......جی جناب! اس کی فرمائش مجھ سے کئی لوگوں نے کی ہے کہ ماں اور بارش پر اپنا کلام یکجا کر کے اپنا الگ مجموعہ لائیں۔ اور یہ دونوں میرے پسندیدہ موضوعات ہیں اور ان پر میں نے خوب جم کے لکھا بھی ہے۔ تو امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ چاہے گا تو آہی جائے گا یہ مجموعہ بھی ان شاءاللہ!

پاکیزہ ✧......زندگی آپ کا خاص موضوعِ سخن ہے۔ آپ کے کلام میں زندگی کے کئی رنگ نظر آتے ہیں

ان میں سے آپ کا من بھاتا رنگ کون سا ہے؟

شگفتہ شفیق ❖......الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی میں بے تحاشا نعمتوں سے نوازا ہے تو مجھے زندگی کے خوشی، شکر گزاری اور امید کے رنگ بہت پسند ہیں اور یہی من بھاتے رنگ میری شاعری میں جھلکتے ہیں۔

پاکیزہ ❖......وہ کون سے موضوعات ہیں جن کی تخلیق کا تقاضا آپ کی شاعری کرتی ہے لیکن تادمِ تحریر آپ ان کی تخلیق سے خود کو معذور محسوس کرتی ہیں؟

شگفتہ شفیق ❖......سیاست...... اور اس پر لکھنے کی ممانعت میرے شوہر نے کی ہے جبکہ میں لکھنا چاہتی ہوں لیکن گھریلو ماحول میرے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ گھر میں بدمزگی مجھے پسند نہیں ہے سو اس موضوع سے دل چاہنے کے باوجود دور رہتی ہوں۔

پاکیزہ ❖......انجم انصار صاحبہ نے لکھا تھا کہ ”شگفتہ شفیق کی شاعری میں فرقت اور قربت دونوں رنگوں سے زیادہ ان مسائل کا درد پنہاں ہے جسے آج کی عورت دیکھتی اور محسوس کرتی ہے۔“ صنفِ نازک کے کون، کون سے مسائل ترجیحاً آپ کی شاعری کا حصہ بنے؟

شگفتہ شفیق ❖...... پیاری انجم انصار سچ کہتی ہیں کہ میں ایسا ہی سوچتی ہوں چھوٹی، چھوٹی باتیں ہیں جو با ہم مل کے ایک بڑا مسئلہ بنا دیتی ہیں ان چھوٹی باتوں میں جھوٹ، دھوکا، فریب، طنزیہ گفتگو، جھوٹے الزامات شامل ہیں۔ خواتین کو اپنے دل کی بات نہ کہنے سے خاصا نقصان ہوتا ہے تو ہم صاف بات کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمام خواتین کھل کر بات کریں۔ ویسے میرے موضوعات ہلکے پھلکے ہیں۔ میری بہنیں، بھابیاں، سہیلیاں کہتی ہیں کہ تم تو ہماری ساری باتیں شکوے شکایات لکھ دیتی ہو۔ میرا تو یہ ماننا ہے کہ جب تک آپ خواتین کے مسائل پر بات نہیں کریں گی تو پھر بات کیسے بنے گی!

پاکیزہ ❖......وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ آپ کے شعری رویّے اور مزاج میں کون، کون سی تبدیلیاں رونما ہوئیں؟

شگفتہ شفیق ❖...... مجھے محسوس ہوتا ہے کہ شاعری میں کچھ نہ کچھ تبدیلی آگئی ہے اور اب میں نظم و غزل کے ساتھ حمدیہ و نعتیہ شاعری بھی زیادہ کہنا پسند کرتی ہوں۔

پاکیزہ ❖...... شعر کہتے، کہتے افسانہ نگاری کا رخ کیسے کر لیا؟ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ شاعری کی بہ نسبت افسانہ زیادہ بہتر ذریعۂ اظہار ہے؟

شگفتہ شفیق ❖......ہم تو دوستوں کے دوست ہیں اور افسانہ نگاری، سفرنامے، کالمز، تبصرے جو ہیں یہ فرمائشی ہیں۔ میرے پیارے ناصر رضا بھائی، فریدہ مسرور اور غزالہ رشید کی فرمائش پر ہم نے افسانے، کہانیاں لکھیں اور الحمد للہ لوگوں نے بڑی پسند بھی کیے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ شاعری کیونکہ ہمارا پہلا عشق ہے اور بے اختیار ہی شعر اپنے آپ کو خود کہلواتا ہے۔ افسانے، پلاٹ، کہانی سوچ سمجھ کر لکھے جاتے ہیں۔ شاعری بے اختیار ہوتی ہے سو میں اپنے جذبات کے اظہار کے لیے شاعری کو ترجیح دینا پسند کروں گی۔ یوں تو

کراچی پریس کلب میں شگفتہ شفیق کی چوتھی کتاب شگفتہ نامہ......کی تقریب پزیرائی

شگفتہ شفیق کی پیاری فیملی...... شفیق صاحب، بیٹا، بیٹی اور داماد نواسیاں اور خوبصورت بیٹا بہو

افسانہ نگاری بھی بہت اچھا ذریعۂ اظہار ہے لیکن میں سمجھتی ہوں میرا بہترین میڈیم شاعری ہے جو میرے دل سے قریب ہے۔

پاکیزہ ✧...... آپ کے احساسات اور جذبات صدائے دل بن کر آپ کی نثر میں زیادہ اثر دکھاتے ہیں یا شاعری میں یہ کمال عروج پر نظر آتا ہے؟

شگفتہ شفیق ❖...... پہلی محبت کا کوئی متبادل نہیں ہونا چاہیے۔ چاہے کتنی ہی حسین شے سامنے رکھ دی جائے تو میں ایک لمحہ ضائع کیے بغیر شاعری کا انتخاب کروں گی کیونکہ شاعری میرے مزاج سے ہم آہنگ ہے۔ جو لطف شاعری میں اپنی بات بیان کرنے میں آتا ہے اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔ غزل کے ایک شعر میں یا ایک چھوٹی سی نظم میں پوری کہانی بیان کر جانا میرے مزاج کو بھلا لگتا ہے۔ شاعری مجھے اپنے جذبات و خیالات کی عکاسی کے لیے بہتر اور مؤثر لگتی ہے کہ کبھی، کبھی ایک خوب صورت شعر بڑے بڑے مضامین کو مات دے جاتا ہے۔

پاکیزہ ✧...... ڈائجسٹوں میں شائع ہونے والا تخلیقی ادب تفریحی ادب کے زمرے میں کیوں آتا ہے؟ جبکہ یہ تخلیقات بامقصد، اصلاحی اور معیاری ہوتی ہیں۔ کیا آپ تفریحی ادب کی اس اصطلاح سے متفق ہیں؟

شگفتہ شفیق ❖...... یہ معیار ادب کے نام نہاد ٹھیکیداروں نے بنا رکھے ہیں۔ جن کو ختم ہونا چاہیے۔ میرے خیال میں ڈائجسٹوں میں چھپنے والا بیشتر ادب بے حد معیاری اور اعلیٰ پائے کا ہے جس کو صرف تفریحی ادب کہہ کے پکارنا اس کی توہین ہے۔

پاکیزہ ✧...... شعری و نثری تخلیقات کے لیے تخلیہ ضروری ہے یا بارونق فضا بھی ادب کی تخلیق کے لیے سازگار ہو سکتی ہے؟

شگفتہ شفیق ❖...... نہیں میرے ساتھ ایسا نہیں ہے شعر اپنے آپ کو ہر جگہ کہلوا لیتا ہے۔ تخلیے کی شرط میرے لیے نہیں ہے۔ البتہ کاپی پنسل پاس ہو تو بہترین ہے کیونکہ بعد میں کچھ نہ کچھ بھول چوک ہو جاتی ہے اور پھر سوچ کر بنایا ہوا شعر مجھے پسند نہیں آتا۔

پاکیزہ ✧...... آپ شاعری میں سماجی حد بندیوں کی قائل ہیں؟ اور کس حد تک؟

شگفتہ شفیق ❖...... میں معاشرے کی ایک ذمے دار عورت ہوں۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ حد پار نہیں

digest library.com

کرنی چاہیے تاکہ ہمارا معاشرہ بہتر رہے، اس لیے میں اپنی حدود میں رہنا پسند کرتی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... آپ کے خیال میں مطبوعہ کلام کا اثر دیرپا ہوتا ہے یا مشاعروں اور ادبی نشستوں میں پڑھے جانے والے کلام کا؟

شگفتہ شفیق ✧...... مطبوعہ ہو یا غیر مطبوعہ کلام مضبوط ہونا چاہیے۔ اچھا بھلا دل میں اتر جانے والا شعر چاہے چھپا ہوا ہو یا صرف مشاعرے میں پڑھا جائے دیرپا اثر رکھتا ہے۔

پاکیزہ ✧...... آپ نے سیاحت تو بہت کی، سفرنامے بھی لکھے کتابی صورت میں کب لا رہی ہیں؟

شگفتہ شفیق ✧...... الحمدللہ سفر بہت کیے ہیں، سفرنامے بھی لکھے ہیں جو مختلف میگزین میں چھپے ہیں جن کو بہت پسند بھی کیا گیا۔ کتابی صورت میں شائع ہونے کی بڑی وجہ وقت کی کمی ہے۔ وقت مل جائے تو یہ کام بھی جلد انجام کو پہنچے گا۔ ان شاءاللہ!

پاکیزہ ✧...... آپ نے بیرون ملک بھی کئی مشاعرے پڑھے، آپ کو بہت سراہا بھی گیا۔ خود آپ کو کہاں مشاعرہ پڑھ کر بہت لطف آیا؟

شگفتہ شفیق ✧...... جی بیرون ملک لندن، امریکا اور کینیڈا میں بہت زیادہ مشاعرے پڑھے ہیں اور وہاں کے اخبارات نے بھی فل کوریج دی اور مجھے سب سے زیادہ لطف انگلینڈ، لندن کے مشاعروں میں آیا۔ جو کہ میں نے امجد اسلام امجد، وصی شاہ اور انور مسعود کے ساتھ پڑھے تھے بہت زبردست crowd اور بہترین انتظامات تھے۔ لندن میں سہیل ضرار خلش کے ہاں بھی مشاعرے شاندار رہے۔

پاکیزہ ✧...... کینیڈا، امریکا اور انگلینڈ میں اردو زبان و ادب اور شاعری کے فروغ کی کیا صورتِ حال ہے؟

شگفتہ شفیق ✧...... انگلینڈ، امریکا، کینیڈا ہر جگہ اور اس کے علاوہ بھی اور دوسرے ممالک میں جیسے جرمنی ہے، یہاں سب جگہ اور دوست حضرات اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے کوشاں ہیں۔ بہت زیادہ

اسکول و کالج کی پرنسپل اسما کوثر سے مہمان خصوصی شگفتہ شفیق شیلڈ لیتے ہوئے

ادب دوست ہیں دن رات بڑے پیمانے پر پروگرام کرتے ہیں لوگوں کو مدعو کرتے ہیں مشاعرے کیے جاتے ہیں، مجالس اور مذاکرے ہوتے ہیں، کتابوں کی پزیرائی کی جاتی ہے۔ اس طرح اردو کی ترویج میں سب اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... اپنے والدین، شریکِ حیات اور بچوں کے بارے میں بھی کچھ بتائیے؟

شگفتہ شفیق ✧...... میرے والدین کا تعلق علی گڑھ اور آگرہ سے تھا اور دونوں بہت نفیس اور پیار کرنے والے، قابل، ادب دوست تھے۔ شعری ذوق بہت اعلیٰ تھا اور میری شاعری بہت پسند کرتے تھے۔ میرے پاپا کبھی کبھی شاعری بھی کرتے تھے۔ کامل تخلص تھا۔ انہوں نے میرے لیے دو شعر کہے تھے جو قارئین کی نذر ہیں۔

میری بیٹی ہے شاعرہ کامل
اچھے، اچھے کلام کہتی ہے
نام اس کا شگفتہ ہے مشہور
گلستاں کے مکان میں رہتی ہے

بزم عزم پاکستان کی طرف سے بہترین شاعرہ کا ایوارڈ لیجنڈ اداکار طلعت حسین سے لیتے ہوئے شگفتہ شفیق

میرے شوہر شفیق میرے پاپا کی پسند ہیں۔ بہت friendly ہیں۔ ائرلائن میں سینئر انجینئر کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ شفیق میری بہت سی خامیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور مجھے فل سپورٹ کرتے ہیں۔

یہ ان کا ہی دیا ہوا اختیار و اعتبار ہے جو میں بلا تکان جو چاہے لکھ ڈالتی ہوں۔ ان کی ائرلائن کی جاب کی وجہ سے ہم اتنا زیادہ سفر کر پائے ہیں کہ ہم کو بزنس پلس فری ٹکٹ ملتا تھا، بس ہم ٹیکس کی ادائیگی کرتے تھے،

میرے دو ہونہار بیٹے اور ایک میڈیکل گولڈ میڈلسٹ بیٹی ہے بڑا بیٹا فرخ ماشاء اللہ انجینئر ہے اور امریکا میں ہے۔ ماشاء اللہ چھوٹے بیٹے شہریار نے این ای ڈی یونیورسٹی سے انفارمیشن سیکورٹی میں ماسٹرز کیا ہے اور ہمارے ساتھ یہیں کراچی میں ہے۔ میری بیٹی ڈاکٹر کنزل تابش گولڈ میڈلسٹ ہے اور لندن میں بڑی ڈاکٹر ہے۔ اس کا شوہر تابش انجینئر ہے اس نے یو کے سے ماسٹرز بھی کیا ہے۔ داماد بلکہ میرا بیٹا ہے وہ۔ ہم بچوں پر اور بچے ہم پر جان دیتے ہیں۔ الحمد للہ ہماری آپس میں بہت دوستی ہے۔ میری بیٹی کی دو پیاری، پیاری بیٹیاں ہیں ماشاء اللہ......

پاکیزہ ✧......آپ نے اپنے شریک حیات اور بچوں کے لیے شاعری کی؟ کیا ردعمل سامنے آیا؟

شگفتہ شفیق ❖......جی بالکل اور یہ سب اپنے پر کبھی میری شاعری پڑھ کر بہت انجوائے کرتے ہیں۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ اکثر میری غزلوں میں سے خود پر کہا شعر بھی تلاش کر لیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......شوہر اور بچوں پر آپ کی شہرت کے اثرات کیسے مرتب ہوتے ہیں؟

شگفتہ شفیق ❖......الحمد للہ مجھے خوش دیکھ کر اور میری شہرت سے شفیق بہت خوش ہوتے ہیں۔ بچے مجھ پر فخر کرتے ہیں اور میں ان سب کی ممنون ہوں کہ مجھے ہر ممکن سہولت دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......کینسر کا انکشاف ہوا تو آپ کا فوری ردعمل کیا تھا؟ آپ نے ایسی کون سی راہ نکالی کہ اپنی بیماری کے حوالے سے منفی سوچیں کبھی آپ کے قریب بھی نہیں پھٹکیں؟ یہ سفر کیسے طے کیا اجمالاً بتائیے؟

شگفتہ شفیق ❖......کینسر کا انکشاف 2010ء میں ہوا جو مجھے اندر سے ہلا گیا تھا۔ یہ ایک مشکل ترین اور کٹھن وقت تھا لیکن جب میں نے اپنے شوہر اور بچوں کی طرف دیکھا وہ بہت رنجیدہ اور مایوس تھے۔ ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ میں اپنی فیملی سے بہت محبت کرتی ہوں تو میں نے اپنے آپ سے کہا ”مجھے بہت مضبوط رہنا ہوگا“ تب میں نے مسکراتے رہنے، چپ رہ کے سہنے کا مشکل فیصلہ کیا اور سوچا کہ ایسا کچھ تخلیقی کام کروں جس سے میرا دھیان بٹے اور وقت گزرنے کا پتا نہ چلے۔ تب میں نے مختلف اخبارات اور رسائل میں چھپی اپنی نظمیں اور غزلیں نکالیں اور کٹنگ کر کے جرنل میں چپکائیں اور یہ کام مکمل کر کے جرنل پبلشر کے حوالے کر دیا۔ دو ماہ بعد 2010ء میں میری پہلی کتاب ”میرا دل کہتا ہے“ چھپ کر آئی جس نے دھوم مچادی 2011ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن آ گیا اور پھر ہم کینسر کو بھول کر اس میں لگ گئے لیکن کینسر ہم کو نہ بھولا۔ مارچ 2014ء تک ہماری کیمو تھراپی ہوئی وہ ایک الگ داستان ہے جو پھر کبھی سہی۔ ویسے محبت اور ستائش ایسا جادو ہے جو کہ انسان کی ہر تکلیف کو بھلا دیتا ہے۔ آپ کے اندر بہت حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ ساری مشکلات فراموش کر کے آگے لے جاتا ہے۔ الحمد للہ

بزمِ عزم پاکستان کی طرف سے بہترین شاعرہ کا ایوارڈ لیجنڈ
اداکار طلعت حسین سے لیتے ہوئے شگفتہ شفیق

میرے شوہر شفیق میرے پاپا کی پسند ہیں۔ بہت friendly ہیں۔ ایئر لائن میں سینئر انجینئر کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ شفیق میری بہت سی خامیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور مجھے فل سپورٹ کرتے ہیں۔ یہ ان کا ہی دیا ہوا اعتماد اور اعتبار ہے جو میں بلا تکان جو چاہے لکھ ڈالتی ہوں۔ ان کی ایئر لائن کی جاب کی وجہ سے ہم اتنا زیادہ سفر کر چکے ہیں کہ ہم کو بزنس پلس فری ٹکٹ ملتا تھا بس ہم ٹیکس کی ادائیگی کرتے تھے، میرے دو ہونہار بیٹے اور ایک میڈیکل گولڈ میڈلسٹ بیٹی ہے بڑا بیٹا فرخ ماشاءاللہ انجینئر ہے اور امریکا میں ہے۔ ماشاءاللہ چھوٹے بیٹے شہریار نے این ای ڈی یونیورسٹی سے انفارمیشن سیکیورٹی میں ماسٹرز کیا ہے اور ہمارے ساتھ رہتے ہیں کراچی میں ہے۔ میری بیٹی ڈاکٹر کنول گولڈ میڈلسٹ ہے اور عمان میں بڑی ڈاکٹر ہے۔ اس کا شوہر بھی انجینئر ہے اس نے یو کے سے ماسٹرز بھی کیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے وہ سب ہم پر جان دیتے ہیں۔ ماشاءاللہ ہماری آپس میں بہت دوستی ہے۔ میرے بیٹوں کی بیویاں، ہماری بیٹیاں ہیں ماشاءاللہ۔

پاکیزہ ✧ ... [illegible]

[illegible]

کبھی میری شاعری پڑھ کر بہت انجوائے کرتے ہیں۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ اکثر میری غزلوں میں سے خود پر کہا شعر بھی تلاش کر لیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......شوہر اور بچوں پر آپ کی شہرت کے اثرات کیسے مرتب ہوتے ہیں؟

شگفتہ شفیق ✧......الحمدللہ مجھے خوش دیکھ کر اور میری شہرت سے شفیق بہت خوش ہوتے ہیں۔ بچے مجھ پر فخر کرتے ہیں اور میں ان سب کی ممنون ہوں کہ مجھے ہر ممکن سہولت دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......کینسر کا انکشاف ہوا تو آپ کا فوری ردِ عمل کیا تھا؟ آپ نے ایسی کون سی راہ نکالی کہ اپنی بیماری کے حوالے سے منفی سوچیں کبھی آپ کے قریب بھی نہیں پھٹکیں؟ یہ سفر کیسے طے کیا اجمالاً بتائیے؟

شگفتہ شفیق ✧......کینسر کا انکشاف 2010ء میں ہوا جو مجھے اندر سے ہلا گیا تھا۔ یہ ایک مشکل ترین اور کٹھن وقت تھا لیکن جب میں نے اپنے شوہر اور بچوں کی طرف دیکھا وہ بہت رنجیدہ اور مایوس تھے۔ ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ میں اپنی فیملی سے بہت محبت کرتی ہوں تو میں نے اپنے آپ سے کہا ”مجھے بہت مضبوط رہنا ہوگا“ تب میں نے مسکراتے رہنے، چپ رہ کے سہنے کا مشکل فیصلہ کیا اور سوچا کہ ایسا کچھ تخلیقی کام کروں جس سے میرا دھیان بٹے اور وقت گزرنے کا پتا نہ چلے۔ تب میں نے مختلف اخبارات اور رسائل میں چھپی اپنی نظمیں اور غزلیں نکالیں اور کٹنگ کر کے جرنل میں چپکائیں اور یہ کام مکمل کر کے جرنل پبلشر کے حوالے کر دیا۔ دو ماہ بعد 2010ء میں میری پہلی کتاب ”میرا دل کہتا ہے“ چھپ کر آئی جس نے دھوم مچا دی 2011ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن آ گیا اور پھر ہم کینسر کو بھول کر اس میں لگ گئے لیکن کینسر ہم کو نہ بھولا۔ مارچ 2014ء تک ہماری کیموتھراپی ہوئی وہ ایک الگ داستان ہے جو پھر کبھی سہی۔ ویسے محبت اور ستائش ایسا جادو ہے جو کہ انسان کی ہر تکلیف کو بھلا دیتا ہے۔ آپ کے اندر بہت حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ ساری تکلیفات فراموش کر کے آگے لے جاتا ہے۔ الحمدللہ

مجھے لوگوں نے بے حد چاہا اور ستائش کی ہے جس کے لیے میں آپ سب کی ممنون ہوں۔ یہ بس اللہ کا فضل اور لوگوں کی محبت بھری دعائیں ہیں جو میں آج آپ سے مخاطب ہوں۔

پاکیزہ ✧......وہ خواہش جس کے نامکمل رہ جانے کا اب تک ملال ہوتا ہے؟

شگفتہ شفیق ❖......جی جناب میں پڑھانا چاہتی تھی اور شادی سے پہلے بی ایس سی کرنے کے بعد میں نے ایک شاندار اسکول میں چار ماہ پڑھایا بھی تھا جو کہ میرے لیے ایک سنہری یاد ہے۔

بچوں سے بہت محبت اور ڈھیروں پھول اسکول میں صبح، صبح ملتے تھے جو مدتوں میں نے سنبھال کر رکھے۔ شادی کے بعد تدریس کا یہ سلسلہ جاری نہ رکھ سکی کہ شفیق کو میرا جاب کرنا پسند نہیں تھا۔ سو یہ خواہش ادھوری ہی رہی جی بھر کر اسکول میں جاب نہ کر سکی۔ البتہ اپنے گھر شگفتہ ہاؤس میں چوبیس گھنٹے آن ڈیوٹی رہتی ہوں۔ اب کچھ فلاحی کام کرتی ہوں اور اپنے گھر میں ادبی نشستوں کا اہتمام بھی کرتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......فوٹو گرافی کا شوق کیسے ہوا؟ آپ نے باقاعدہ تربیت حاصل کی یا مسلسل مشق سے مہارت حاصل کر لی؟

شگفتہ شفیق ❖......فوٹو گرافی کا شوق بچپن سے ہے۔ باقاعدہ کوئی تربیت حاصل نہیں کی البتہ مسلسل مشق کہہ سکتی ہیں کہ اس سے مہارت آجاتی ہے۔ میں اسکول اور کالج میں لنچ سے پیسے بچا کر اپنی تقریبات کی تصاویر خریدا کرتی تھی کیونکہ اس زمانے میں کم ہی پاکٹ منی ملتی تھی۔ باہر کے ممالک میں بھی شاپنگ کی جگہ میں تصاویر کھینچ کے ڈیولپ کرا کے البم بناتی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... اپنے باغبانی کے شوق کی تکمیل کیسے کرتی ہیں؟

شگفتہ شفیق ❖......باغبانی کا شوق بھی مجھے فوٹو گرافی اور شاعری کی طرح عزیز ہے۔ یہ تمام شوق مجھے زندہ رکھتے ہیں، مجھے پھولوں سے پودوں سے بہت محبت اور دلچسپی ہے۔ میں جس وقت اداس ہوتی ہوں پودوں اور پھولوں کے درمیان جاتی ہوں، ان سے باتیں کرتی ہوں اور پُرسکون اور خوش ہو جاتی ہوں۔ میرے گھر میں موجود تمام پودے میرے ہاتھوں کے لگائے ہوئے ہیں۔

پاکیزہ ✧......"میرا دل کہتا ہے" کے انتساب میں بڑے سلیقے سے آپ نے اپنے بے حد قریبی رشتوں کا حق ادا کر دیا وہ بھی محض چار مصرعوں میں۔ یہ انوکھا خیال کیسے آیا؟

شگفتہ شفیق ❖......ان خوب صورت رشتوں میں میری جان ہے۔ ماں باپ ہوں یا میرے بچے بہنیں ہوں یا بھائی یا پھر شفیق صاحب......یوں تو میں ان سب کے بغیر ادھوری ہوں اسی لیے میں نے اپنی پہلی کتاب ان سب کے نام کی تھی کہ میں ان میں سے کسی کو بھی ترجیح نہیں دے پا رہی تھی۔

پاکیزہ ✧......بحیثیت ماں، اولاد کی تربیت میں کن امور کو پیش نظر رکھا؟

شگفتہ شفیق ❖......میرے تینوں بچے ماشاء اللہ

انڈس یونیورسٹی میں شگفتہ شفیق......اپنی تقریب پزیرائی میں چانسلر انڈس یونیورسٹی خالد امین اور ڈائریکٹر رئیس علوی سے شیلڈ لیتے ہوئے

بہت فرمانبردار اور دوسروں کی مدد کے لیے تیار رہتے ہیں کیونکہ میں نے اپنے بچوں کو ایک ہی درس دیا کہ

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

اور میرے بچوں نے یہ نصیحت پلو سے باندھ لی اور اپنے کاموں کے علاوہ سوشل ورک بھی کرتے ہیں اور ایک حد میں رہ کر کے ضرورت مندوں کی مدد کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ میرے بچے ماشاء اللہ ہیرے ہیں جن کی تب و تاب اور کامیابیاں مجھے توانا رکھتی ہیں۔

پاکیزہ ✧...... ادبی تقریبات، مشاعروں میں شرکت کے ساتھ ساتھ گھر اور گھر داری عزیز و اقارب سے میل ملاقات ان تمام معاملات میں اپنی ذات کی نفی کر کے توازن برقرار رکھتی ہیں یا بہ آسانی سب کو مطمئن کر دیتی ہیں؟

شگفتہ شفیق ✧...... میرے لیے گھر اہمیت رکھتا ہے۔ گھر اور گھر داری کو نظر انداز نہ کبھی کیا ہے اور نہ کروں گی یہ سارے شوق کے سلسلے بعد میں آتے ہیں اور سب کو مطمئن کرنا اتنا آسان ہے کیا؟ سب کو مطمئن تو کوئی منافق ہی کر سکتا ہے۔ ہم اپنی ذات کی نفی پہلے ہی خاصی کر چکے ہیں۔ اب نہیں کرتے بلکہ اپنے لیے کچھ نہ کچھ وقت نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... پسندیدہ رشتہ، شخصیت، کتاب، موسیقی، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، ٹی وی پروگرام، فلم، تفریحی مقام، مشغلہ، کھیل، موسم کے لحاظ سے مشروب اور ڈش؟

شگفتہ شفیق ✧...... ماں اور بچوں کا، میرے پاپا، پروین شاکر کی خوشبو، ہلکی پھلکی موسیقی، گلابی، بارش کے بعد کچی مٹی کی خوشبو، ساون کا موسم، صبح صادق اور سورج نکلنے کا وقت، تابش ہاشمی کا شو "ہنسنا منع ہے"، ڈنکی، سمندر، باغبانی فوٹو گرافی، بیڈمنٹن، چائے، لسی اور پائے۔

پاکیزہ ✧...... پاکیزہ سے دوستی کی داستان بھی ضرور بتائیں؟

شگفتہ شفیق ✧...... پاکیزہ سے دوستی کا سفر بہت پرانا اور خوبصورت ترین ہے۔ یہ ایک بہترین ماہنامہ ہے اس کے ساتھ عذرا رسول کی میزبانی میں جو شامیں منائی گئی ہیں سن سیٹ کلب اور پی سی ہوٹل وغیرہ میں...... ان کو بھلانا کوئی آسان ہے کیا...... وہاں انجم انصار و نزہت اصغر اور بے شمار چمکتے دمکتے ادبی ستارے اور ان کی مہکتی باتیں...... سب دل کو لبھاتی ہیں...... پاکیزہ کی تحاریر روح و من کو شانتی دیتی ہیں اور خواتین کو تہذیب کے دائرے میں رہنا سکھاتی ہیں تو یوں سمجھ لیں کہ ہم اور پاکیزہ مدتوں سے ساتھ ساتھ ہیں اور اللہ اس سنجوگ کو ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین!

پاکیزہ ✧...... نو آموز شاعرات کی رہنمائی کے لیے کیا کہیں گی؟

شگفتہ شفیق ✧...... خوب پڑھیں، بہت لکھیں، اپنے دل کی باتیں لکھیں اور اس لکھے کو بار بار پڑھیں۔ آپ اس طرح اپنی تحریر کی خوبیاں و خامیاں جان پائیں گی۔ بہت محنت کریں، اللہ آپ کی محنت کو ضائع نہیں کرے گا اور آپ کامیاب رہیں گی۔ نمبرون کی دوڑ میں ہرگز شریک نہ ہوں۔

پاکیزہ ✧...... پاکیزہ کی قلمکار اور قاری بہنوں کے لیے آپ کا پیغام؟

شگفتہ شفیق ✧......

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

محبت کریں کہ زندگی مختصر ہے، دل آزاری سے بچیں، خود بھی کھل کر جئیں اور دوسروں کو بھی اس کا موقع دیں، کبھی کسی کا دل نہ دکھائیں کہ ٹوٹے دل کبھی نہیں جڑتے، محبت سے زندگی گزاریں کہ میرا تو یہ ماننا ہے کہ بقول غلام محمد قاصر

کروں گا کیا جو محبت میں ہو گیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا

پاکیزہ ✧...... بہت شکریہ شگفتہ! آپ نے ہمارے لیے وقت نکالا۔ آپ کی ہمت واقعی قابلِ رشک اور لائقِ ستائش ہے۔ ادارہ پاکیزہ اور قارئین پاکیزہ کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اللہ کریم آپ پر ہمیشہ کرم کے بادل برساتا رہے، آمین!

❁❁❁

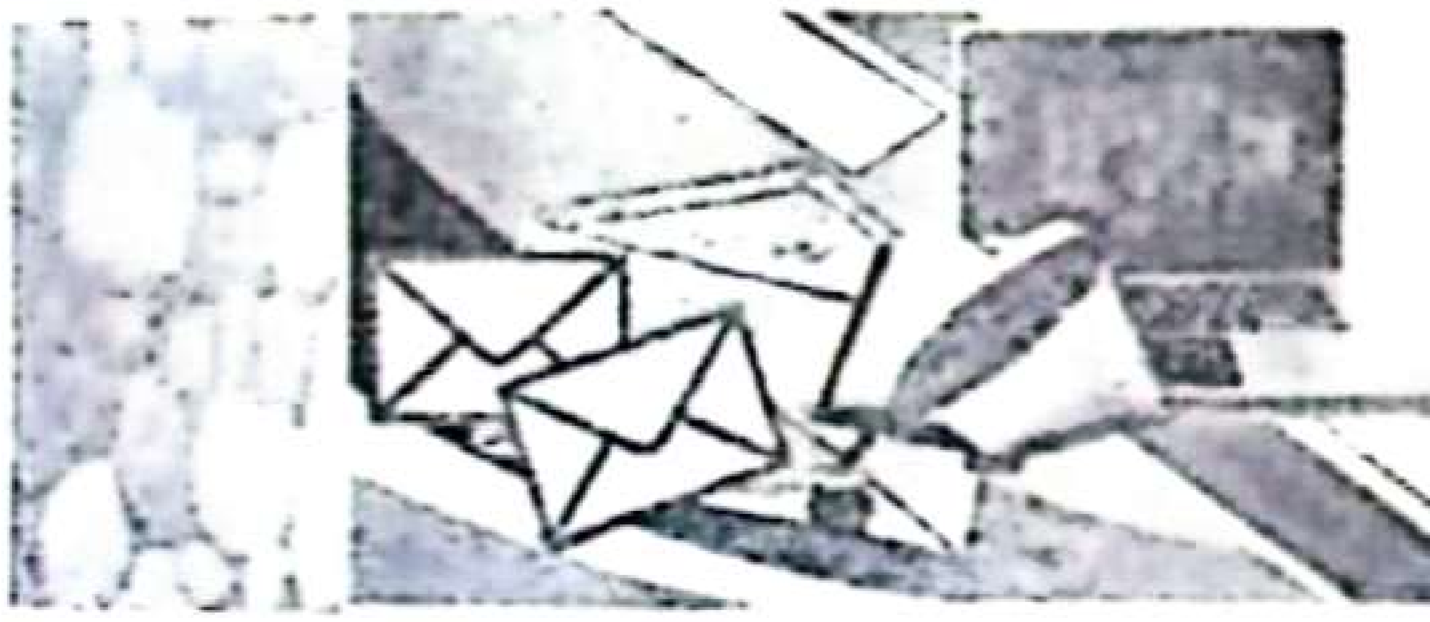

بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط وکتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

03316266612,021.35386783.021.35802552.Ext:110

پیاری اور محترم بہنو! السلام علیکم!

تمام تر حمد وثنا اس ذات والا صفات کے لیے جو اَحد ہے، خالقِ کائنات ہے۔ وہ ربُّ العزت جس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے ہر صنعت کو محکم بنایا۔ وہ بے مثال، لازوال، ہر ایک کی سننے والا، ہر شے کا دیکھنے والا اور ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

کائنات کی ہر مخلوق ثنائے پروردگار میں مصروف ہے۔ ہر شے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ پر دن رات درود وسلام بھیجتی ہے۔ خدایا رحمت نازل فرما حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کہ جن کو تو نے بہترین دین کے ساتھ بھیجا اور تمام عالم کے لیے نجات کا وسیلہ قرار دیا۔ بس تھامے رہو دامن رحمۃ اللعالمین کہ وہی دنیا و آخرت میں مددگار اور شفیع روزِ محشر ہیں۔

تمام اہلِ وطن کے لیے پُرخلوص دعائیں اور نیک تمنائیں لیے حاضر ہیں۔

☆☆☆

پُرخلوص قارئین کے لیے محفل کی رونقیں جاری ہیں ... اب تو موسم گرما کی تعطیلات کئی علاقوں میں اختتام کو پہنچ گئیں، کچھ تعلیمی ادارے چودہ اگست کے بعد کھل جائیں گے پھر وہی مصروفیتیں، رونقیں اور روز کی روٹین مگر اس میں جو یوم آزادی یعنی 14 اگست کا جوش وخروش ہے وہ قابلِ دید ہے، ابھی سے دکانیں، گلیاں، بازار، گھروں میں قومی پرچم لہرانے لگے..... کہیں خوب صورت جھنڈیاں سجی ہیں تو کہیں ملی ترانے بج رہے ہیں۔ یہ سب چیزیں مل کر ایک نیا جوش وجذبہ، ولولہ اور لگن اجاگر کرتی ہیں اور وطن سے اپنی محبت، الفت کا اظہار اس سے بڑھ کر کرنا چاہیے تاکہ آنے والی نسلوں تک یہ ورثہ پہنچتا رہے۔ یہ لگن، یہ تڑپ، یہ ملی جذبہ ہمیں پورے وقار اور ہوش مندی کے ساتھ آگے منتقل کرنا ہے۔ اپنے وطن کی، اپنی سرزمین کی آزادی کی اہمیت ہر آن، ہر گھڑی اجاگر کرتی ہے کہ جہاں ہم اوّل درجے کے شہری کی حیثیت سے شان سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگرچہ ہم اہلِ وطن ہی کسی نہ کسی انداز میں اپنے ملک کی بدنامی کا باعث بھی بن جاتے ہیں مگر چند مٹھی بھر لوگ اس سرزمین کو گندا نہیں کر سکتے جہاں کروڑوں عاشقانِ وطن ہوں وہاں ان کی کیا حیثیت، بس کوشش کریں کہ اپنے، اپنے دائرے میں رہ کر، اپنے علاقوں، محلوں، قصبوں، شہروں، گلیوں، کھیتوں، کھلیانوں، باغات کو سدا بہار رکھنے میں بھرپور کردار ادا کریں۔

وطن ہے تو ہم ہیں

آزادی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرنا، اس کی حفاظت کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔

ہمارا پاک وطن سدا شاد وآباد وخوشحال رہے...... آمین!

☆☆☆

پیاری بہنو ... حسبِ روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے

درود ابراہیمؑ اور اس کے بعد تین بار آیتِ کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہلِ وطن کو بھی یاد رکھیں۔

☆☆☆

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ ماہنامہ پاکیزہ کی مستقل قاری، تبصرہ نگار، مراسلہ نگار فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی کے ہاں پچھلے دنوں کافی رونق رہی جب ان کا پوتا شیر دل اور بہو ترمین ان سے ملنے آئے اور امریکا سے ان کی بہو صبیحہ اپنے بیٹا اور بیٹی کے ساتھ آئیں ماشاء اللہ (اللہ پاک اسی طرح سب کے گھروں کو شادو آباد رکھے، آمین۔)

☆ اس ماہ ہماری پیاری دوست، شاعرہ و پاکیزہ کی پرستار شگفتہ شفیق کی سالگرہ ہے۔ (بہت مبارک ہو)

☆ اس ماہ خصوصی سروے اور انٹرویوز کرنے والی ہونہار اور محنتی شائستہ زریں کی سالگرہ ہے۔ (مبارکاں)

☆ وادیِ کاغان سے تعلق رکھنے والی پاکیزہ کی مستقل قاری شگفتہ حیا ترمذی اپنی فیملی کے ساتھ خوب صورت کناری ڈیم اور وادیِ کوہستان کی سیاحت کو گئیں۔ جہاں انہوں نے بہت انجوائے کیا۔ وہ کہتی ہیں فیملی اور دوستوں کے ساتھ پکنک کا مزہ دوبالا ہوجاتا ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری، تبصرہ نگار و مراسلہ نگار روحی صبا، لانڈھی کراچی کے پیارے بیٹے محمد اسامہ کا نکاح ماہ نور سلمہا کے ساتھ بخیر و خوبی انجام پایا۔ (بہت مبارک باد)

☆ رائٹر اسما اشرف منہاس کا نیا ناول یونہی کتابی شکل میں شائع ہوگیا ہے۔ یہ ناول ادارۂ بتول ٹرسٹ کے زیرِ انتظام شائع ہوا ہے۔ کتاب کی قیمت -/2000 روپے ہے، اس خوب صورت کتاب کا حسین ٹائٹل نورین عامر نے ڈیزائن کیا ہے۔ کتاب کے حصول کے لیے اس نمبر پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ 0314-9322760

دعائے صحت

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری، تبصرہ نگار، شاعرہ اور پیاری بہنا فریدہ جاوید فری کو بہنیں ضرور دعاؤں میں یاد رکھیں۔

☆ ماہنامہ پاکیزہ کی مستقل قاری، تبصرہ نگار، قلم کار نرگس نسیم، چکوال کی مکمل صحت یابی کے لیے بہنیں ضرور دعا کریں۔

☆ روحی صبا، کراچی کے جملہ مسائل کے بخوبی حل کے لیے بہنیں ضرور دعا کریں۔

☆ رائٹر سلیعہ مرزا، ساہیوال کے شوہر صاحب کی مکمل صحتیابی کے لیے قاری بہنیں ضرور دعا کریں۔ اللہ پاک انہیں صحت و سلامتی عطا ہو آمین۔

انتقالِ پُرملال

☆ اس ماہ محترمہ عذرا رسول کے بڑے بھائی... نذر عباس کی برسی ہے۔

☆ نرگس نسیم، چکوال کے شوہر کی اس ماہ برسی ہے۔

☆ مصنفہ و شاعرہ ناہید فاطمہ حسنین (ناہید عزمی) کی جواں سال بیٹی حرکتِ قلب بند ہوجانے کے باعث انتقال کرگئیں۔ یہ صدمہ ناہید کے لیے یقیناً ناقابلِ برداشت ہے۔ اللہ مرحومہ کو جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل عطا ہو آمین۔

☆ ماہنامہ پاکیزہ کی ہردلعزیز شاعرہ اور پُرخلوص پرستار فریدہ جاوید فری، لاہور کی دیورانی انتقال

کر گئیں۔ فریدہ کافی صدمے میں ہیں۔ مرحومہ ایک نیک سیرت خاتون تھیں۔ بہنوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بہنوں اب آئیے......اپنے خطوط کی طرف......

نازنین آفریدی، پشاور سے۔ ''رسالہ مکمل پڑھ چکی ہوں اور اس ماہ کا تبصرہ لیے حاضر ہوں۔ تمام ہی سلسلے بلاشبہ ایک دوسرے کو مات دیتے ہوئے ہیں۔ شمع ہدایت کا موضوع توجہ اپنی جانب مبذول کروانے والا تھا۔ بچے کی زندگی میں ماں کے کردار کی بہت اہمیت ہوتی ہے کہ وہی آپ کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے اب چاہے وہ الٹا پڑھائے یا سیدھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ جہاں بچوں کے اندر منفی عادتیں پختہ ہوتی ہیں تو اس میں بھی ماں کا ہی کردار رہا ہے۔ سائرہ رضا صاحبہ کی کوئی بھی تحریر شاید پاکیزہ میں نہیں چھپی اور میں نے نہیں پڑھی۔ (سائرہ کی کئی کہانیاں پانچ، چھ سال پہلے پاکیزہ میں آئی تھیں آخری سلوشن کہانی تو بہت ہی چشم کشا تحریر تھی) مگر مضمون میں لکھا ہے۔ میرے ہم سفر ڈراما انہوں نے لکھا تھا جو کہ میں بہت شوق سے دیکھتی تھی۔ اللہ ان کو غریق رحمت کرے......آمین۔ اس ماہ کی کہانیوں پر پہلا تبصرہ میں حوصلہ شرط وفا ٹھہرا پر کرنا چاہوں گی۔ ڈرائیور کی بھرتی کے لیے بندوق خان نامی شخص پہنچ گیا۔ بقیہ کہانی جن بھول بھلیوں سے گزر رہی ہے فی الحال اس کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بندوق خان پر تبصرہ کرتے ہیں۔ یہ کیسا نام ہے بندوق خان...... بدرالدین نے بھی یہی سوال مسکراتے ہوئے پوچھا اور میں بھی ہنستے ہوئے ہی مصنفہ سے پوچھنا چاہتی ہوں۔ بندوق خان نے تو بدرالدین کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا ہے کہ ہماری طرف ایسے ہی نام رکھے جاتے ہیں۔ میرے چھوٹے بھائی کا نام پستول خان، والد ہیبت خان اور دادا سمندر خان۔ میرے خیال میں بندوق خان کا شجرۂ نسب رکنا نہیں چاہیے تھا۔ پردادا خوفناک خان ان کے باپ گولا بارود خان پھر ان کے بھی والد گرامی توپ خان، پھر طوفان خان، سونامی خان...... مصنفہ کے ذہن میں اگر مخصوص طبقے کو لے کر کوئی مثبت تاثر بھی تھا کہ جیسے پٹھانوں کی بہادری کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ تب بھی یہ نام منفی ہی تاثر دے رہا ہے۔ میں کٹر پٹھان ہوں میں نے آج تک اپنے علاقوں میں ایسے نام نہیں سنے...... بندوق کو پشتو میں ٹوپک اور پستول کو طمانچہ کہتے ہیں۔ میں نے آج تک کوئی ٹوپک خان اور طمانچہ خان نہیں سنا تو مصنفہ نے کہاں سے سن لیا یہ نام؟ نام تو اچھے ہی رکھنے چاہئیں ناں چاہے کسی کا بھی رکھو...... پچھلی قسط میں اس نام کو میں نے نظرانداز کر دیا تھا لیکن اب محسوس ہوا کہ بندوق خان سے ابھی جاسوسی کی بندوقیں چلوانی ہیں۔ اس لیے اس کا کردار بھی لمبا چلے گا اور ہمیں بار، بار یہ بندوق خان کے نام کی اذیت سہنی ہوگی۔ ہم بہت نرم و نازک لطیف جذبات سے بھرپور لوگ ہیں اور بقیہ بھی اچھی صفات ہم سے منسوب ہیں جیسے مہمان نوازی، غیرت، وفاداری وغیرہ...... اور یہ صرف میں بشریٰ مسرور صاحبہ سے نہیں مخاطب...... بقیہ لکھاری بہنیں بھی اس قسم کی برینڈنگ کرتی ہیں۔ وہ جو لطائف آپ لوگوں نے پڑھ رکھے ہیں ناں برائے مہربانی ان کو ذہنوں سے نکال دیں۔ حقیقت اس سب کے بہت برعکس ہے۔ یہ سب میں قطعاً غصے میں نہیں لکھ رہی۔ میں بیوقوفی کی حد تک نرم مزاج ہوں۔ وقت اب بہت بدل گیا ہے۔ ویسے بھی بلا تحقیق کچھ بھی نہیں کہنا چاہیے۔ بہرحال اس بات کو یہیں ختم کرتے ہیں، نزہت آنٹی برائے مہربانی اس کو من و عن چھاپیے گا ورنہ آپ کو بار، بار اسی قسم کے خطوط اور گلے شکوؤں سے واسطہ پڑتا رہے گا۔ باقی پٹھان ریڈرز جو اس خط کو پڑھیں یا میری طرح انہوں نے بھی نام کو محسوس کیا ہو تو ان سے بھی یہی کہنا چاہوں گی کہ اب اگلے خطوط میں سارے شروع مت ہو جانا۔ زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ مقصد دستک دینا تھا دروازہ توڑنا نہیں ایک گلہ تھا جو کرنا تھا وہ میں نے کر دیا۔

میں ہمیشہ سے ہی پاکیزہ پڑھتی آ رہی ہوں اور اپنی محفل سمجھ کر ہی یہ بات یہاں لکھی ہے۔ بعض دفعہ پڑھتے ہوئے کچھ کہانیاں اتنی بے معنی اور بے مقصد معلوم ہوتی ہیں کہ یقین جانیں آستین چڑھا کر تبصرہ کرنے کا دل

کرتا ہے لیکن پھر سوچتی ہوں کہ یہ ہمارا پیارا پاکیزہ ہے کوئی محلے کی عورتوں کی لڑائی نہیں۔ لکھنے والیوں کو بھی اپنی کہانیاں شاید اپنی اولاد کی طرح ہی پیاری لگتی ہوں جیسے کوجی سے کوجی اولاد بھی انسان کو چاند کا ٹکڑا ہی لگتی ہے۔ اس ماہ کی ونر کہانی دادی، دادی رہی۔ تجربہ کار جو بھی اپنی فیلڈ میں ہو اس کی مہارت خود ہی نظر آ جاتی ہے۔ ساحل میں اپنی بات پر قائم ہوں عالی بخت اور فرات ایک ہی کردار ہیں (اب تو معلوم ہو گیا ہوگا ناں) ناول اچھا جا رہا ہے۔ خسارہ کا موضوع بھی اچھا تھا۔ رخسار نے تو جیسے بیڑا ہی اٹھالیا ہے لڑکیوں کو راہِ راست پر لانے کا۔ پہلے بھی ایک کہانی ان کی مجھے بہت پسند آئی تھی۔ اِک رشتہ بھابی کا اور چار جنگ دونوں ہی اچھی تحریریں تھیں۔ خوشبو بلوچ کی کاوش بھی اچھی تھی۔“ (بہت پیاری نازنین آفریدی، تم نے پہلے بھی ایک طرف اشارہ کیا تھا اب نام کا سلسلہ یہ ہے کہ ہیبت خان اور سمندر خان نام تو ہوتے ہیں اس سلسلے میں مصنفہ بھی ضرور وضاحت دیں گی۔ تم نے کچھ زیادہ ہی دل پر لے لیا۔ سب صوبے سب علاقے سب قبائل سب پاک سرزمین ایک ہی ہے۔ ایک گلدستے کے یہ ہزار رنگ برنگے گل ہیں خوشبو اور شکل جدا مگر مقصد ایک چمن کو گل وگلزار کرنا، آنکھوں کو تراوٹ دینا اور چہار سو فضا میں خوشبو بکھیرنا۔ تم بالکل رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ یہ تو اپنی، اپنی سوچ کی بات ہے اسے روشن، وسیع تر اور ہر قسم کے تعصب یا جانبداری سے پاک ہونا چاہیے اور یہ خوب صورت پیغام سب اہلِ وطن کے لیے ہے۔ یہ محفل آپ کے دل کی باتوں کی محفل ہے۔ جیو اور جینے دو کا اصول چلتا ہے۔ یہاں کسی کا مقصد دل آزاری کردار کشی یا بدگمانی پیدا کرنا نہیں ہوتا۔ آپ سب چاہنے والے سلامت رہیں)

پھر بشریٰ مسرور کچھ اس طرح اپنے لکھے کی وضاحت دے رہی ہیں۔ ”جیسے ہی نازنین آفریدی، پشاور کا تبصرہ ایڈیٹر ماہنامہ پاکیزہ نزہت اصغر صاحبہ کو موصول ہوا تو انہوں نے فوراً مجھ سے رابطہ کیا کہ بشریٰ آپ ان کے اعتراض کا کوئی جواب دینا چاہیں گی؟ تو پیاری نازنین آفریدی بہن کی تسلی کے لیے جواب حاضرِ خدمت ہے۔ اصل میں بندوق خان نامی شخص کے کردار کا نام ”بندوق خان“ کسی خاص صوبے یا طبقے سے خدانخواستہ کینہ پروری کی وجہ سے بطورِ خاص ہرگز نہیں رکھا گیا، نہ یہ نام پشتو زبان کے کسی لفظ کے لغوی معنی دیکھ کر جان بوجھ کر منتخب کیا گیا تھا بلکہ یہ نام یونہی لکھنے کے دوران اچانک میرے ذہن میں آ گیا تھا اور کیونکہ...... اس کردار کی میرے تصور میں تشکیل پانے والی شخصیت کی مناسبت سے مجھے یہ موزوں لگا تو خود بخود بے اختیار قلم سے پھسل گیا۔ اس نام کا مقصد کسی علاقے سے نسبت دینا ہرگز نہیں تھا۔ جہاں تک بات ہے بندوق کی تو سبھی جانتے ہیں کہ یہ ہمیشہ نڈر اور بہادروں کا ہتھیار ہوا کرتی ہے، آدمی کا خود پر بھروسا بڑھاتی ہے اور محافظت کا فریضہ سرانجام دیتی ہے اور یوں بھی میرا تعلق تو ایک فوجی گھرانے سے ہے جہاں میں نے یہی دیکھا ہے کہ ایک سپاہی اپنے ہتھیار (بندوق) کی حفاظت اپنی جان سے بھی زیادہ کرتا ہے اور ہمارے گھرانے میں اسے غیرت وحمیت اور محافظت کی علامت سمجھا جاتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس کے نام کو لے کر کسی خاص صوبے، علاقے یا طبقے کو نشانے پر لے کر اس کی دل آزاری کروں......! ویسے بھی ایک لکھاری تو عام آدمی کی نسبت کچھ زیادہ ہی نازک مزاج اور حساس ہوا کرتا ہے، وہ اپنی تحریروں کے ذریعے صوبائی تعصب یا مذہبی منافرت کبھی نہیں پھیلاتا، کم از کم ایک اچھا اور سمجھدار لکھاری ہر قسم کے تعصب سے پاک ہو کر قلم اٹھاتا ہے لہٰذا ہماری پیاری تبصرہ نگار بہن اپنا دل ہماری جانب سے صاف کر لیں، جیسا آپ کو لگا یا آپ نے سوچا ایسا ہرگز بھی نہیں ہے...... اور ہاں، یہ آپ نے کیسے سوچ لیا کہ بندوق خان جاسوسی کی بندوقیں چلائیں گے؟ ایسا کچھ نہیں ہونے والا، خاطر جمع رکھیں اور آخری قسط کا انتظار کریں تجسس کی تمام گرہیں خود بخود کھل جائیں گی۔ رہی بات بھول بھلیوں کی تو یاد رہے کہ حقیقی زندگی کی وہی کہانیاں قرطاس پر منتقل ہوتی ہیں جو اپنے اندر انفرادیت رکھتی ہیں اور ناقابلِ یقین بھول بھلیوں سے گزر کر اپنا راستہ تلاش

کرلیتی ہیں یا پھر ہمیشہ کے لیے کھو جاتی ہیں ورنہ تو ''ایک تھا راجا ایک تھی رانی، دونوں مر گئے ختم کہانی'' جیسی اسٹوری تو کبھی کسی دلچسپ اور سبق آموز ناول میں نہیں ڈھلتی۔ آخر میں اپنے تمام قارئین کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنہوں نے حوصلہ شرط وفا ٹھہرا کو پڑھا اور تبصرے ارسال کیے۔ آپ کے تبصرے جہاں ہمارے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوتے ہیں وہیں ہمارا حوصلہ بھی بڑھاتے ہیں۔ نازنین آفریدی صاحبہ کی بھی تہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے انتہائی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ حوصلہ شرط وفا ٹھہرا کا مطالعہ کیا اور تبصرہ لکھا۔ مناسب الفاظ و بیان میں تنقید و تعریف لکھاری کو بھی راہنمائی دیتی ہے۔'' (امید ہے نازنین اب تمہاری تسلی ہوگئی ہوگی، ہم صرف سب اچھا ہے، سب اچھا ہے شائع نہیں کرتے بلکہ قارئین کی ملی جلی آرا کو برابر اہمیت دیتے ہیں۔ بہت اچھا لگتا ہے جب بہنیں نہایت عرق ریزی سے پڑھ کر تبصرہ لکھتی ہیں، شکریہ سب کا)

☆ پروین افضل شاہین، بہاول پور سے۔ ''اس بار پاکیزہ جولائی کا شمارہ وقت پر ہی مل گیا اور آٹھ جولائی کو تبصرہ تحریر کیا ہے۔ سرورق پر صاحبہ معصوم سی لگ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اسلامی سال کا آغاز اور اختتام ایثار و قربانی کے اسباق دُہراتا نظر آتا ہے اور یہی درسِ انسانیت بھی ہے، عام زندگی میں ہم اسلامی قواعد ضوابط اور تعلیمات کو عملی طور پر شامل کرلیں تو تمام طبقات یکساں مالی اور معاشی طور پر آگے بڑھیں۔ مسلمانوں پر ہر طرف سے تنگی و تنگی کے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ ایک طرف فلسطینی عوام عرصے سے شہید ہو رہی ہے۔ اب جنگ کا رخ کسی اور طرف ہو چلا ہے۔ اگر تمام مسلمان متحد ہوتے ایک اللہ، ایک رسول، ایک قرآن پاک پر تو کسی کافر کی مجال تھی کہ اپنی ناپاک میلی آنکھ ڈالتا۔ اب بھی وقت ہے اپنی آنے والی نسلوں کو اس بے دینی، اس.... بے ایمانی سے بچالیں۔ دل خون کے آنسو روتا ہے اور ہاتھ دعاؤں کے لیے اٹھتے ہیں۔ اللہ پاک ہمارے دل و دماغ، ایمان کی اصل طاقت سے منور ہوجائیں، ہم اسلام کے سچے اور پکے پیروکار ہوجائیں، دنیا کو حقیر جانیں، آخرت کے تحفے سمیٹنے میں کوشاں رہیں۔ (بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں) القرآن اور شمع ہدایت پڑھ کر روح کو سرشار کیا۔ بہت ہی پیاری شخصیت جسے مرحومہ لکھتے ہوئے بھی دکھ ہو رہا ہے، جی ہاں میں بات کر رہی ہوں سائرہ رضا کی جن کے بارے میں بہنوں نے خیالات کا اظہار فرمایا۔ شائستہ زریں کے سروے بھی کمال کے ہوتے ہیں۔ اس بار گھر آنگن کے تارے میں شگفتہ فرحت اور شائستہ فرحت کہہ رہی تھیں کہ بہنا ہے میرا گہنا۔ گزشتہ چھ سات ماہ سے میری کوئی تحریر پاکیزہ کی زینت نہیں بن رہی جبکہ میں باقاعدگی سے خطوط تحریر کر رہی ہوں۔'' (ارے ہم تو خود پریشان تھے کہ آپ کے خطوط نہیں آرہے، یہ خط ملا تو شائع کر دیا)

☆ فریدہ ہاشمی، کراچی سے۔ ''جون کا رسالہ تو اٹھارہ تاریخ کو ملا تھا مگر جولائی کا رسالہ وقت پر مل گیا۔ (چلیں اچھا ہوا) ہمیشہ کی طرح بہترین چیزیں ہیں۔ ہماری بہنوں کی بہترین نگارشات جن سے دل بہت خوش ہوا۔ نگہت سیما کا ناول کافی دلچسپ ہے۔ بشریٰ مسرور کے ناول میں بالکل نیا موڑ آیا ہے۔ دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔ اختر بہن کے دونوں مقالے ایک ساتھ پڑھے۔ بہترین انداز اور بہترین نصیحتیں ہیں۔ خدا ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ان کی تحریر پڑھ کر دل سے دعا نکلتی ہے۔ کتنے اچھے انداز میں ہم لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ خوش رہیں اختر بہن...... خدا آپ کو بہترین اجر عطا فرمائے (آمین) دُردانہ نوشین کا کیا کہنا...... ہمیشہ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ خوب صورت الفاظ اور بہترین پیغام کے ساتھ اس بار بھی بہت اچھی کہانی تھی...... مسکان نور نے بالکل سچ کہا کہ میاں، بیوی کے درمیان بھروسا اور اعتبار ہی اصل چیز ہے۔ اسی سے آپس کے تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ شمع تفسیر کی کہانی پڑھ کر دل کو بڑا دکھ ہوا۔ بہت سے گھرانوں میں بوڑھے والدین خاص کر ماں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتا ہے۔ میں اپنے خدا کی بے حد شکر گزار ہوں کہ جتنے اچھے میرے بیٹے ہیں اتنی ہی اچھی میری بہویں ہیں اور پوتا، پوتی بھی بے حد محبت کرنے والے ہیں۔ (ماشاء اللہ بہت اچھی بات ہے یہ سب آپ کی ہی تربیت ہے) خسارہ سبق آموز تھی۔ غزالہ عزیز کے ناول کا انجام اچھا تھا۔ انداز بالکل مدیحہ شاہد کی طرح ہے۔ ناہید سلطانہ اختر نے ہمیشہ کی طرح بہت اچھا لکھا۔

خوب صورت اور سبق آموز کہانی تھی۔ گھر کے بڑوں خاص کر دادی، نانی کا کردار ایسا ہی ہونا چاہیے۔ ناہید کی کہانیوں میں مثبت اندازِ فکر مجھے بہت پسند ہے۔ خوش رہیے بہن ...... عظمیٰ زہری کی کہانی بھی سبق آموز ہے کہ نند بھاوج میں اختلاف ہو جاتا ہے مگر پھر صلح بھی ہو جاتی ہے۔ بہت خوب عظمیٰ بہن ...... ساحل اس بار بہت دلچسپ تھا۔ کہانیوں میں خودکشی ہمیشہ بہت بری لگتی ہے۔ کہانی لکھنے والی کوئی اور حل نکال سکتی ہیں۔ لارین کی افسوس ناک موت بالکل اچھی نہیں لگی۔ اپنے گھر کی چاہ بھی پسند آئی۔ مریم شہزاد نے مختصر مگر بہت اچھی کہانی لکھی۔ پڑھیے اور سوچیے اور خود کو بدلنے کی کوشش کیجیے۔ خوشبو نور محمد نے بہت ہی اچھی باتیں بتائی ہیں جو آج کل کے معاشرے میں بالکل مفقود ہیں۔ ایپل کمپنی کے چیئرمین کے بارے میں ساجدہ ظفر نے بہت سی معلوماتی باتیں بتائیں۔ سچ ہے مادی چیزوں سے ہمیں صرف وقتی خوشی ملتی ہے۔ جبکہ اصلی خوشی وہی ہے جو دوسروں کو خوشی دے کر حاصل ہوتی ہے (بالکل درست)۔ فریدہ افتخار نے مزیدار چھوٹو کی کہانی لکھی۔ حسن نقوی اور طاہرہ فاروقی کی شاعری خوب صورت ہے۔ عرشیہ جنید اور سنبل ملک کے اقتباسات حقیقت پر مبنی ہیں۔ پاکیزہ ڈائری میں بہنوں کی نگارشات بہترین ہیں۔ میرا نام بھی نظر آیا۔ شکریہ محبتوں کا۔ ایک اور ستارہ ٹوٹا اور خاک میں مل گیا۔ آہ سائرہ رضا...... خدا مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔ سب بہنوں کے لیے دعائیں۔ ایمان، صحت، خوش حالی اور دل کے سکون کے لیے دعائیں پچھلے ماہ ہما بیگ کی باتیں بہت اچھی لگیں۔ ناولٹ آخری سہ پہر بہترین تھا۔ خوش رہیں بہن ثمرہ نور الصمد...... سلام اور بہت سی دعائیں۔ میں کسی بہن سے نرگس کے پھول کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی ہوں کہ نرگس کا پھول کس طرح کا ہوتا ہے۔ یہاں ہم لوگ ایک سفید چھوٹے پھول کو نرگس کہتے ہیں۔ لمبی ڈالی پر ہارن کی شکل کا ہوتا ہے۔ بہت اچھی خوشبو ہوتی ہے۔ کسی نے بتایا کہ ڈیفوڈل کو نرگس کہتے ہیں یہ پانچ پتی کا چنبیلی کی شکل کا پھول ہے۔ سفید جس کے اندر اسی طرح کا چھوٹا گلابی پھول ہوتا ہے۔ مگر کسی پھول میں آنکھ کی مشابہت نہیں ہے پھر اردو ادب اور شاعری میں اسے آنکھ سے کیوں تشبیہ دی جاتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے نرگسی آنکھیں یا اقبال کا مشہور شعر ہے......

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے ...... بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ضرور کوئی بہن اس بارے میں لکھے۔ مشکور ہوں گی۔'' (جی بہنوں ذرا بتائیں آپ سب اپنی، اپنی ریسرچ.... جزاک اللہ .... بہت عمدہ تبصرے کا شکریہ، رائٹرز کی بھی تسلی ہو جاتی ہے۔ بہنوں کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے بس اسی طرح لکھتی رہیں، اللہ آپ کو صحت و سلامتی سے رکھے۔ بچوں کا دورہ آنا اور خوشگوار وقت گزارنا واقعی نعمت ہے۔)

سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ ''بہت معذرت باوجود کوشش کے اس دفعہ تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں وقت کی کمی، عمر کا تقاضا اور بے تحاشا کام ...... یہ بھی صرف اس لیے لکھ رہی ہوں کہ میں گھر شفٹ کر رہی ہوں بہنوں سے دعاؤں کی درخواست ہے کہ اس نئے گھر میں اللہ اپنی برکتوں، رحمتوں اور نوازشوں کی بارش رکھے اور میرے بچے خوش رہیں جن کی خوشی کے لیے میں یہ سب کر رہی ہوں رسالہ پورا پڑھ لیا اور ان شاء اللہ اگلے ماہ پرانے اور نئے دونوں شماروں کے افسانوں پر تبصرہ کروں گی کیونکہ پڑھنا اور لکھنا میرا شوق ہی نہیں روح کی غذا ہے جو مجھے غم و فکر سے آزاد رکھتی ہے اور میں قلم کی دنیا میں خوش اور مطمئن رہتی ہوں۔'' (چلیں آپ اگلے ماہ تفصیلی تبصرہ بھیج دیجیے گا اللہ پاک آپ کے لیے آسانیاں فرمائے۔ ان شاء اللہ سب بہتر ہوگا)

نرگس نسیم، صابہ موہڑہ، چکوال سے۔ ''ماہ جولائی کا پاکیزہ اس بار لیٹ ملا...... دوسرے طبیعت بھی خراب تھی اس لیے ابھی آدھا ہی رسالہ پڑھا۔ سب سے پہلے بہنوں کی محفل میں صرف سرگرمیوں پر نظر دوڑائی۔ فرحی نعیم کے شوہر کا سن کر افسوس ہوا، اللہ فرحی کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ پاکیزہ ڈائری میں ساجدہ ظفر کی تحریر پسند آئی۔ ساحل میں سیرا کی موت اور لارین کی خودکشی کے بارے میں پڑھ کر دکھ ہوا...... اس کے ساتھ ہی ناول دلچسپ موڑ پر داخل ہو چکا ہے اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ زندگی گلزار ہے کا اختتام پسند آیا۔ خسارہ پرانا

ٹاپک لیکن سبق آموز تحریر...... دادی، دادی...... ویلڈن، ناہید سلطانہ...... شمع ہدایت بہت ہی اچھے موضوع پر اس ماہ کی تحریر تھی۔ آپی مجھے شاید تبصرہ اچھا لکھنا نہیں آتا...... مجھے مزاح کے انداز میں لکھنا پسند ہے۔ جو شاید پاکیزہ قارئین کو پسند نہیں...... (جیسے بھی لکھو سب پسند آتا ہے) رونا مجھے پسند نہیں، مجھے لگتا ہے جس دن میرے آنسو باہر نکلے میں ڈھے جاؤں گی...... دکھوں کے پہاڑ کھڑے ہیں میرے اندر...... اپنے اندر کی مایوسیوں، آنسوؤں سے نظریں چرا کر ہنسنے اور ہنسانے کی کوشش کرتی ہوں کہ رونے والوں کے ساتھ اس دور میں کوئی نہیں روتا البتہ ہنسنے والوں کے ساتھ راہ چلتے بھی مڑ کر شامل ہو جاتے ہیں۔ (یہ تو تلخ حقیقت ہے۔ ویسے بھی انسان کو اپنے دکھ درد صرف اپنے رب سے کہنے چاہئیں۔ وہی سب کا ہمدرد و ہم راز ہے۔) پہلی اگست کو میرے مرحوم شوہر کی ساتویں برسی ہے۔'' (نرگس تم دل نہ چھوٹا کیا کرو، اللہ پاک سب کا مددگار ہے۔ تم پاکیزہ محفل میں جس انداز میں بھی شرکت کرو سب خوش آمدید کہیں گے۔ مختصر تبصرے کا شکریہ)

☙ تسنیم کوثر، کراچی سے۔ ''پیارا پاکیزہ اس بار فرسٹ جولائی کو موصول ہوا اور ماشاء اللہ، اللہ نظر بد سے بچائے اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ دل خوش کر گیا۔ اب ہم بہترین ناولز پر بات کریں تو غزالہ عزیز کا دلکش شاندار ناولٹ زندگی گلزار ہے سب سے نمبر ون رہا، ان کی اسٹوری نے پیارا سا موڑ لے کر خوب صورت بنا دیا اینڈ بھی عمدہ تھا۔ غزالہ آپ کو مبارک ہو۔ اور اس کے علاوہ بشریٰ سرور کا حوصلہ شرط و فاطمہ ابھی زبردست جا رہا ہے بلکہ تھوڑا، تھوڑا پُراسرار ہوتا جا رہا ہے مگر بے حد اچھا لگ رہا ہے۔ اسی طرح ناہید سلطانہ اختر بھی کسی سے کم نہیں رہیں۔ دادی، دادی کیا خوب لکھا ہے، ہمیں تو دل سے پسند آیا۔ ساحل کے لیے بس اتنا کہنا ہے کہ اس میں دلچسپی تھوڑی بہت ہی ہے۔ اور افسانوں میں تو سارے ہی بہترین لگے خاص کر سوالیہ نشان لکھ کر تو دردانہ نوشین چھا گئیں۔ مکان نور نے کردار با کمال لکھا بہت پسند آیا۔ اور شمع تفسیر کے چار جنگ نے دل دُکھا دیا۔ اور نقب زن کی بات کریں تو یہ کہانی بالکل حقیقت سے قریب لگی بالکل ایسا ہی...... ہمارے جاننے والوں کے ہاں ہوا کہ گھر کی ملازمہ ہی نکاح کر کے گھر کی مالکن بن بیٹھی اور جبکہ ان صاحب کی بیوی اور دو عدد بچے پہلے ہی موجود تھے اور رخسار احمد کا خسارہ بھی زبردست لگا۔ بس اللہ تعالیٰ ان بیوقوف لڑکیوں کو ہدایت دے۔ اس کے علاوہ اپنے گھر کی چاہ کو عفت اعزاز نے بہترین ولاجواب لکھا ہے، کیا زمانہ آ گیا ہے کہ ماں کے لیے جگہ نہیں ہے بتایئے ایسی اولاد کا اللہ کے ہاں کیا انجام ہوگا۔ ہم سب کو ہدایت کی ضرورت ہے۔ (بالکل درست بات ہے، مصنفات اسی لیے ایسی سبق آموز تحریریں دیتی ہیں کہ لوگ سبق لیں۔) بہترین لکھاری سائرہ رضا کے لیے دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے تمام اہل وعیال کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔'' (تبصرے کا شکریہ، دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

☙ جمال مہدی، کراچی سے۔ ''جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے زیرِ اہتمام جتنے رسالے نکلتے ہیں جاسوسی، سسپنس، پاکیزہ اور سرگزشت میرے اور گھر والوں کے زیرِ مطالعہ رہتے ہیں اس میں شامل مختلف النوع مضامین جہاں تفریحی ادب فراہم کرتے ہیں وہیں دلچسپ اور معلوماتی بھی ہوتے ہیں۔ سسپنس میں شامل کہانیاں بہترین ہوتی ہیں جس میں وکیل مرزا امجد بیگ اور صفدر حیات کی زندگی کے تجربات اور مشاہدات شامل ہوتے ہیں۔ ان کہانیوں کا نام مجرم کی تلاش ہونا چاہیے۔ پاکیزہ رسالہ بھی ہر اعتبار سے بہت عمدہ اصلاحی کہانیوں سے سجا ہوا ہے۔ بس آپ لوگ اسلامی تاریخ کے حوالے سے اور واقعات کے حوالے سے مضامین بھی ضرور شائع کیا کریں۔ اس دفعہ محرم کی مناسبت سے پاکیزہ میں شہادت حسینؓ پر کوئی مضمون ہونا چاہیے تھا صرف اداریے میں ذکر کافی نہیں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ معراج رسول صاحب کی مغفرت فرمائے اور ان کے ادارے کو قائم و دائم رکھے آمین۔'' (بہت شکریہ جمال مہدی آپ کا...... بے شک قارئین کی آرا سے ہی رسالوں کو بہتر سے بہتر بناتے ہیں۔ اس سے رائٹرز کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ تمام

رسالوں پر آپ نے ایک ساتھ ہی تبصرہ فرما دیا)

✍ روحی صبا، لانڈھی، کراچی سے۔ ”سب سے پہلے ذکر حوصلہ شرط وفا ٹھہرا کا کیا زبردست کہانی ہے بس مرحا کی موت کا بہت دکھ ہوا مگر یہی تو زندگی ہے بس اب انتظار ہے کہ ماموں، ممانی کو کب سرپرائز دیتے ہیں۔ باقی جادو والی باتیں بہت افسوسناک ہیں مگر یہ سب ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے خود میرے جاننے والوں میں کچھ لوگ ہیں جو بدنصیبی سے یہی کام کرتے ہیں اور کتنے ہی گھر انہوں نے اجاڑ دیے اور خود مزے کر رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ نے رسی دراز کی ہوئی ہے مگر آخرت میں تو تباہی ہے۔ بہرحال مصنفہ کو بہت، بہت شاباش...... کہانیوں میں مجھے چار جنگ بہت پسند آئی، واہ شمع تفسیر نے جب بھی لکھا خوب لکھا۔ کاش اے کاش...... کہ بچوں کو زندگی میں والدین خاص کر ماں کی قدر آئے ایسی ہی اک تحریر عفت گل اعزاز کی ہے۔ اف نزہت اس ماہ تو پاکیزہ کی لکھاریوں نے خوب جگانے کی کوشش کی ہے سوئے ہوئے ضمیروں کو (ہماری تو یہی کوشش ہوتی ہے تفریح کے ساتھ اصلاحی پیغام بھی ہو) عفت کے یہ الفاظ ”یہ گھر ان کے حوالے کر دوں مگر خود کہاں جاؤں؟ کیا کسی فٹ پاتھ پر دری بچھا دوں؟“ کتنے ہی گھروں میں ایسی مائیں رہتی ہیں جنہوں نے اپنے بچوں کو بڑی مشکلوں سے پال پوس کر بڑا کیا اور آج اپنے پیروں پر کھڑے ہیں تو اپنی چلتی پھرتی ماں ان پر بوجھ ہے اللہ ہدایت دے (الٰہی آمین) خسارہ بھی سبق آموز کہانی ہے بس کوئی کچھ سیکھے تو اس موبائل نے کتنے ہی گھر اجاڑ دیے بلکہ موبائل کے غلط استعمال نے اور دین سے دوری ... لوگوں نے گناہ کو گناہ سمجھنا ہی چھوڑ دیا ہے دعا ہے اللہ ہم سب کو ہدایت دے بس آخر میں ایک چھوٹا سا پیغام کہ میری بہنوں اور بچیوں جن کے بچے چھوٹے ہیں وہ ان کی تعلیم کے ساتھ تربیت پر بہت توجہ دیں اور دینی تعلیم لازمی دلائیں اور جن کے بچے بڑے ہو گئے وہ پوتوں، نواسوں کو پیار ضرور دیں مگر اپنا فوکس آخرت پر رکھیں کیونکہ مجھے اور آپ کو اب وہاں کے لیے بھی تو کچھ کرنا ہے جہاں ہم نے ہمیشہ رہنا ہے۔“ (روحی بہت دن بعد آپ نے تبصرہ کیا۔ اللہ آپ کو صحت سلامتی سے رکھے بالکل درست کہہ رہی ہیں)

✍ آمنہ بشیر احمد، لاہور سے۔ ”اس دفعہ اداریہ مجھے کچھ کہنا ہے سے لے کر تمام افسانے بامقصد اور اصلاحی تھے، سینئر رائٹرز عفت گل اعزاز اور ناہید سلطانہ اختر نے تو کمال ہی کر دیا۔ خسارہ، نقب زن، کردار، چار جنگ سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ رائٹرز اتنی خوب صورت کہانیاں کیسے لکھ لیتی ہیں۔ شیریں حیدر نے پچھلے برس بارہ ماہ بارہ کہانیاں بہت لاجواب لکھیں اور اس میں ایک شیزوفرینیا مرض کا ذکر تھا جو بالکل ٹھیک تھا، ایسا ہی ہوتا ہے ایسے مرض میں۔ ہم بہت شوق سے سرگزشت اور پاکیزہ پڑھتے ہیں، بہت معلوماتی اور بامقصد تحریریں شامل ہوتی ہیں، اس کے ذریعے اردو کے بہت اچھے الفاظ پڑھنے کو ملتے ہیں، آپ سب اہلِ پاکیزہ بلکہ تمام ادارے کے لیے بہت دعائیں، اللہ آپ کے قلم میں برکت دے، آمین۔“ (جی بہت شکریہ، دعاؤں کے لیے جزاک اللہ، آمنہ کے والد بشیر صاحب سے بھی بات ہوئی جو اسکول ٹیچر بھی ہیں، بہت شفقت سے بات کر رہے تھے، رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ سب معزز قارئین کی دعائیں شاملِ حال رہیں، ان شاء اللہ)

عزیز قارئین...... اب محفل کو اگلے ماہ تک روکتے ہیں، جب تک آپ سب پورا رسالہ پڑھ لیں اور نیا تبصرہ لکھنے کا پروگرام بنائیں، سب بہنوں کے لیے دعائیں اور نیک تمنائیں۔

اللہ پاک آسانیاں فراہم کرے، ہم سب کو ایک دوسرے کا غم گسار اور ہمدرد بنائے رکھے۔ اللہ کی امان میں۔

والسلام

خیر اندیش، نزہت اصغر

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500
فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783, 021-35802552 EXT 110

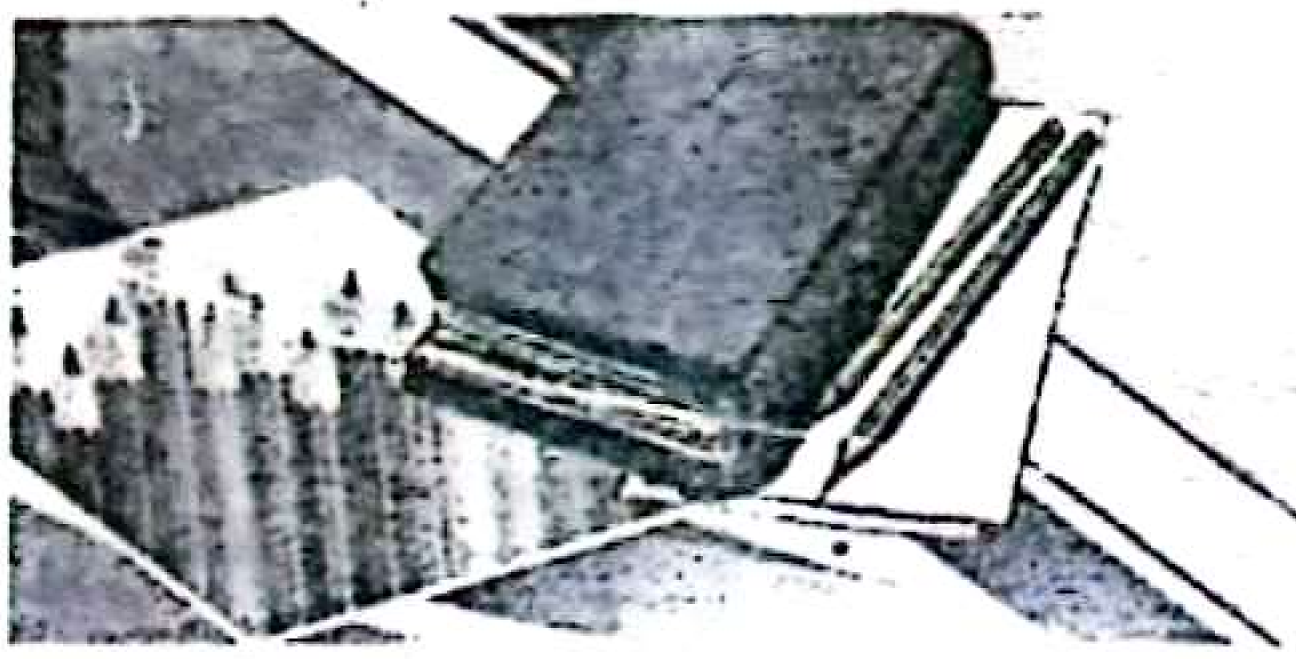

پاکیزہ ڈائری

آمنہ حماد

حمد باری تعالیٰ

اس سے پہلے کہ یہ دنیا مجھے رسوا کردے
تو مرے جسم، مری روح کو اچھا کردے
کس قدر ٹوٹ رہی ہے مری وحدت مجھ میں
اے مرے وحدتوں والے مجھے یکجا کردے
یہ جو حالت ہے مری میں نے بنائی ہے مگر
جیسا تو چاہتا ہے اب مجھے ویسا کردے
میرے ہر فیصلے میں تیری رضا شامل ہو
جو ترا حکم ہو وہ میرا ارادہ کردے
میرے لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال
میرے بچوں کو مہ و مہر و ستارہ کردے
ضائع ہونے سے بچالے مرے معبود مجھے
یہ نہ ہو وقت مجھے کھیل تماشا کردے
میری آواز تری حمد سے لبریز رہے
بزمِ کونین میں جاری مرا نغمہ کردے

کلام: سلیم کوثر

پسند: ماہ نور خان، بہارہ کہو

نعت رسول مقبول ﷺ

کب اپنی طلب سے مجھے کم چاہیے مولیٰ
تو علم کا ہے شہر قلم چاہیے مولیٰ
بوسوں کو عقیدت کے ملے آپ کی دہلیز
سجدوں کے لیے صحنِ حرم چاہیے مولیٰ
عصیاں کی ندامت سے ہوں میں سر بہ گریباں
رخسار کو اب دیدۂ نم چاہیے مولیٰ
نام آپ کا کافی ہے مرے کینۂ دل میں
کب اور مجھے دام و درہم چاہیے مولیٰ
ہم پیروِ سلمانؓ و اویس قرنیؒ ہیں
ہم سے بھی کوئی قول وقسم چاہیے مولیٰ
خواہش نہیں نصرت کو کسی جاہ و حشم کی
بس آپ کا الطاف و کرم چاہیے مولیٰ

کلام: نصرت زیدی

انتخاب: مہ جبیں، لاہور

درود شریف کے فضائل

حضرت ابی طلحہؓ سے روایت ہے کہ ”میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ شریف میں حاضر ہوا، دیکھا کہ خوشی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر نمایاں ہیں۔ میں نے عرض کی کہ اللہ کے سچے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان جاؤں آج اس قدر خوشی کا باعث کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔“ اے ابی طلحہ کیا خوشی کی بات نہیں کہ جبرائیل نے مجھ سے آکر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک بار درود پڑھے گا، اللہ رب العزت اس کے دس گناہ معاف کردے گا اور اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھے گا اور دس درجات بلند کرے گا۔“

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”جس شخص نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اور اس کی دس خطائیں معاف کردیتا ہے اور اس کے دس درجے بلند کرتا ہے۔“

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔” قیامت میں سب سے زیادہ قریب مجھ سے وہ شخص ہوگا جو دنیا

میں بکثرت درود پڑھتا ہوگا۔"
مرسلہ: ذکیہ شاہین، ہری پور، ہزارہ ڈویژن

منافق

زنّار گلے میں ہے تسبیح کبھی ہاتھوں میں
دھوکا ہی جو دینا ہے پردہ تو سلیقے سے
ہمدرد تھے تم جن کے مارے گئے راہوں میں
الفت جو نبھائی ہے ظاہر ہے نتیجے سے
تاراج ہوئی بستی، غدار ہے جس میں
پڑھ لو یہ ورق تم بھی تاریخ دفینے سے
پایاب نہیں دریا، خطرات ہیں لہروں میں
ملاح ڈبوتا ہے، الحذر سفینے سے
ایجاد نئی کیا ہے سب قتل کے ساماں ہیں
کہتے ہیں ستمگر یہ، مارو یہ طریقے سے!

کلام: بلقیس ظفر
پسند: نائمہ خالد، لاہور

سنہری باتیں

☆ دریا اور زندگی دونوں پر مضبوط بند باندھنا پڑتا ہے تاکہ ضائع ہونے سے بچ جائیں۔ دریا کو مٹی کا بند درکار ہے اور پیکرِ خاکی کو ضبط کا مضبوط بند۔

☆ زندگی اس جزیرے کی طرح ہوتی ہے، جہاں پر خوابوں اور عذابوں کے بہت سے درخت ہوتے ہیں۔ دھوپ لگے تو سایہ نہیں دیتے اور بھوک لگے تو پھل دور ہوتا ہے۔

☆ کمزور لمحے ہر انسان پر آتے ہیں اگر ہم ان کمزور لمحوں کی گرفت سے نکل جائیں تو انسانیت کی معراج کو چھو لیں۔

انتخاب: عنبر وسیم، گوجرانوالہ

سنہری کرنیں

☆ گہوارے سے گور تک علم حاصل کرو۔

☆ علم حاصل کرو چاہے چین (یعنی دور دراز) جانا پڑے۔

☆ مومن کی عظمت شب بیداری میں ہے اور اس کی عزت دوسروں سے بے نیازی میں ہے۔

☆ علما، علم کے پیاسے ہوتے ہیں۔

☆ محبت، بہرہ اور اندھا کر دیتی ہے۔

☆ پرہیزگاری، روح اور جسم کو آرام بخشتی ہے۔

☆ جو کوئی چالیس دن خالص خدا کی خاطر زندگی گزارے تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔

☆ خدا کی نظر میں اپنے گھرانے کے ساتھ رہنا، مسجد میں ڈیرا ڈال دینے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

☆ تمہارا بہترین دوست وہ ہے جو تمہیں تمہارے عیب دکھائے مگر سرِعام نہیں۔

☆ علم کو لکھ کر قید کر لو۔

از: نگینہ ضیا بخش، کراچی

افسوس

ایک صاحب کا خیال تھا کہ ان کا گدھا بڑا پیٹو ہو گیا ہے، کچھ چارہ بھی مہنگا ہو گیا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ اگر وہ ہر روز اپنے گدھے کی خوراک میں کمی کریں تو ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ ان کا گدھا بغیر کچھ کھائے پیے بھی نہ صرف یہ کہ زندہ رہے گا بلکہ بوجھ بھی اٹھا لیا کرے گا۔ انہوں نے بتدریج اپنے گدھے کی خوراک میں کمی کرنی شروع کر دی۔ گدھا کمزور اور لاغر ہونا شروع ہو گیا پھر ایک دن انہوں نے اپنے پروگرام کے مطابق گدھے کو خوراک دینا بند کر دی۔ گدھا چند دنوں کے بعد مر گیا۔ ان صاحب نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کتنے افسوس کی بات ہے کہ جب میرے گدھے نے بھوکا رہنا سیکھ لیا تھا تو مر گیا۔"

مرسلہ: انیقہ انا، چکوال

نظم

رات میرے آوارہ دل نے
مجھ سے یہ سرگوشی کی
لمحہ لمحہ جینے ...... کا یہ کون سا ڈھنگ نکالا ہے

روز سویرے اٹھ جاتے ہو
کام بہانے جُت جاتے ہو
دو چار گھڑی بھی فرصت کب ہے
ان باتوں کا کیا مطلب ہے
تم جن رستوں پہ چل نکلے ہو
وہ رستے لوٹ نہیں سکتے
وہ یاد سنبھل نہیں سکتی
وہ سپنے چھوٹ نہیں سکتے
پھر!
اتنے گم صم رہنے میں یہ کون سا بھید نکالا ہے
جسم سمیٹے پھرتے ہو اور دل شمشان میں ڈالا ہے
ایک گیا، ایک اور سہی
دو چار سہی، ہر بار سہی
پیارے پیار میں مندا ہے
کچھ ایسا گورکھ دھندا ہے
تم اس کا بھید نہ پاؤ گے
بس! وقت سے ہارے جاؤ گے
پھر ہوا چلی اور ٹوٹ گیا
جو سوچ کا تانا بانا تھا
پھر میں تھا اور تھی تنہائی
اور رستہ وہی پرانا تھا
رات میرے آوارہ دل نے مجھ سے یہ سرگوشی کی
لمحہ لمحہ جینے کا یہ کون سا ڈھنگ نکالا ہے

کلام: ساحر لودھی
پسند: فرح، کراچی

غزل

وقت کی سکندر ہوں
پھر بھی تم سے کمتر ہوں
مجھ کو دیکھتے کیا ہو
آئینے سے سندر ہوں
تم خوشی کے ساحل ہو
غم کا میں سمندر ہوں
ناز خود پہ کرتا رہ
کہ تیرا میں مقدر ہوں
کہتی ہے نظر تیری
خوش نما سا منظر ہوں
عرش پر چمکتی ہوں
چاند کے برابر ہوں
تو اگرچہ ہے پارس
میں بھی ایک جوہر ہوں
نور اترا خانم میں
اس لیے منور ہوں

کاوش: فریدہ خانم، لاہور

مختصر، مختصر

☆ میری بیوی سے بڑا جادوگر دنیا میں کوئی نہیں ہوا، اس کی طرح روپے غائب کرنا کوئی نہیں جانتا۔

☆ آخر تم نے اپنی بہن کو کیسے کہہ دیا کہ وہ احمق ہے اچھے لڑکے بنو اور اس سے معذرت کرو۔
پیاری بہن! مجھے افسوس ہے کہ تم احمق ہو۔

☆ ایسی کون سی ٹیبل ہے ..... جس کی ٹانگیں نہیں ہوتیں۔
ٹائم ٹیبل!

☆ کل میری بیوی کہیں غائب ہو گئی۔
پھر کیا تم نے اسے تلاش کر لیا؟
میں نے ارادہ کیا تھا پھر اپنا ارادہ منسوخ کر دیا۔

☆ پندرہ برس تک تصنیف و تالیف کرنے کے بعد مجھ پر ظاہر ہوا کہ مجھ میں تو لکھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے لیکن اب میں مجبور تھا کیونکہ میں مشہور ہو چکا تھا۔

مرسلہ: وزیا ظفر، چکوال

میرے ہم سفر

میرے ہم سفر، میرے چارہ گر
کوئی روشنی میرا خواب کر
یوں سنوار دے میری ہمتیں

Digest Novels .com

کہ قوی تر ہوں مرے بال و پر
مجھے خوف ہو، نہ ملال ہو
ترا ساتھ ہو، میرے ساتھ گر
مجھے پستیوں سے نکال دے
تیرے احترام کی اِک نظر
یہ گریز جو ہے درمیاں
میرے چارہ گر یہ مٹے اگر
میری زندگی کے کبھی پہر
بس ایک پل میں ہوں معتبر
میرے ہم سفر، میرے چارہ گر
کوئی روشنی، میرا خواب کر

شاعرہ: بساس گل، رحیم یار خان

تاج محل

☆ اگر میرا شوہر وعدہ کرے کہ میرے مرنے کے بعد ایسا ہی تاج محل بنائے گا تو میں ابھی مرنے کے لیے تیار ہوں (ملکہ الزبتھ دوئم)

☆ حیرت ہے امریکا کی مدد کے بغیر یہ عمارت کیسے مکمل ہوگئی۔ (ایل بی جانسن)

☆ ہندوستان میں ہے ہی کیا سوائے غربت اور تاج محل کے۔ (ماؤزے تنگ)

☆ کاش تاج محل دریائے ٹیمز کے کنارے منتقل ہوسکتا۔ (چرچل)

☆ تاج محل کو چاندنی رات میں نہ دیکھو، اس سے ذہنی توازن بگڑ سکتا ہے۔ (فارلس برنڈز)

مرسلہ: رابعہ عمر رانی، ننکانہ صاحب

ساون رُت

میں نے سنا ہے
ساون رُت میں بچھڑنے والے
پھر کبھی نہیں مل پاتے ہیں
آج میں بیٹھی سوچ رہی ہوں
ہم بھی تو ساون رُت میں بچھڑے تھے

شاعرہ: افتخار شوق، میاں چنوں

مرد کہیں جسے

☆ مرد اور درد میں کوئی فرق نہیں، دونوں قبر تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

☆ ایک گرلز کالج کے سامنے ایک بورڈ آویزاں تھا، جس پر یہ عبارت درج تھی۔ ''نوجوان مرد کالج کے سامنے سے نظریں جھکا کر چلیں۔'' اور واقعی ایک لڑکا نظریں جھکا کر چلا گیا...... بورڈ کے سامنے سے۔

☆ مرد ایک ایسا وائرس ہے جسے آج تک سائنسدان بھی نہیں سمجھ سکے۔

☆ مرد ایسا سانپ ہے جہاں دولت دیکھتا ہے وہی کنڈلی مار کر بیٹھ جاتا ہے وہ حسن کی دولت ہو یا کرسی کی۔

☆ مرتے وقت باپ نے بیٹے کو نصیحت کی۔ ''بیٹے اگر میرے نقشِ قدم پر چلوگے تو زندگی میں کامیاب رہوگے۔'' دوسرے دن لوگوں نے اسے گرلز کالج کے سامنے پایا۔

☆ مرد کو جیومیٹری بہت پسند ہے، اس لیے وہ اپنا ٹرائی اینگل ہمیشہ مکمل رکھتا ہے۔ پہلا اینگل بیوی، دوسرا خود اور تیسرا اینگل محبوبہ کو بناتا ہے۔

☆ مرد ایسا اور اسٹائل فنکار ہے جو خود کو ہر قسم کے کردار میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

☆ باپ نے بیٹے سے کہا۔ ''بیٹا زندگی کے ہر میدان میں قدم جمانا۔'' دوسرے ہی دن بیٹا گھر جمائی بن گیا۔

انتخاب: ستارہ شاہ وارث، راولپنڈی

علم، سمجھداری، ظرافت

استاد نے شاگرد سے پوچھا: ہمارے کتنے گردے ہوتے ہیں؟

شاگرد: چار۔

استاد: (استہزائیہ انداز میں) چار؟ ہاہا۔ (شاید استاد ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے علم کے زعم میں شاگردوں کی غلطیوں پر ان کی تحقیر کرکے راحت پاتا تھا)

اس نے اگلی نشستوں والے شاگردوں سے کہا۔ ''ایک گھاس کا گٹھر لاؤ، ہماری کلاس میں ایک

گدھا رہتا ہے۔"

"اور میرے لیے کافی لیتے آنا۔" وہی شاگرد بولا۔

استاد یہ سن کر آگ بگولہ ہوگیا اور اسے کلاس سے باہر نکال دیا۔ یہ شاگرد، اپاریشیو توریلی اوپریلی (۱۸۹۵ تا ۱۹۷۱) آگے چل کر ایک بڑا مزاح نگار بنا، جو اپنے قلمی نام "باروں دی اتغانغے" کے نام سے مشہور ہوا۔

کلاس سے باہر جاتے، جاتے شاگرد نے بیخ پا استاد کو یہ کہنے کی ہمت ضرور کی۔ "آپ نے مجھ سے پوچھا تھا۔ "ہمارے" کتنے گردے ہوتے ہیں تو میں نے کہا چار...... دو آپ کے، دو میرے۔ اب آپ گھاس کا مزہ لیجیے۔"

جی ہاں، زندگی میں علم کے علاوہ سمجھداری اور ظرافت بھی ضروری ہے۔

مرسلہ: یاسمین رضوی، کراچی

گناہ کا سایہ

گناہ کا اثر سائے کے مانند ہم سے چپکا رہتا ہے اور ہمارے وجود کو تاریک کر دیتا ہے۔ اس کے اثرات ہمارے ساتھ، ساتھ کھنچے چلے آتے ہیں اور ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ بعض اوقات یہ سایہ ہم سے بھی بڑا ہو جاتا ہے۔ ایک برے عمل کا اثر اس کے حجم سے کہیں زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ (علی رضا پناہیان)

مرسلہ: صدیقہ حسین نوری، کوہاٹ

معافی

ماہر نفسیات کہتے ہیں کہ معاف کرنے سے خوشیاں ملتی ہیں اور روٹھ کر الگ ہو جانے اور انتقامی جذبات کا اظہار کرنے سے اینگزائٹی اور ڈپریشن پیدا ہوتا ہے۔

پروردگار عالم سورۂ تغابن آیت ۱۴ میں ارشاد فرماتا ہے۔

"اگر تم معاف کر دو اور درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بے شک اللہ بہت بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔"

مرسلہ: منزہ بتول، کراچی

دعا

پیاسی دھرتی پہ بارش کے قطرے
خوشبو اڑا کے
دل کو لبھاتے ہیں
فصلیں اگاتے ہیں
اے میرے ربِ کریم!
خشک مٹی کو پانی سے سیراب کر دے
اور میرے جیون کی
سونی راہیں بھی شاداب کر دے
رحمتوں کی فصلِ گل سے
میرا پھیلا دامن بھر دے

شاعرہ: شگفتہ شفیق، کراچی

ساون اور ساجن

ساون اور ساجن کتنے ملتے جلتے ہیں
بالکل ایک سے لگتے ہیں
دونوں ہی گرجتے ہیں
دونوں ہی برستے ہیں
یہ تن کو بھگوتا ہے
وہ من کو لبھاتے ہیں، آنکھوں کو بھگوتے ہیں
دونوں کے آگے میں بے بس ہو جاتی ہوں
دونوں اچھے لگتے ہیں
میرے من میں بستے ہیں
اسی لیے تو شاید اک دوجے سے جلتے ہیں
ساجن جب بھی آئیں تو ساون نہیں آتا
جب ساون آئے تو ساجن دور بہت ہوتے ہیں
تب اندر ہی اندر میں جل بجھ جاتی ہوں
ساون کے ساتھ مل کے نیر بہاتی ہوں
اس کی رم جھم میں اپنے اشک ملاتی ہوں
پور پور بھیگ کر بھی تشنہ رہتی ہوں
میں تشنہ ہی رہتی ہوں

کاوش: پروین عذرا تشنہ، کراچی

☆☆☆

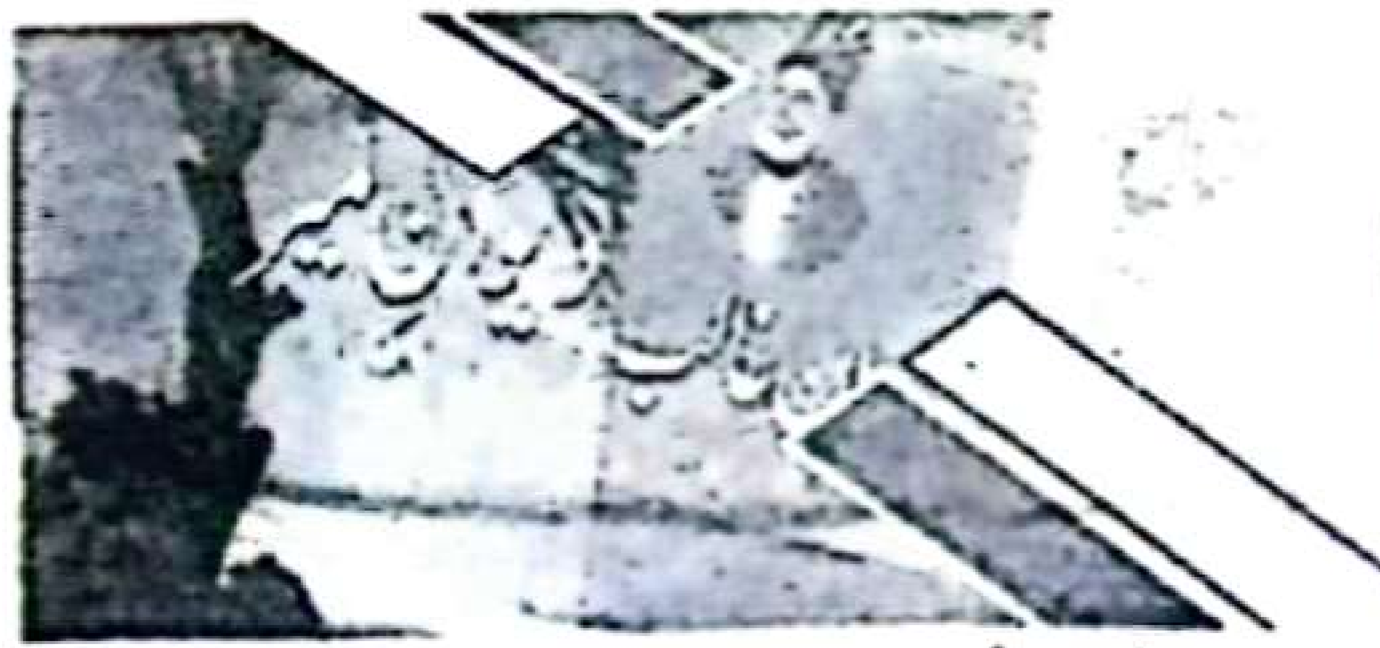

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆ناہید امجد......عبداللہ ٹاؤن، اوکاڑہ

میری روشنی تیرے خدوخال سے مختلف تو نہیں مگر
تو قریب آ تجھے دیکھ لوں تو وہی ہے یا کوئی اور ہے

☆مسز نکہت غفار......کراچی

کچھ صبحِ تمنا کے تقاضوں کو بھی سمجھو
کافی نہیں کہنا کہ سحر ہو کے رہے گی

☆ثنا نثار......ہری پور

قہقہے سنگِ ملامت کی طرح برسے ہیں
ہم تری بزم سے اٹھے بڑے اعزاز کے ساتھ
تو نے اِک بار مجھ کو پکارا تھا سرِ راہ گزر
رک گیا سارا زمانہ تری آواز کے ساتھ

☆سمیرا آصف......کراچی

جب خوف تھا تو کوئی بھی چھپنے کی جا نہ تھی
اب ڈر نہیں تو کتنی پناہیں نکل پڑیں

☆مہوش سمیر......کراچی

رعایا خوش نہ ہو جس میں ہم ایسی بادشاہی کو
نہ پہلے مانتے تھے اور نہ اب تسلیم کرتے ہیں

☆نور الصباح......میرپورساکرو

تجھ سے ملے بچھڑ گئے، تجھ سے بچھڑ کے مل گئے
ایسی بھی قربتیں رہیں، ایسے بھی فاصلے رہے
تُو بھی نہ مل سکا ہمیں، عمر بھی رائیگاں گئی
تجھ سے تو خیر عشق تھا خود سے بڑے گلے رہے

☆نادیہ توصیف......اسلام آباد

اب یہ موسم مری پہچان طلب کرتے ہیں
میں جب آیا تھا یہاں تازہ ہوا لایا تھا

☆میمونہ عارف......راولپنڈی

تجھے بھلائیں کہ اب تیری آرزو کی جائے
یہ بات طے ہو تو پھر تجھ سے گفتگو کی جائے

☆ثنا یوسف......ملتان

اس ڈر سے میں سویا نہیں نیندوں کے سفر میں
کب میرے تعاقب میں وہ خوشبو نکل آئے

☆صبا جاوید......کراچی

اِک چراغ اور اِک دعا کا جب سے پل، پل ساتھ رہا ہے
دھوپ میں سایا جس میں پُروا، پیاس میں بادل ساتھ رہا ہے

☆ندا رحمان......فیصل آباد

میں نے پلکوں سے چنیں چاند کی ٹوٹی کرنیں
میری آنکھوں میں ابھی شب کے حوالے ہوں گے

☆لالہ رخ......پشاور

جس کو ہر سانس میں محسوس کیا ہے ہم نے
ہم اسے ڈھونڈنے نکلیں تو زمانے لگ جائیں
سوچتے یہ ہیں تیرا نام لکھیں آنکھوں پر
چاہتے یہ ہیں تجھے سب سے چھپانے لگ جائیں

☆حنا......جیکب لائنز

اب کیا کہیں کہ تم سے محبت ہی اور ہے
لیکن درونِ دل تو روایت ہی اور ہے
ممکن ہے تیرے حق میں نہ ہو فیصلہ کوئی
یہ دل ہے اور دل کی عدالت ہی اور ہے

☆ادیبہ یوسف......کورنگی، کراچی

بس اِک رستہ، اِک آواز ہے اور اِک سایا ہے
یہ کس نے آ کے گہری نیند سے مجھ کو جگایا ہے
کہاں تک روکتے آنکھوں میں ابرو بادِ ہجراں کو
اب آئے ہو کہ جب یہ شہر زیرِ آب آیا ہے

☆عطیہ نوشین......کراچی

تمہارے ساتھ چلنے پر جو دل راضی نہیں ہوتا
بہت پہلے ہم اپنا فیصلہ تبدیل کر لیتے
جدائی بھی نہ ہوتی، زندگی بھی سہل ہو جاتی
جو ہم اِک دوسرے سے مسئلہ تبدیل کر لیتے

☆ زویا اکبر...... ملتان

دور تک پھیلا ہوا اِک واہمہ رہ جائے گا
تو نہیں ہوگا تو ان آنکھوں میں کیا رہ جائے گا
اپنے دروازے پہ دستک دوں گا تیرے نام کی
خود سے ملنے کا یہی اِک راستہ رہ جائے گا

☆ نگہت اعوان...... سرگودھا

میں تجھے ڈھونڈنے یادوں کی کھلی سڑکوں پر
خشک پتوں کی طرح روز بکھر جاتا ہوں

☆ جویریہ سہیل...... کراچی

جس طرح بھی طے ہوا یہ فاصلہ اچھا لگا
پہلے وہ اچھا لگا پھر آئینہ اچھا لگا
پہلے ہم اِک دوسرے کے سائے میں چھپتے پھرے
اور اس کے بعد پھر جو کچھ ہوا، اچھا لگا

☆ ثروت سجاد...... لندن

بے ہنر لوگ کہاں اور سچائی کہاں
اب کتابیں کسی دریا میں بہا دی جائیں

☆ مقدس طاہرہ...... بہاول پور

جو دل میں ہے آنکھوں کے حوالے نہیں کرتا
خود کو کبھی خوابوں کے حوالے نہیں کرتا
اس عمر میں خوش فہمیاں اچھی نہیں ہوتیں
اس عمر کو وعدوں کے حوالے نہیں کرتا

☆ شہلا نواز...... لاہور

اے راہِ عشق کے راہی سن، چل ایسے سفر کی لذت میں
آنکھوں میں تری نئے خواب تو ہوں، پر خوابوں کی تعبیر نہ ہو

☆ نائمہ ...... منڈی بہاؤالدین

کہا کس نے ہم نے کو وہ محبت یاد آتی ہے
اٹھائی ہے جو برسوں وہ اذیت یاد آتی ہے

☆ الماس رضوان...... کراچی

ہمیں ہی جرأت اظہار کا سلیقہ ہے
صدا کا قحط پڑے گا تو ہم ہی بولیں گے

☆ آمنہ شریف...... لانڈھی، کراچی

وہ پرندہ خود کسی منہ کا نوالہ بن گیا
آب و دانے کے لیے بچھڑا جو اپنی ڈار سے

☆ ملکہ خان...... سکھر

ہر ہجر وصال کر دیا ہے
تو نے کمال کر دیا ہے
اِک لمحۂ عشق تھا سو میں نے
صرف مہ و سال کر دیا ہے

☆ نعیمہ رؤف...... ملتان

جو عشق کھول نہ پائے قبائے ذات کے بند
زمانہ ساز ہے آداب کے برابر ہے

☆ رعنا مشتاق...... سرگودھا

تو میرے خواب میرے دائرۂ شب سے نہ چھین
یوں بھی میں اپنے ستارے بڑے مدہم دیکھوں
جس کے نشتر سے بھڑکتی ہے میرے زخم کی لو
کتنی وحشت سے اسی ہاتھ میں مرہم دیکھوں

☆ نسیم نیازی...... لاہور

کتنے کوسوں پہ جابسا ہے تو
میں تجھے سوچ بھی نہیں سکتا
اتنا بے بس ہوں تری سوچ کو میں
ذہن سے نوچ بھی نہیں سکتا

☆ ماہ نور خان...... بہارہ کہو

تم ناحق ٹکڑے چُن چُن کر دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں کیوں آس لگائے بیٹھے ہو

☆ ثوبیہ ظہور...... ضلع اٹک

ہم اسی ڈر سے ترے شہر سے گزرے نہ کبھی
جانے دل شدتِ جذبات میں کیا کر گزرے
حرف در حرف خاموشی کے سوا کچھ بھی نہ تھا
میری نظروں سے جو الفاظ کے دفتر گزرے

☆ عرشیہ جنید...... کراچی

میں کیسے جیوں گر یہ دنیا ہر آن نئی تصویر نہ ہو
یہ آتے جاتے رنگ نہ ہوں اور لفظوں کی تنویر نہ ہو

☆ شاہانہ سلطان...... کراچی

یہ مشکلیں تو بدل دیں گی راستہ خود ہی
بس ایک شرط ہے عزمِ سفر نہ چھوڑا جائے

☆☆☆

خوش ذائقہ

شگفتہ یاسمین

منس پاکٹس

اشیا: قیمہ، (بھنا ہوا)، ایک پیالی۔ میدہ، دو پیالی۔ نمک، حسب ذائقہ۔ خشک خمیر، ڈیڑھ چائے کا چمچ۔ چینی، ایک چائے کا چمچ۔ کالی مرچ پسی ہوئی، ڈیڑھ چائے کا چمچ۔ اجوائن، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ دہی، ایک پیالی۔ ہری پیاز، ایک عدد۔ خشک دودھ کا پاؤڈر، ایک کھانے کا چمچ۔ ادرک لہسن کا پیسٹ، ایک چائے کا چمچ۔ مارجرین یا مکھن، ایک کھانے کا چمچ۔ پیاز، دو عدد۔ کوکنگ آئل، حسب ضرورت۔

ترکیب: میدے میں نمک، چینی، آدھا چائے کا چمچ، کالی مرچ، اجوائن، خشک دودھ، مارجرین یا مکھن ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور اسے نیم گرم پانی سے نرم گوندھ لیں۔ کچن ٹاول میں لپیٹ کر دس سے پندرہ منٹ کے لیے گرم جگہ پر رکھ دیں تاکہ تھوڑا سا پھول جائے۔ اس دوران قیمہ تیار کرلیں۔ بھنا ہوا قیمہ بنانے کے لیے 200 گرام قیمہ کے لیے ایک پیالی دہی میں ایک چائے کا چمچ ادرک، لہسن اور دو پیاز آملیٹ کی طرح چوپ کی ہوئی، نمک اور ایک چائے کا چمچ کالی مرچ ڈال کر ملائیں۔ ایک کھانے کا چمچ ... کوکنگ آئل ڈال کر ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ جب قیمے کا اپنا پانی خشک ہوجائے تو اچھی طرح بھونیں۔ باریک کٹی ہوئی ہری پیاز چھڑک کر چولھے سے اتار کر ٹھنڈا کرنے رکھ دیں۔ گندھے ہوئے میدے کو بیل کر اس کے چوکور ٹکڑے کاٹ لیں اور اس کے دونوں کناروں کو اس طرح ملائیں کہ کشتی کی شکل میں آجائے۔ کڑاہی میں کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر گرم کریں اور ان کشتیوں کو اس میں سنہری فرائی کر کے نکال لیں ان کشتیوں میں تیار کیا ہوا قیمہ بھر دیں۔ خوب صورتی سے پلیٹ میں سجا کر ٹماٹو کیچپ یا چٹنی کے ساتھ شام کی چائے کے وقت پیش کریں۔

چکن پالک پزا

اشیا: چکن، آدھا کلو۔ لیموں کا رس، دو کھانے کے چمچ۔ پالک، آدھا کلو۔ انڈا، ایک عدد۔ میدہ، تین پیالی۔ خشک خمیر، ایک کھانے کا چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ چیڈر چیز، ایک پیالی۔ ادرک، لہسن پسا ہوا، ایک کھانے کا چمچ۔ موزریلا چیز، آدھی پیالی۔ کٹی ہوئی لال مرچ، ایک کھانے کا چمچ۔ آئل، چار سے چھ کھانے کے چمچ۔

ترکیب: پالک کو صاف دھو کر تین سے چار منٹ ابلتے ہوئے پانی میں رکھیں اور پھر اسے پانچ سے سات منٹ کے لیے ٹھنڈے پانی میں ڈال دیں۔ چھلنی میں رکھ کر اچھی طرح پانی خشک کریں اور باریک چوپ کرلیں۔ فرائنگ پین میں ڈال کر درمیانی آنچ پر رکھیں اور لکڑی کا چمچ چلاتے ہوئے اس کا پانی خشک کرلیں۔ میدے میں نمک، خمیر، انڈا اور دو سے تین کھانے کے چمچ آئل ڈال کر ملائیں اور اسے اچھی طرح گرم پانی سے گوندھ لیں۔ ڈھک کر گرم جگہ پر پندرہ سے بیس منٹ رکھیں تاکہ اچھی طرح پھول جائیں، پزا پین میں آئل لگا کر گندھے ہوئے میدے کو پھیلا کر روٹی کی طرح لگالیں۔ چکن کی چھوٹی بوٹیاں کاٹ کر اس پر ادرک لہسن، نمک، لال مرچ، لیموں کا رس، اور ایک کھانے کا چمچ آئل لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ پھر اسے گرم گرل پین پر پانچ سے سات منٹ کے لیے گرل کرلیں۔ پین میں ایک کھانے کا چمچ آئل اور ایک کھانے کا چمچ میدہ ڈال کر بھونیں اور خوشبو آنے پر اس میں پالک شامل کردیں۔ تھوڑا، تھوڑا کر کے ایک پیالی پانی ڈال کر پیسٹ بننے تک پکائیں اور چولھے سے اتار کر دونوں طرح کے چیز کو کش کر کے ملالیں۔ پزا پر پہلے آدھا پالک اور چیز کا پیسٹ لگائیں پھر چکن کی بوٹیاں رکھ کر دوبارہ سے پالک کا

پیسٹ لگائیں۔ اوپر سے آئل چھڑک کر گرم اوون میں 180c رکھ دیں۔ دس سے بارہ منٹ بیک کرکے اوون سے نکال لیں۔

ہمیشہ یاد رکھیں امی کی ریسیپی کیونکہ یہی ہے راز ہوم شیف بننے کا۔

گووا کا خاص گوشت

اشیا: گوشت، آدھا کلو۔ نمک، حسب ذائقہ۔ لہسن کے جوے، تین سے چار عدد۔ پیاز، ایک عدد۔ ثابت دھنیا، ایک چائے کا چمچ۔ سفید زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ پسی ہوئی لال مرچ، ایک کھانے کا چمچ۔ ہلدی، آدھا چائے کا چمچ۔ ثابت رائی، آدھا چائے کا چمچ۔ کوکونٹ ملک، آدھی پیالی۔ لیموں کا رس، دو کھانے کے چمچ۔ ہری مرچیں، تین سے چار عدد۔ ہرا دھنیا، دو کھانے کے چمچ۔ آئل، چار کھانے کے چمچ۔

ترکیب: گوشت کو دھو کر چھلنی میں رکھ کر خشک کرلیں، پیاز کو باریک کاٹ کر رکھ لیں۔ لہسن کے جووؤں کو چھیل لیں۔ دھنیا اور زیرہ بھون کر کوٹ لیں اور اسے لال مرچ، ہلدی اور لیموں کے رس میں ملا کر پیسٹ بنالیں۔ اس پیسٹ کو گوشت پر اچھی طرح لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پین میں آئل میں رائی ڈال کر کڑکڑائیں پھر اس میں پیاز اور لہسن ڈال کر سنہری فرائی کرلیں۔ اس میں مسالا لگا ہوا گوشت ڈال کر ڈھک دیں اور ہلکی آنچ پر گوشت گلنے تک پکائیں۔ (نہ گلنے کی صورت میں تھوڑا سا پانی شامل کردیں۔) جب گوشت مکمل طور پر گل جائے تو اس میں کوکونٹ ملک اور نمک ڈالیں اور ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں حسب پسند گاڑھا ہونے پر باریک کٹی ہوئی ہری مرچیں اور ہرا دھنیا چھڑک کر چولھے پر سے اتار لیں۔

نکہت زیدی، اسلام آباد

سالٹ اینڈ پیپر چکن

اشیا: چکن بریسٹ، دو عدد۔ نمک، حسب ذائقہ۔ لہسن کے جوے، تین سے چار عدد۔ کالی مرچ پسی ہوئی، آدھا چائے کا چمچ۔ سفید مرچ پسی ہوئی، ایک چائے کا چمچ۔ سویا ساس، دو کھانے کے چمچ۔ کارن فلاور، ایک کھانے کا چمچ۔ چکن کی یخنی، آدھی پیالی۔ ہری مرچیں، دو سے تین عدد۔ سرخ شملہ مرچ، حسب پسند۔ ہری پیاز، دو عدد۔ کوکنگ آئل، دو کھانے کے چمچ۔

ترکیب: چکن بریسٹ کو دھو کر دس سے پندرہ منٹ کے لیے فریزر میں رکھ دیں پھر اس کی باریک لمبی پٹیوں کی شکل میں بوٹیاں کاٹ لیں۔ ہری پیاز، شملہ مرچ اور ہری مرچوں کو بھی لمبائی میں کاٹ کر رکھ لیں۔ لہسن کے جووؤں کو چھیل لیں۔ ایک پیالے میں نمک، کالی مرچ، سفید مرچ اور سویا ساس ڈال کر ملائیں اور چکن کو اس مسالے سے میرینیٹ کرکے دس سے پندرہ منٹ کے لیے رکھ دیں۔ فرائنگ پین میں آئل کو گرم کریں اور اس میں لہسن اور چکن ڈال کر چار سے پانچ منٹ فرائی کریں۔ پھر اس میں چکن کی یخنی ڈالیں، ابال آنے پر کارن فلاور کو دو چمچ ٹھنڈے پانی میں گھول کر ڈال دیں اور ساتھ ہی ہری پیاز بھی شامل کردیں۔ دو سے تین منٹ پکانے کے بعد اس میں کٹی ہوئی شملہ مرچ اور ہری مرچ ڈال کر چولھے سے اتار لیں۔ گرم، گرم ڈش میں نکال کر فرائڈ رائس کے ساتھ پیش کریں۔

غزالہ نصیر، سرگودھا

کوکونٹ کسٹرڈ

اشیا: کوکونٹ ملک، ڈیڑھ پیالی۔ دودھ، آدھی پیالی۔ چینی، تین چوتھائی پیالی۔ کارن فلاور، ڈھائی کھانے کے چمچ۔ پسا ہوا ناریل، آدھی پیالی۔ فریش کریم، آدھی پیالی۔ کوکونٹ ایسنس، دو سے تین قطرے۔

ترکیب: کوکونٹ ملک میں چینی ڈال کر اچھی طرح ملالیں اور چولھے پر رکھ کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ کارن فلار کو دودھ میں گھول لیں اور جب کوکونٹ ملک پکتے ہوئے گاڑھا ہونے پر آجائے تو اس میں چمچ چلاتے ہوئے شامل کردیں۔ جب کسٹرڈ کی شکل میں آجائے تو پسا ہوا ناریل ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور چولھے پر سے اتار لیں۔ فریش کریم کو پیالے میں ڈال کر فریج میں رکھ کر ٹھنڈا کرلیں پھر اسے الیکٹرک بیٹر کی مدد سے پھینٹ لیں۔ کسٹرڈ جب روم ٹمپریچر پر ٹھنڈا ہوجائے تو اس میں کریم اور کوکونٹ ایسنس ڈال کر ملائیں۔ یخ ٹھنڈا کرکے اس مزیدار میٹھے کو نوش فرمائیں۔

آسیہ عامر، کراچی

☆☆☆

بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ نائمہ خالد...... چیچہ وطنی

سوال ◄ بارش میں کس رنگ کے کپڑے پہننے چاہئیں؟

جواب ◄ کچے رنگ کے۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ نرگس نسیم...... صابہ موہڑہ

سوال ◄ پاکستان میں شادی سے پہلے بچوں کی مرضی پوچھ کر بھی اپنی مرضی کیوں چلائی جاتی ہے؟

جواب ◄ دونوں کی مرضی شامل ہوتاں بھئی......

☆ نورین اشرف...... گجرات

سوال ◄ گرجتے ساجن اور برستے ساون کو کس طرح ہینڈل کریں؟

جواب ◄ کڑکتی بجلی بن کر خاموش کرادیں۔

☆ جمیلہ لوہی...... بلوچستان

سوال ◄ ساون میں ساجن دور ہو تو کیا کریں؟

جواب ◄ فون پر لمبی، لمبی باتیں اور کیا!

☆ عابدہ سلطانہ...... جھنگ

سوال ◄ اتنا خوب صورت موسم ہے مگر......؟

جواب ◄ بجلی غائب، مائی غیر حاضر، گیس غائب۔

☆ مسز فرح امجد...... ٹاؤن شپ لاہور

سوال ◄ یہ وفا کہاں گئی ہے؟

جواب ◄ بھاگ گئی مگر کس کے ساتھ؟

☆ رخسانہ امجد...... ملکوال

سوال ◄ باجی، یہ دل لینے کی چیز ہے یا دینے کی......یا پھر؟

جواب ◄ دل، قسمیں، وعدے اور بھرم ٹوٹنے کی چیزیں ہیں۔ لینا نہ دینا۔

☆ نسیم عندلیب...... ڈیرامستی

سوال ◄ ساون میں تاک، تاک کر نشانے لگانا کس سے سیکھوں؟

جواب ◄ خیر تو ہے، اس موسم میں بڑی مستیاں سوجھ رہی ہیں۔ سکون سے ڈیرے میں نہیں بیٹھا جاتا۔

☆ عرشیہ جنید...... کراچی

سوال ◄ شعر مکمل کریں

دوست بن کر تمھیں کریں رسوا......!

جواب ◄ ہم کو ایسی ادا نہیں آتی

☆ شاہدہ طلعت...... ملتان

سوال ◄ فلیپر اور اونچی شرٹس کن لڑکیوں کو پہننا چاہیے؟

جواب ◄ تم جیسی نازک اندام کو۔

☆ سارہ خان...... نوشہرہ

سوال ◄ ساون میں کون یاد آتا ہے؟

جواب ◄ وہی جو دل کے بہت قریب ہوتے ہیں

☆ شبنم میر...... سیالکوٹ

سوال ◄ جب اپنے ہاتھ کے پکے کھانے میں مزہ نہ آئے تو؟

جواب ◄ کسی دوسرے کے ہاتھ کے پکے کھانے کھانا شروع کردیں۔

☆ قرۃ العین...... راولپنڈی

سوال ◄ ہمارے میاں جی گھر کا کوئی کام ہی نہیں کرتے، کیسے راغب کروں برتن دھونے اور ٹاکی لگانے کے لیے؟

جواب ◄ آنکھیں دکھاؤ......!

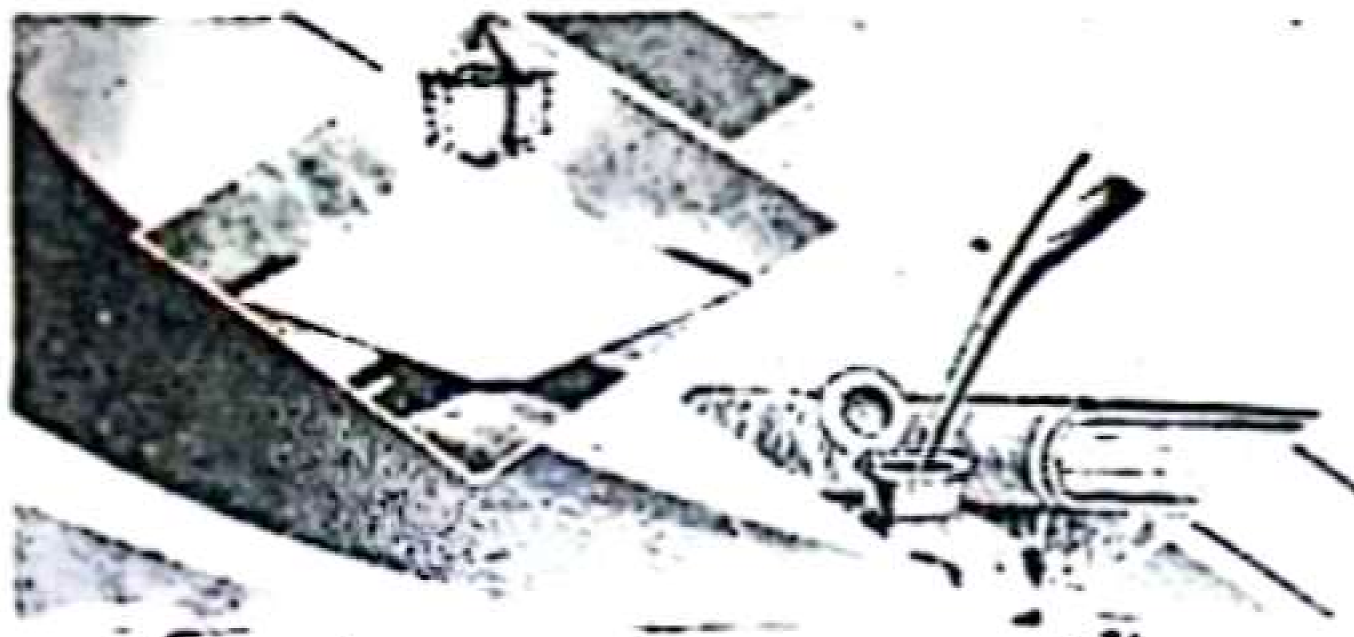

روحانی مشورے

ادارہ

گم شدہ چیز کی بازیابی کے لیے

اللہ پاک کے کلام میں شفا ہے، برکت، رحمت ہے یہ ہماری غفلت ہے کہ نادانی میں پڑے رہتے ہیں۔ اللہ پاک ہمیں کلام مجید صحیح معنوں میں پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا ہو، الٰہی آمین۔

سورۃ والعادیات کو ایک نشست میں سات دفعہ اول و آخر تین، تین دفعہ درود پاک کے ساتھ پڑھ کر اس گم شدہ چیز کا تصور کر کے دعا مانگیں ان شاء اللہ حاجت بر آئے گی۔ قرضداروں کا قرض بھی جلد سے جلد ادا ہو جائے گا۔

کسی بھی نیک حاجت کے لیے

نماز فجر یا نماز مغرب کے بعد چالیس دن تک ایک سو دس مرتبہ مندرجہ ذیل دعا کو پڑھیں۔ لڑکی کی شادی کے لیے ماں تلاوت کرے۔

یَا قاھِرَ العَدُو یَا والی الولی

یَامظھَرَ العجائبُ یَا مُرتضیٰ علی

ان شاء اللہ حاجت برآئے گی۔

اسماء الحسنیٰ سے حاجات

بوسیلہ محمد و آل محمدؐ

یَا وارثِ آلِ مُحَمَّدٌ اَدرِکنی یَانورِ آلِ مُحَمَّدٌ اَدرِکنی

حضرت محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلے کے ساتھ اسمائے باری تعالیٰ کا ورد کیا جائے تو کامیابی و نجات یقینی ہے۔ آپ اپنے جائز مقصد کے حل کے لیے کسی اسم مبارکہ کا ورد کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ لالچ، غیبت، تہمت، جھوٹ، شر، شراب نوشی، زنا، لوٹ کھسوٹ، غرور، تکبر، حسد اور بغض جیسے تمام امراضِ خبیثہ سے خود کو دور رکھیں۔ جس اسم کا آپ ورد کریں پڑھتے وقت یہ خیال رکھیں کہ اس کی قرأت ٹھیک ہونی چاہیے۔ ایک تسبیح ضرور پڑھیں۔ ہر مہینے میں ایک مرتبہ صدقہ ضرور دیں۔ پڑھنے سے پہلے اور اختتام پر کم از کم چودہ مرتبہ درود پاک لازمی پڑھیں۔

برائے بلندی و درجات اَلعَلِیُ

بہت بلند و بالا

یَا عَلِیُ بِحَقِ اللّٰھُمَّ صَلِ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ بِحَقِ یَا عَلِیُّ

برائے رشد و ہدایت اَلرَّشِیدُ

رشد و ہدایت دینے والا

یَا رَشِیدُ بِحَقِ اللّٰھُمَّ صَلِ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ بِحَقِ یَا رَشِیدُ

برائے فتح و کامیابی الفتاح

بہت بڑا مشکل کشا

یَا فَتَّاحُ بِحَقِ اللّٰھُمَّ صَلِ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ بِحَقِ یَا فَتَّاحُ

برائے قبولیت دعا اَلمُجِیبُ

دعائیں سننے اور قبول کرنے والا

یَا مُجِیبُ بِحَقِ اللّٰھُمَّ صَلِ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ بِحَقِ یَا مُجِیبُ

برائے حفاظت جان و مال اَلحَفِیظُ

سب کا محافظ

یَا حَفِیظُ بِحَقِ اللّٰھُمَّ صَلِ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ بِحَقِ یَا حَفِیظُ

حسن نکھارئیے

م ۔ جبیں

ہر موسم میں جلد کی نگہداشت کی مصنوعات متعارف ہوتی ہیں۔ گرمیوں میں وائٹنگ کریمیں اور spf مختلف درجات کے ساتھ مارکیٹ میں آتی ہیں لیکن حساس جلد کے ساتھ مسئلہ یہی ہے کہ وہ ہر کریم یا صابن استعمال نہیں کرسکتے۔ مثال کے طور پر ایک مفروضہ ہے کہ اگر بلیچ کریم جلد پر ارتعاش پیدا کررہی ہو تو جان لیجیے کہ یہ اپنا اثر دکھائی ہے، یا پھر مطلوبہ نتائج فوری طور پر حاصل ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ارتعاش اس صورت میں ہوتا ہے جب جلد کی حساسیت کسی پراڈکٹ کے کیمیائی اثرات قبول نہیں کر پاتی۔ یہ چبھن کی ہلکی سی علامت تو ہوسکتی ہے مگر اسے مثبت اثر مرتب کرنے کا اہل قرار دینا درست نہیں...... یہ ردِعمل قدرے ہلکا ہوتا ہے جو قابل برداشت ہوتا ہے چنانچہ فوراً دھو لیجیے۔ زیادہ دیر تک بلیچ جیسا مؤثر ترین کیمیائی عنصر زیادہ ہوجائے تو یہ ہلکا سا ارتعاش جلد کی قدرتی پروٹین اور نرمی کو زائل کردیتا ہے چنانچہ فوراً چہرہ صاف کرلیں اور آئندہ احتیاط کریں۔

یہ محض مفروضہ ہے کہ مردوں کے کیل مہاسے وقتی نہیں ہوتے یا ہوتے ہی نہیں۔ یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔ مردوں کو بھی بلوغت کی عمر میں ہارمونز کی فعالیت کے نظام میں خلل کے باعث کیل مہاسے نکل سکتے ہیں مگر کچھ ہی مدت کے بعد جلد صاف شفاف ہوجاتی ہے جبکہ خواتین کے ساتھ قدرے گمبھیر مسائل ہوتے ہیں۔ ماہانہ نظام میں بے ترتیبی یا زچگی کے دوران ہارمونل سسٹم کے بگڑنے کے باعث عمر کے 20,30 اور کبھی، کبھی 40 تک کی دہائیوں میں کبھی کبھی کیل مہاسے نکل سکتے ہیں۔

چہرے پر پڑی لکیریں بڑھتی عمر کا شاخسانہ ہیں۔

نہیں یہ جینیاتی مسئلہ بھی ہوسکتا ہے اور بہت دیر دھوپ میں رہنے یا کسی طویل بیماری کے بعد بھی لکیریں نمودار ہوسکتی ہیں۔ اسے چہرے کی مختلف ورزشوں، مساج اور فیشل کے مخصوص طریقوں سے ٹھیک کیا جاسکتا ہے۔ اس کا ایک حل سورج کی الٹراوائلٹ شعاعوں سے بچاؤ کرنا ہے۔ گرم ملکوں میں جہاں سردیاں مختصر عرصے کے لیے آتی ہیں گھر سے باہر کام کے لیے جانے والوں کو سن اسکرین ضرور استعمال کرنی چاہیے اور تفکرات سے بچنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ طبیعت میں موجود غصہ اور الجھنیں چہرے کی جلد کو فوری طور پر متاثر کرتی ہیں۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ چکنائی کا زیادہ استعمال کیل مہاسوں کا باعث بنتا ہے۔

یہ صحیح نہیں گو کہ زیادہ روغنی کھانے صحت کے لیے مضر ہوسکتے ہیں لیکن یہ پھر بھی کیل مہاسوں کا سبب نہیں ہوتے بلکہ اس پر مبنی غذائیں اور ڈیری مصنوعات زیادہ نقصان دہ ہوسکتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت زیادہ مٹھاس اور خاص کر چاکلیٹ کھانا کیل مہاسوں کا سبب ہوسکتا ہے۔

بلیک ہیڈز جلد کی گندگی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

یہ اپنی رنگت کی وجہ سے غلیظ معلوم ہوتے ہیں لیکن جلد کا صاف نہ ہونا ان کی افزائش کا سبب ہرگز نہیں ہے۔ جب آپ کی جلد sebum زیادہ بناتی ہے اور یہ مسامات میں ذخیرہ ہونے لگے تو ظاہر ہے کہ مسام بند ہوں گے اس جگہ ایک clog بنتا ہے جو مسام کو بند کرتا ہے۔ اسے بلیک ہیڈ کہا جاتا ہے۔ بہرحال اس کی صفائی کے لیے ماہر بیوٹیشن سے مدد لینا بہتر ہوتا ہے کیونکہ عام فیشل اسکرب میں salicylic acid کی موجودگی سے جلد کے مردہ خلیات جھڑتے ہیں تو قدرتی روغن بھی ضائع ہوسکتے ہیں۔ کوئی بھی ریگولر اسکرب عام حالات میں استعمال کیا جاسکتا ہے مگر بلیک ہیڈز کسی ماہر ہی کی مدد سے نکلوالینا صحیح ہوگا۔

☆☆☆

شوابے ہومیو کلینک

SCHWABE

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جا سکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

بیٹی کا قد

انجم ...... سکھر

مسئلہ یہ ہے کہ بیٹی کی عمر تقریباً 20 سال ہے اور اس کا قد 5 فٹ ہے جبکہ اس کا وزن 48 کلو ہے۔ میرا قد تقریباً 5 فٹ اور 5 انچ ہے اور والدہ کا قد 5 فٹ اور 2 انچ ہے، اگر اس کا قد بڑھ سکتا ہے تو دوا تجویز کر دیں۔ پلیز اسی ماہ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔ آپ دکھی انسانیت کی جس طرح خدمت کر رہے ہیں اس کی وجہ سے سب دعائیں لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔

جواب: ۔ قد بڑھنے کی عمر 19 سال تک ہے۔ لہٰذا بیٹی کے لیے معذرت۔

لوزتین

رابعہ نعیم ...... کوٹری

میرا بیٹا جس کی عمر تقریباً 16 سال ہے اس کا قد 4 فٹ اور 10 انچ ہے۔ وزن تقریباً 56 کلو ہے۔ اس کا گلا ہر وقت خراب رہتا ہے جس کی وجہ سے تقریباً ہر ماہ اسے اینٹی بایوٹک دینی پڑتی ہیں۔ اس کی اسٹڈیز کا بھی حرج ہوتا ہے۔ ویسے وہ پڑھنے میں لائق ہے لیکن ہر ماہ اسے بیماری کی وجہ سے چھٹیاں کرنی پڑتی ہیں۔ آج سے پانچ سال پہلے اسے ٹائیفائیڈ ہوا تھا لیکن ویکسین کے بعد کبھی دوبارہ نہیں ہوا۔ کوئی ایسی دوا تجویز کر دیں جس سے اس کا قد بھی لمبا ہو اور گلے بھی نہ بڑھیں۔ E.N.T ڈاکٹرز اس کے لیے آپریشن تجویز کرتے ہیں لیکن آپ کا کالم ہر ماہ پڑھ کر یہی علم ہوا ہے کہ ہومیو پیتھک میں اس

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

ستمبر 2025ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________

پتا: ____________

____

کا علاج موجود ہے۔ اس لیے آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔

جواب: ٹانسلز بڑھنے اور خراب ہونے کی وجوہات پر اگر ہم قابو پالیں تو نہ صرف ہم اس مسئلے کا علاج بہ آسانی کر سکیں گے بلکہ یہ مسئلہ ہوگا ہی نہیں۔ (1) ہر چیز کھا کر پانی پینے کی عادت ختم کریں خصوصاً مصالحے والی اور کھٹی چیزیں۔ (2) برف اور اس سے بنی چیزیں۔ (3) یخ ٹھنڈا پانی، شربت، کولڈ ڈرنکس۔ (4) سردیوں کے موسم میں سر کو ٹھنڈی ہوا لگنا۔ لہٰذا ان چیزوں سے احتیاط کریں تو 50 فیصد مسئلہ پہلے ہی حل ہو جائے گا اور بقیہ 50 فیصد کے لیے Baryta Carb 30 اور Merc Sol 30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ تین ماہ کے استعمال کے بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

شوگر، بلڈ پریشر اور پراسٹیٹ

فیصل ...... کراچی

مجھے کافی عرصہ سے پراسٹیٹ غدود کا مسئلہ ہے اور کوئی 6 سال سے شوگر اور بلڈ پریشر کا مسئلہ ہے۔ پراسٹیٹ غدود اور مثانہ کے لیے ہمیشہ ہومیوپیتھک ادویات استعمال کیں۔ ان ادویات کے استعمال کا فائدہ تو رہا لیکن مکمل طور سے افاقہ نہیں ہوا۔ ابھی میں نے ایلوپیتھک ڈاکٹر سے رجوع کیا انہوں نے کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیے اور دوا بھی دیں جو میں استعمال کر رہا ہوں اس سے بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ کمزوری بہت محسوس ہوتی ہے۔ خاص شکایت یہ ہے کہ بار بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ دن میں ہر آدھا ایک گھنٹا بعد اور رات میں تو 6 سے 7 مرتبہ اٹھنا پڑتا ہے۔ اجابت سے پہلے اور بعد میں بار بار پیشاب محسوس ہوتا ہے۔ کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مثانہ میں کچھ اٹکا ہے اور خارج نہیں ہو رہا ہے کچھ انتظار کے بعد تھوڑا سا خارج ہوتا ہے، کبھی پیشاب بالکل کھل کر صاف آتا ہے۔ کبھی رک رک کر اور کبھی پیشاب میں چبھن اور جلن محسوس ہوتی ہے۔

جواب: آپ کی رپورٹس کے مطابق شوگر کنٹرول میں نہیں، کیراٹینائن بارڈر پر ہے، پیشاب میں انفیکشن ہے، مثانہ، گردوں اور پراسٹیٹ کی بھی پرابلمز ہیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی فی الحال Sabal Pentakaran اور Merc.cor-30 اور Ptk-75 اور Syzigium jamboo Q کے 10،10 قطرے ایک گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ لیں۔ واک ضرور کریں، کم از کم ایک گھنٹا، شروع 15 منٹ سے کریں۔

ڈسٹرب پیریڈز

ریحام ...... حیدرآباد

میں پاکیزہ میں آپ کا کالم بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ گزشتہ پانچ سال سے پیریڈ بہت ڈسٹرب ہیں، کبھی 3 کبھی 4 ماہ بعد، لیکن گزشتہ دو سال سے بغیر دوا کے نہیں آتے۔ ہربل یا ہومیوپیتھک سے آ جاتے ہیں، لیکن بلیڈنگ رکتی نہیں۔ پھر دوا سے ہی رکتی ہے۔ اندرونی انفیکشن ہو جاتا ہے۔ جس کے ساتھ گردوں میں بھی درد ہوتا ہے، گیس بہت بنتی ہے پیٹ میں، گلے میں انفیکشن بھی رہتا ہے۔ منہ اندر سے ہر ٹائم چھلا ہوا رہتا ہے۔ مرچ مصالحہ بالکل نہیں کھا سکتی۔ دودھ بالکل نہیں پیا جاتا۔ ریشہ بن جاتا ہے، وزن کسی طرح کم نہیں ہوتا ہر کوشش کی۔ ہر طرح کا پرہیز کرتی ہوں لیکن روز بروز صحت گرتی جا رہی ہے۔ رنگت بہت صاف تھی لیکن اب رنگ بھی سیاہ پڑ گیا ہے۔ چہرے سمیت پورے جسم پر موٹے کالے بال نکل آئے ہیں، ہر وقت اسٹریس رہتا ہے، غصہ اور رونا بہت آتا ہے اپنی اس حالت پر کہیں آ جا نہیں سکتی ان باتوں کی وجہ سے۔ بہت دفعہ Orantic بھی استعمال کی کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ چکر بہت آتے ہیں۔ نیند بھی نہیں آتی اور نسوانی حسن کم ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کو بڑی امید کے ساتھ خط لکھ رہی ہوں برائے مہربانی جلد جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

جواب۔ واک کیا کریں، متوازن غذا لیں، دوسری تمام دوائیں بند کر دیں جب تک مکمل ٹھیک نہ ہوں، conceive کرنے کی کوشش بھی نہ کریں، ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ferrum Pentarkan Ptk-45 کی 2 گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ لیں Magnesium-Phos Pentarkan Ptk-60 ایک گولی دن میں 3 مرتبہ لیں۔ Oleum jecoris-30 کے 5،5 قطرے آدھا کپ پانی میں 3 مرتبہ لیں۔ 2 ماہ بعد حال بتائیں Ultra sound Whole Abdomen کرائیں اور شوہر کے متعلق بتائیں ان کی طبیعت کیسی رہتی ہے؟

پیشاب کی بار بار حاجت

سفیان......ڈسکہ

میرے دو مسائل ہیں برائے مہربانی رہنمائی فرمائیں۔ میرے خاندان میں کسی بھی فرد کی نظر اتنی کمزور نہیں، جتنی میری ہے۔ دوسرا مجھے چھوٹا پیشاب بہت زیادہ آتا ہے۔ اور اتنی تیز شدت سے آتا ہے کہ روکنا بالکل برداشت نہیں ہوتا۔ شوگر ٹیسٹ کروائی، شوگر نہیں ہے۔ پیشاب کرنے کے فوراً بعد پیاس لگ جاتی ہے۔ میرے لیے کوئی دوا تجویز فرمائیں۔ میری نظر ٹھیک ہوجائے اور چھوٹا پیشاب بھی کنٹرول ہوجائے۔

جواب۔ U/S for prostate اور Urine D/R بھی کرائیں۔ پانی پیشاب کرنے سے پہلے پئیں اور خالی پیٹ بھی پانی نہ پئیں، ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Acid Phos 30,Merc.corr 30 7 قطرے آدھا گلاس پانی میں 3 مرتبہ Calc-Carb-30،Physostigma-30 کے 5،5 قطرے آدھا کپ پانی میں 3 مرتبہ پئیں، ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

بریسٹ کی رسولی

ریشماں......وہاڑی

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ میں پاکیزہ کی پرانی قاری ہوں۔ پاکیزہ نے جو بورڈ کا سلسلہ شروع کیا ہے بہت اچھا ہے اس سے بہت سے لوگ شفایاب ہورہے ہوں گے۔ لیکن مجھے آپ ڈاکٹر حضرات سے ایک گلہ ہے کہ آپ ہمارے خط کا جواب نہیں دیتے۔

میرا مسئلہ یہ ہے، کہ آج سے تقریباً پانچ چھ سال پہلے ایک دن نہانے کے دوران مجھے اپنی سیدھی طرف بریسٹ میں گلٹی محسوس ہوئی۔ یہ گلٹی سخت اور چوڑی سی ہے۔ اس میں کوئی خاص تکلیف وغیرہ محسوس نہیں ہوتی یہاں تک کہ گلٹی کو دبانے سے بھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ ہاں اگر بہت زیادہ دبایا جائے تو پھر کچھ تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مینسز شروع ہونے سے کچھ دن قبل بریسٹ کے اردگرد کی جگہ میں ہلکی سی جلن، تکلیف اور بے چینی سی محسوس ہوتی ہے۔ کبھی گلٹی سخت ہوتی ہے اور کبھی نرم سی ہوتی ہے۔ یہ گلٹی جتنی پہلے دن نمودار ہوئی تھی آج بھی اتنی ہی ہے۔ یعنی چھوٹی بڑی کچھ نہیں ہوئی۔ تھوڑا بہت ہومیوپیتھک علاج کروایا ہے۔ ایلوپیتھک علاج میں کروانا نہیں چاہتی کیونکہ ایلوپیتھک میں سوائے چیر پھاڑ یعنی آپریشن کے اور کوئی علاج نہیں ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ آپریشن کے بعد حالت مزید بگڑ جاتی ہے اس لیے میں آپریشن کروانا نہیں چاہتی۔ ہومیوپیتھی میں ہر قسم کی گلٹیوں، رسولیوں اور گومڑ وغیرہ کا کامیاب علاج موجود ہے۔ میری آپ سے گزارش کہ ان تمام علامات کی روشنی میں میرے لیے کوئی بہت اچھا سا نسخہ تجویز کر دیجیے تاکہ میری گلٹی بغیر آپریشن کے صرف دوائیوں کی مدد سے ختم ہوجائے۔ مجھے معلوم ہے کہ گلٹی یکدم ختم نہیں ہوسکتی کچھ عرصہ تو ضرور لگتا ہے۔ مجھے جتنے عرصے بھی علاج کروانا پڑا میں کرواؤں گی۔ اور جو پرہیز وغیرہ ہو وہ بھی بتا دیجیے گا۔

جواب: محترمہ ہمیں آپ کا یہ پہلا خط ملا ہے جس کا

ہم جواب دے رہے ہیں۔ جب خدمت کا یہ سلسلہ شروع کیا ہے تو جواب نہ دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بریسٹ میں ٹیومر / گلٹی کیوں ہو جاتی ہے اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ اکثر کا ہومیوپیتھی میں بہت اچھا علاج ہے۔ چھ سال سے آپ کو یہ تکلیف ہے لیکن آپ نے ٹھیک سے اس کا علاج نہیں کروایا ورنہ کب کی آپ ٹھیک ہو چکی ہوتیں۔ U/S Breast کروائیے یا پھر Memmograme کروائیے تا کہ موذی مرض کا خدشہ ذہن سے نکل جائے۔ ساتھ کسی لیڈی ڈاکٹر سے بھی چیک کروا کر ہمیں مکمل رپورٹ بھیجئے تا کہ آپ کا صحیح علاج تجویز کیا جا سکے۔

رپورٹس پر علاج

بدر......سیالکوٹ

جناب میں آپ کو میڈیکل رپورٹ ارسال کر رہا ہوں۔ آپ سے التماس ہے کہ اگر ہومیوپیتھک میں اس بیماری کا علاج ممکن ہے تو آپ ان کو پڑھ کر نسخہ لکھ دیں۔ تمام ادویات ہمارے سیالکوٹ میں مل سکتی ہیں میں خرید لوں گا آپ کی مہربانی ہو گی۔ یہاں پر سرجیکل انسٹرومنٹ کی فیکٹری میں کام کرتا ہوں اور یہ جو رپورٹس ہیں فیکٹری کے چوکیدار کے بیٹے کی ہیں ہم اس کی مدد کریں گے۔ آپ کی نوازش ہو گی۔

- جواب: صرف رپورٹوں پر علاج نہیں کیا جا سکتا۔ مرض اور مریض کی ہسٹری کا بھی معلوم ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا مریض کی کیفیت سے بھی آگاہ کریں۔

خارش

منور......مراد آباد

میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے تین سال سے جسم میں خارش کی شکایت ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر سے دوا وغیرہ بھی لی ہے جس سے وقتی فائدہ تو ہو جاتا ہے لیکن پھر خارش شروع ہو جاتی ہے۔ رات کو سوتے وقت زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کبھی دن کو بھی شروع ہو جاتی ہے۔ دانے وغیرہ نہیں ہیں۔ خارش کر کر کے سر میں خون رسنے لگتا ہے پھر کنگھا کرنے سے چھلکے نکلتے ہیں۔

جواب: محترمہ متوازن غذا لیں، ورزش کریں۔ کھٹی، ٹھنڈی، مرچ والی اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں۔ بغل اور زیرِ ناف خارش کی وجوہات کئی ہو سکتی ہیں۔ ہیئر ریموونگ کریم سے الرجی، یا پرانے بلیڈ کا استعمال، انڈرویئر یا سینٹری پیڈز کا دیر تک استعمال، سر میں خارش کی ایک وجہ غیر معیاری صابن یا شیمپو کا استعمال، کلر الرجی خراب برش یا کنگھے میں میل کا جمع ہو جانا۔ ہر دوسرے دن ان کو بھی دھویا کریں۔

ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات ایک ماہ تک استعمال کریں اور مکمل تفصیل کے ساتھ حالات سے آگاہ کریں۔ Sulphur 200 کی ایک خوراک صبح نہار منہ لیں اس کے ایک دن بعد Graphites30, Vinca Minor 30 کے 5,5 قطرے آدھا گلاس کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔

قد اور دیگر مسائل

شیر خان......ڈیرہ بگٹی

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری بیٹی جس کی تاریخ پیدائش 2010ء کی ہے اس کا قد تقریباً 4 فٹ 8 انچ ہے۔ ہمارے خاندان میں سب لڑکیوں کے قد لمبے ہیں آپ سے درخواست ہے کہ قد لمبا کرنے کے لیے کوئی دوا دیں۔ دوسرا مسئلہ: سردی ہو یا گرمی اُس کے ہاتھ پاؤں پر پسینا آتا ہے۔ ہاتھ اور پاؤں ٹھنڈے بھی رہتے ہیں۔ تیسرا مسئلہ: رات کو بستر پر پیشاب کرتی ہے۔ چوتھا مسئلہ:۔ منہ سے بدبو آتی ہے اور دانت بھی پیلے رہتے ہیں اور مسوڑھے بھی سوجے رہتے ہیں۔

جواب:۔ قد بڑھنے کا مسئلہ خاندانی یا وراثتی ہوتا ہے جس میں ماں اور باپ دونوں کے خاندان کے لوگوں کے قد کے حساب سے ہوتا ہے۔ اچھا صاف ستھرا ماحول، متوازن غذا کا استعمال اور ورزش قد بڑھانے کے سلسلے

میں بڑے مفید و معاون ہوتے ہیں۔ بچی کو میٹھا کم کھلائیں، رات کو سوتے وقت دودھ نہ دیا کریں اور نہ پانی۔ پیشاب کر کے سلائیں۔ رات کو کمرا ٹھنڈا تو نہیں ہوتا؟ کمرے میں اندھیرا تو نہیں ہوتا۔ سوتے میں بچی ڈرتی یا ڈراؤنے خواب تو نہیں دیکھتی؟ رات کو سونے سے پہلے اور پھر کھانے کے بعد اچھے ٹوتھ پیسٹ سے برش کر کے سلائیں۔ جو بیماریاں آپ نے بیان کی ہیں اس کے لیے ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔

Calc Phos 30, Staphisagria 30, Merc Sol 6 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ استعمال کریں اور ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

بیماریاں جمع نہ کریں

مسز ارسل......کراچی

سنساہٹ، دل پر گھبراہٹ، بے چینی، ٹانگوں میں درد، رات کو نیند آتی ہے لیکن سو نہیں سکتی۔ پاؤں میں ایسا لگتا ہے جیسے کس کر باندھ دیے گئے ہوں۔ اکثر پاؤں سن رہتے ہیں پاؤں اتنے سوجے ہوئے ہیں کہ جب چلتی ہوں تو لگتا ہے جیسے فوم کے اُوپر چل رہی ہوں۔ زیادہ چلنے سے پاؤں مڑنے لگتے ہیں۔ پیر کی انگلیاں حرکت نہیں کرتیں، ہاتھ بھی سن ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی پورا جسم سن ہو جاتا ہے۔ کچھ کام کرنے سے بھی ہاتھ سن ہو جاتے ہیں اور مڑنے لگتے ہیں۔ تین سے چار گھنٹے بعد پیشاب آتا ہے اور پھر ایک گھنٹے بعد آتا ہے۔ اور وزن کم کرنے کی بھی دوا دیں۔ ٹانگوں میں طاقت نہیں ہے، اپنے سہارے چل نہیں سکتی واکر لے کر چلتی ہوں۔ بہت جلدی تھک جاتی ہوں مہروں میں گیپ ہو گئے ہیں زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتی۔

جواب: کمر کا ایکسرے کرا کر اس کی رپورٹ بھیجیں۔ دل کی کیفیت بھی کمزور لگ رہی ہے Lipid Profile اور Echo Serun Calcium کرا کر رپورٹ بھیجیں۔ فی الوقت ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Rhustox 30, Bryonia 30, Calc Carb 30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ استعمال کریں اور Cactus Q کے تین قطرے اور Crataegus Q کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ رپورٹوں کے ساتھ حال بتائیں۔ یاد رکھیں یہ تمام ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ہوں۔ غذا اور وزن آپ نے لکھا نہیں ہے بہر حال کیفیت کے مطابق تمام میٹھی، تلی ہوئی، بھنی ہوئی چیزوں سے پرہیز کریں۔ کولڈ ڈرنکس اور تمام اقسام کے شربت سے بھی اور جتنا آرام سے چل سکتی ہیں چلیں۔

ماہانہ نظام کی خرابی

سدرہ رفیق......لاہور

مجھے پچھلے دو سال سے ماہانہ نظام کی شکایت ہے۔ دوا لی تھی لیڈی ڈاکٹر سے مگر اس سے یہ فرق ہوا کہ جو پہلے صرف ایک دن ہوتے تھے وہ دو دن ہو گئے مگر مکمل آرام نہیں آرہا ہے، میرا وزن 64 کلوگرام ہے، قد 5.2 انچ ہے۔ پلیز مجھے کوئی اچھی سی دوائی تجویز کر دیں۔

جواب: میٹھی اور چکنائی والی اقسام کی چیزوں سے پرہیز کریں اور متوازن غذا استعمال کریں۔ ورزش کیا کریں۔ صبح سویرے سورج کی دھوپ لیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی MAGNESIUM Ptk60 PHOS ایک گولی دن میں 3 مرتبہ لیا کریں۔ 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

Dr.Willmar Schwabe Germany
Available at All Medical & Homoeopathic Stores
شوابے سنگل ریمیڈیز گھر بھر کی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیوپیتھی